اردو کا کلاسیکی ادب

طرح دار لونڈی

ناول

سجاد حسین لکھنوی

ایڈیٹر لا دو ھ پنچ

مرتبہ

ڈاکٹر میمونہ بیگم انصاری

مقدمہ

از

ڈاکٹر میمونہ بیگم

انیسویں صدی کے نثر نگاروں میں منشی سجاد حسین کا نام نثری اصناف کی مختلف سمتوں میں اپنی الگ الگ اہمیت رکھتا ہے۔ ایک مزاح نگار کی حیثیت سے، ایک صحافی کے مرتبے سے اور ایک ناول نگار کے رتبے سے، ان تینوں پہلوؤں کے علاوہ اگر ہم ان کی زندگی کے حالات کو بھی سمیٹ لیں تو اس طرح یہ مقدمہ چار حصوں میں آسانی سے منقسم ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ہم نے منشی سجاد حسین پر مقدمہ لکھنے کے لیے اسی منطقی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔ بظاہر یہ طریقہ بہت آسان ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک پہلو کا انتقادی ادراک اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک ہمارے تمام تحقیقی ماخذ اپنی ثقہ حیثیت سے اس طرح دریافت نہ ہو جائیں کہ نقد کا ہر مرحلہ تحقیقی مواد کی مدد سے طے ہوتا چلا جائے۔ ہر فن کار کے مرتبے کے تعین کے لیے (میں سمجھتی ہوں) یہ عمل بے حد ضروری ہے۔ منشی سجاد حسین پر کیا موقوف ہے، تقریباً انیسویں صدی کا ہر نثری فنکار آج تک اس انتقادی نظر کا محتاج ہے۔ منشی سجاد حسین پر کام کرنے کے لیے ہم اس لیے آمادہ نہیں ہو پاتے کہ ان کے تحقیقی ماخذ کا دریافت کرنا اب خاصا مشکل کام ہو گیا ہے۔ کوئی دس سال کے اندر اندر لکھنو یونیورسٹی نے پی ایچ ڈی کی سطح پر منشی سجاد حسین پر کام کروانے کی دو بار کوشش کی مگر ہر بار دو ایک برس گزرنے کے بعد ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ اس موضوع پر کام نہ ہونے کا سبب تحقیقی مواد کی عدم فراہمی تھا اور اس طرح ہر دفعہ بات آئی گئی ہوگئی۔

مسئلہ مقدم یہ ہے کہ ہمیں پوری طرح سے ان کی زندگی کے حالات نہیں فراہم ہو پاتے۔ دوسرا بڑا مسئلہ اودھ پنچ کی چھتیس سال کی فائلوں کی فراہمی ہے۔ تاکہ ان مضامین پر دسترس حاصل ہو جو منشی سجاد حسین کے قلمی رشحات فکر سے عبارت ہیں۔ مگر

افسوس یہ ہے کہ اودھ پنچ کی مکمل فائلیں دریافت کرنا گل بکاؤلی کی مہم سر کرنے سے کم نہیں۔ راجہ محمود آباد کی سقراط لائبریری، علی گڑھ کا کتب خانہ، رام پور، حیدرآباد اور پٹنہ کے تمام کتب خانوں کی بے ربط فائلوں کو یک جا کرنے کے علاوہ مسعود حسن ادیب اور احمد جمال پاشا کی فائلوں کو بھی اگر شامل کرلیا جائے تو کام کسی طور پر نہ ہونے سے بہتر تو ہوسکتا ہے۔ مگر مکمل طور پر نہیں ہوسکتا۔ اس کے علاوہ تیسرا مسئلہ ان کی ناول نگاری کا ہے۔ یہ مسئلہ تقریباً دوسرے مسائل سے آسان ہے مگر خاطر خواہ توجہ ابھی اس طرف بھی ہمارے نقادوں نے نہیں کی۔ ناول کی تاریخ پر تحقیقی نظر سے ابھی کام نہیں ہو سکا۔ دامن بچا کر کام کرنے کی ایک دو مثالیں یا ایک دو کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں، مگر حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری ناول کی تاریخ پر کام ہی نہیں ہوا اور بالخصوص منشی سجاد حسین کو ہمارے نقادوں نے درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ علی عباس حسینی کی کتاب کے علاوہ جمیل جالبی کا مقدمہ اس سلسلے کی دو اہم کڑیاں ضرور ہیں، مگر یہ حضرات منشی سجاد حسین کے تمام ناولوں کی فہرست ہی دریافت نہیں کر سکے ہوا یہ ہے کہ رام بابو سکسینہ نے اپنی تاریخ میں چند نام لکھ دیئے ہیں اور ہم سب اسی پر آمنا و صدقنا کرتے چلے آرہے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ایک ناول حیات شیخ چلی بھی منشی سجاد حسین کے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے۔ حالاں کہ یہ کتاب سجاد حسین انجم کسمنڈوی کی تصنیف ہے۔ خدا جانے اس تسامح کی کیا بنیاد ہوگی، غالباً ناموں کی یکسانیت ہو۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ جو کوئی بھی قلم اٹھاتا ہے بس آنکھ میچ کر سکسینہ کی مرتب کی ہوئی فہرستوں کو جوں کا توں شامل کر دیتا ہے۔ ضرورت واقعی ہے کہ ہم منشی سجاد حسین کو جانچیں، پرکھیں اور کسی خاص نتیجے پر پہنچیں۔ اب میں مندرجہ بالا چار پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ایک ایک پہلو کو الگ الگ پیش کرنا چاہتی ہوں۔

(1)

منشی سجاد حسین کے حالات زندگی کے سلسلے میں سب سے پہلا مرحلہ تاریخ

ولادت کا آتا ہے۔مورخ تاریخ ادب اردو رام بابو سکسینہ لکھتا ہے کہ موصوف کا سن ولادت 1854ء ہے۔ اس سن کی تصدیق تذکرہ مشاہیر کاکوری سے بھی ہو جاتی ہے؟ بظاہر اس تاریخ کی صحت میں کوئی اشتباہ معلوم نہیں ہوتا۔

---

1 ملاحظہ ہو تاریخ رام بابو سکسینہ (ترجمہ اردو) ص 894 ،گلوب پبلشرز لاہور۔۔۔۔۔ 2 ملاحظہ ہو تذکرہ مشاہیر کاکوری ص 183 مولف مولانا حافظ محمد علی حیدر اور ملاحظہ ہو تذکرہ خندہ گل ص 253 مولف مولوی عبدالباری آسی

منشی سجاد حسین کے جد بزرگ مولف تذکرہ مذکورہ کے قول کے مطابق محمد غوث حجاجی تھے جو بارہ بنکی کے مشہور قصبے دیوہ سے تعلق رکھتے تھے۔انہوں نے پہلی بار دیوہ کو خیر باد کہہ کر کاکوری ضلع لکھنو کا رخ کیا۔اسلامی تہذیب وتمدن کے لحاظ سے یہ دونوں خطے اودھ میں خصوصی طور پر صوفیانہ عقائد کے مراکز رہے ہیں۔منشی سجاد حسین کے اجداد ابتداء میں صوفیانہ عقائد سے بےحد قریب تھے۔اس کا ثبوت ہمیں تذکرہ مشاہیر کاکوری کے مختلف حوالوں اور رابطوں سے مل جاتا ہے۔نسب کے سلسلے میں مذکور تذکرہ یوں رقم طراز ہے منشی سجاد حسین ابن شیخ منصور علی ابن شیخ محبّ اللہ ابن شیخ حبیب اللہ ابن شیخ عبدالقیوم ابن شیخ عبدالحیی ابن شیخ غلام محمد ابن محمد غوث حجاجی دیوی الاصل، نزیل کاکوری، منشی سجاد حسین کاکوری میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم لکھنو میں ہوئی، اردو فارسی پر عبور کے علاوہ عربی میں بھی شد بد حاصل کی۔

منشی سجاد حسین کے باپ دادا پوتڑوں کے رئیس تھے اور عمائدین میں شمار ہوتے تھے۔یوں بھی کاکوری کا خطہ بڑا مردم خیز واقع ہوا ہے۔خاصے بڑے لوگ متنوع استعداد کے پیدا ہوئے۔منشی سجاد حسین کے باپ کا نام شیخ منصور علی تھا جو اپنی ذاتی لیاقت کی بناء پر ڈپٹی کلکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے اور اس کے بعد ڈپٹی موصوف جلد ہی حیدرآباد بلا لیے گئے۔یہاں آکر وہ ایک مدت تک سول جج کے فرائض بڑی خوبی سے انجام دیتے رہے۔

منشی موصوف کا ننہال نوابوں کا تھا۔ اور ان کے ماموں نواب فدا حسین شہر لکھنو کے بڑے نامی گرامی وکیل تھے جو بعد ازاں حیدرآباد میں چیف جسٹس ہو گئے تھے۔ منشی سجاد حسین اپنے ماموں کے بڑے چہیتے اور دلارے تھے بلکہ تعلیم و تربیت بھی موصوف کے ہاتھوں ہوئی۔ نواب فدا حسین کے علم و فضل کا اثر منشی سجاد حسین کی شخصیت پر بہت گہرا پڑا۔

1 ملاحظہ ہو تذکرہ مشاہیر کاکوری، ص 183 2 ملاحظہ ہو نقوش، شخصیات نمبر، ص 1421

منشی سجاد حسین کی ابتدائی زندگی بڑے چاؤ اور چونچلوں سے بسر ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل نواب فدا حسین کے ہاتھوں لکھنو میں ہوئی۔ اس وقت تک نواب موصوف حیدرآباد نہ گئے تھے۔ سجاد حسین کو پورا ماحول لکھنو کا ملا۔ ہر چند کہ لکھنو اجڑ چکا تھا، برطانوی سامراجیت پورے طور سے خطہ اودھ پر مسلط ہو چکی تھی اور اس کے زیر اثر ملک میں انگریزی اور مغربی تمدن کا چلن عام ہو رہا تھا لیکن دوسری جگہوں کے مقابلے میں لکھنو کا خطہ انگریزیت سے کم مغلوب ہوا تھا۔ لکھنو کے پاس خود اپنی صدیوں کی تہذیب کا ورثہ موجود تھا جس کا شعور اور روایت نسلاً بعد نسل ان کے خون اور خمیر میں حلول کر چکی تھی، لہٰذا وہ مغربی اثرات سے بری طرح سے خائف تھے۔ اور بڑی مشکل سے مغربی اثرات کو اپنے اندر جذب کر رہے تھے۔

ٹھیک اس جذباتی کشمکش اور فکری تصادم میں منشی سجاد حسین نے شعور کی آنکھیں کھولیں۔ 1873ء میں دسویں کا امتحان پاس کیا اور کیننگ کالج (جو اب لکھنو یونیورسٹی کی شکل میں قائم ہے) میں داخلہ لیا لیکن طبیعت انگریزی سے اچاٹ ہو گئی اور ایف اے کے امتحان میں شریک نہ ہوئے۔ ممتاز حسین جونپوری اپنے مضمون میں تحریر کرتے ہیں کہ 1873ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کر کے اور کالج میں ایف اے تک پڑھ کر بھاگ نکلے۔

1 ملاحظہ ہو، گلستہ اودھ پنچ مرتبہ کشن پرشاد کول، صفحہ 1 2 شخصیات نمبر نقوش، ص 1222

3ان دونوں روایتوں میں سے کسی ایک کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس اور کوئی ماخذ نہیں ہے۔ ممتاز حسین جونپوری ہمیشہ سے ضعیف روایوں میں شمار ہوتے رہے ہیں۔ ممکن ہے کوئی تسامح ان کا یہاں بھی کارفرما ہو۔

منشی سجاد حسین کا بھی وہی حشر ہوا جو رتن ناتھ سرشار کا ہوا تھا۔ تعلیم ادھوری چھوڑ کر تلاش معاش کی فکر میں لگ گئے۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے وہ اپنے باپ یا ماموں کے عہدوں تک نہ پہنچ سکے اور صرف ایک مدرس کی حیثیت سے فیض آباد کے فوجیوں کو اردو پڑھانے پر مامور ہو گئے۔ درس وتدریس کے لیے کوئی طبعی مناسبت نہ تھی، اس کے علاوہ بقول ممتاز حسین جونپوری منشی موصوف کا گورا شاہی اردو اور فوجیوں کی صحبت سے دل اچاٹ ہو گیا، لکھنو کی یاد ستانے لگی، دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر پھر لکھنو آ گئے۔

لکھنو کی اقامتی زندگی میں ان کا تپاک میر محفوظ علی بدایونی (ڈپٹی کلکٹر) سے بڑھا۔ میر محفوظ علی نرے ڈپٹی کلکٹر ہی نہ تھے بلکہ اپنے عصر کے ایک نامور ادیب بھی تھے۔ طباعت اور صحافت کے معاملے میں خاصے ذہن اور تجربہ کار واقع ہوئے تھے۔ انہی کے مشورے سے موصوف نے ایک ہفت روزہ اخبار اودھ پنچ کے نام سے لندن پنچ کے چلن پر نکالا۔ یہ اخبار جنوری 1877ء میں جاری ہوا اور اس کے ساتھ منشی سجاد حسین نے شام اودھ کے نام سے ایک چھاپہ خانہ بھی قائم کیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب منشی سجاد حسین لکھنو کے محلے بیرونی خندق میں رہا کرتے تھے۔

---

1 نقوش، شخصیات نمبر (حصہ دوم) 2 میر محفوظ علی بدایوں کے رہنے والے تھے اور شہر کے معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنی بعض مصلحتوں کی بنا پر انہوں نے مختلف قلمی ناموں سے اخبار اور رسائل میں مزاحیہ مضامین لکھے۔ ہمدرد میں تجاہل عارفانہ کے نام سے علی گڑھ میگزین میں شمع بے نور کے پردے میں نقیب میں ملا بودھا موتی کے بھیس میں لکھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے مضامین اور انشائیوں کا ایک مجموعہ انتخاب نونقیب کے نام سے طبع ہوا۔

اس کے بعد وہ گولہ گنج میں آ کر مقیم ہو گئے۔ اس طرح منشی سجاد حسین کے مستقبل کو ایک مستقل راہ مل گئی اور اردو صحافت ان کا اوڑھنا بچھونا ہو گئی۔ اپنی طباعی اور فطانت سے اس میدان میں وہ خوب پھلے پھولے اور ان کی صحافتی کارگزاریوں اور موشگافیوں کا سکہ دنیائے صحافت میں خوب بیٹھ گیا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ طرح طرح کی پریشانیوں کا منہ بھی دیکھنا پڑا، تاہم موصوف اپنی دھن کے پکے تھے۔ اپنے اونچے آورش کے کارن انہوں نے تن، من، دھن کی بازی لگا دی اور بڑی ہمت اور جواں مردی سے اپنا اخبار نکالتے رہے۔ آخر جب عمر کا آفتاب ڈھلنے لگا تو شہرت کی دھوپ پیلی پڑنے لگی۔ منشی سجاد حسین کے رفقاء ایک ایک کر کے منتشر ہو گئے۔ ادھر قویٰ بھی مضمحل ہو گئے اور اخبار نے بھی دم توڑ دیا اچانک 1901ء میں موصوف پر فالج کا ناگہانی حملہ ہوا، خیریت ہوئی کہ چند روز بیمار رہ کر اچھے ہو گئے۔ 1904ء میں موصوف پر فالج کا دوسرا حملہ ہوا اب کی بار قوت گویائی بھی تقریباً ختم ہو گئی۔ بات کرتے بھی تو سمجھ میں نہ آتی۔ مگر اس کے باوجود یہ انہیں کا جگرا تھا جو اودھ پنچ اسی استقلال اور جرات کے ساتھ نکالتے رہے۔ موصوف خود منشی بالمکند گپتا سے ایک خط میں اپنی حالت غیر کی ترجمانی یوں کرتے ہیں

1 گلدستہ پنچ مرتبہ کشن پرشاد کول، ص ۲

مکرمی تسلیم!

خط پہنچا، بہت بجا ہے، اودھ پنچ مردہ ہاتھوں سے اس لیے نکلتا ہے کہ کوئی اٹھانے والا نہیں دو ایک سطروں کے سوا نہ ہاتھ سے لکھ سکتا ہوں، نہ منہ سے بول سکتا ہوں، کچھ نوکر ہمت کر کے نکال دیتے ہیں۔ دس سال سے فالج میں گرفتار لب گور ہوں۔ اخبار صرف اس لیے نکالتا ہوں کہ جیتے جی مر نہیں سکتا ورنہ اس عارضے کے ہاتھوں مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا پنڈت برج نرائن چکبست لکھتے ہیں

یہ حالت کب تک قائم رہتی، آخر کار مرنے سے دو سال پیش تر شکستہ دل اڈیٹر کو

اودھ پنچ کا جنازہ اپنے مردہ ہاتھوں سے اٹھانا پڑا۔یہ وہ زمانہ تھا جب کہ جسم میں خون کے دس بیس قطرے ضرور باقی تھے مگر گرہ میں ایک پیسہ نہ تھا۔اودھ پنچ چلتا تو کس طرح چلتا۔گوکہ باوضع اڈیٹر کی وضع لب گور ہونے کے یہ تمنا ضرور تھی کہ

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

غرض چھتیس برس کا یہ ہمدم دیرینہ اخبار، مرنے سے کم و بیش دو سال قبل، یعنی 1912ء میں منشی سجاد حسین کے ہاتھوں بند ہوگیا۔آخری زمانہ بڑی عسرت اور تنگدستی میں گزرا۔اگرچند احباب دست گیری نہ کرتے تو بقول چلبست اودھ پنچ کے اڈیٹر کو نان شبینہ کامحتاج رہ کر دنیا سے رخصت ہونا پڑتا۔آخر مسلسل بیماری کے بعد بڑے ناگفتہ بہ حالات میں 22 جنوری 1915ء میں اردو کا یہ نامور ادیب، مزاح نگار اور بلند پایہ صحافی دنیا سے چل بسا۔

---

1 مقدمہ گلاستہ پنچ، ص 12۔۔۔۔۔2 گلدستہ پنچ، مرتبہ کشن پرشاد کول، ص ۲

لاش لکھنو سے کاکوری لائی گئی اور خاندانی تکیہ بےنوا شاہ میں سپرد خاک کی گئی۔

موصوف اپنی سیرت کے اعتبار سے خاصے مستقل مزاج اور بڑی حوصلہ مند شخصیت کے مالک تھے۔قناعت اور استقلال زندگی کے دو سہارے تھے جو آخری دم تک ان کے ساتھ رہے۔مزاج کے اعتبار سے منشی سجاد حسین بچپن ہی سے بڑے ھنسوڑ اور دل لگی باز تھے۔بات سے مزاح اور مزاح سے بات پیدا کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔وقت خواہ ان پر کیسا ہی پڑا، برا یا بھلا، مگر مزاح سے وہ آخری وقت بھی باز نہ آئے۔

منشی سجاد حسین خوش سیرت ہونے کے علاوہ خوش صورت بھی تھے۔بڑے کلے ٹھلے کے وجیہ اور باوقار مرد تھے۔دوھرا بدن، قد میانہ، رنگ گندمی اور چہرہ گول تھا۔چہرے پر مونچھیں اور بڑی بڑی داڑھی بھی موجود تھی۔داڑھی موصوف نے آخری

زمانے میں رکھی تھی ورنہ جوانی کے فوٹو میں داڑھی نہیں ہے۔غرض مجموعی طور پر وہ ایک شریف صورت اور بارعب شخصیت کے مالک تھے

(2)

منشی سجاد حسین کا مزاج لڑکپن ہی سے ظریفانہ تھا۔طبیعت میں ٹھٹھول اور شوخی جو ابتدا میں تھی وہی آخر تک رہی۔ جب موصوف نے ہاتھ میں قلم لیا اور خود کو میدان ظرافت کا شہسوار بنایا تو کچھ اکتساب اور باقی فطری میلان کی وجہ سے ظرافت کا ایک چوکھا رنگ پیدا ہو گیا۔

---

1 تذکرہ مشاہیر کاکوری، ص 184 2 ملاحظہ ہو نقوش، شخصیات نمبر، حصہ دوم، ص 1423 3 فوٹو ملاحظہ ہو گلدستہ پنچ ص 18

منشی سجاد حسین سے پہلے اردو مزاح جعفر زٹلی سے شروع ہو کر میاں چرکین پر آ کر دم توڑ چکا تھا۔ ہمارے اب میں مزاح کی حکایت درباری عہد سے منسلک ہے۔اگر چاہیں تو ھجو کی صنف کو ہم اپنے مزاح کا ابتدائی دور کہہ سکتے ہیں لیکن جب ہم اپنی ہجویات کا انتقادی جائزہ لینے بیٹھتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ ہمارے مزاح کی ابتدا ابتذال، پھکڑ پن اور بھٹی سے ہوتی ہے، تاہم اس خس وخاشاک میں کچھ دلچسپ اور درخور اعتنا نمونوں کو بھی تلاش کر سکتے ہیں، مگر غالب رجحان جو اس نہج کی ظرافت میں نظر آتا ہے، اگر اس کی تہہ تک پہنچیں تو پھر بھی احساس ہوتا ہے کہ اس مزاح کی بنیاد محض احساس کمتری پر ہے۔مقصد اس کا تذلیل اور اھانت ہے اور اس پھکو بازی کا حاصل اپنی انا کی تسکین کے سوا کچھ بھی نہیں ہے سیاسی زوال اور مادی کش مکش نے بھی اس معاشرے اور تہذیب میں کچھ ایسی الجھنیں پیدا کر دی تھیں جس نے براہ راست شخصیت میں کمتری کا رجحان پیدا کر دیا تھا۔کھوکھلی روایات اور مصنوعی اقدار سے شخصیت نیز معاشرتی اور مجلسی زندگی میں مختلف نفسیاتی بیماریاں پیدا ہو رہی تھیں اور ادب میں ھجو جیسی صنف پنپ رہی تھی۔بس اسی پس منظر میں اردو مزاح کی

تربیت ہوئی۔غزل کا دائرہ محدود تھا غزل حسن وعشق ہی کے بیان کی خاطر دریافت ہوئی۔ ہمارا نامراد عاشق ھجر کی خاصی طویل اور پہاڑی سی راتیں گذار کر جب ملتا تو آنکھوں میں آنسوؤں اور لب پر شکایات کے دفتر کے علاوہ کچھ نہ ہوتا۔ھجر رونے میں اور وصال دل کے کڑھنے میں گزر جاتا تھا۔ہاں ناصح، زاہد، شیخ، دربان رقیب وغیرہ کے سلسلے میں شاعروں نے ضرور کچھ طنز ومزاح کے بہترین نمونے پیش کیے یا پھر بعض شعرا نے اپنی ظریفانہ حس سے غزل میں مزاح کے متنوع انداز پیدا کر دیے۔

شاعری میں مزاح کی روداد فقط اتنی ہے۔ابتدائی نثر میں بھی ظرافت کے نمونے عام طور پر نہیں ملتے۔البتہ خال خال تجربات داستانوں میں نظر آتے ہیں یا پھر مرزا غالب کے خطوط اور بعض حصے مولوی نذیر احمد کے ناول کے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو مزاح کی باقاعدہ روایت اودھ پنچ ہی سے شروع ہوتی ہے۔یہ روایت یوں بھی تخلیق نہیں ہوگئی تھی بلکہ اس کے پس منظر میں باقاعدہ کچھ سیاسی، تہذیبی اور معاشی محرکات موجود تھے۔

اودھ پنچ جنوری 1877ء میں نکلا 1875ء کے بعد انگریزی راج اور برطانوی سامراجیت مکمل طور سے ہندوستان پر مسلط ہوگئی۔انگریزوں نے اپنی طرز حکومت سے ہمارے معاش اور معیشت کے ڈھچر میں ایک زبردست تبدیلی پیدا کر دی اور تہذیبی اقتدار میں شکست وریخت کا قانون چلنے لگا۔تعلیم وتعلم کی اشاعت سے اقدار میں بھی بنیادی تبدیلیاں رونما ہونی شروع ہوگئیں اور اس تغیر سے تہذیب میں ایک واضح خط فاصل کھنچنے لگا۔اس خط سے نمایاں طور پر جدید اور قدیم، نئی اور پرانی، ترقی پسندی اور رجعت پسندی کے مسائل پیدا ہونے شروع ہو گئے۔اس ذہنی تصادم میں طنز ومزاح کی بڑی گنجائش تھی۔فنکار خواہ ترقی پسند ہو یا رجعت پرست، ایسے میں دونوں کے لیے طنز ومزاح کے تمام اسباب پیدا ہو چکے تھے، پس ذرا

تحریک کی ضرورت تھی۔ منشی سجاد حسین جیسا مرد ظریف جب اس طرف آیا تو وہ تمام اقدار و مسائل مزاح کی زد پر لایا۔ اپنے عہد کے مزاح کے تمام حربوں سے اس نے جدید مسائل کو اپنی تحریر کا ہدف بنایا۔ اس عہد میں مزاح کے لیے کیا حربے تھے؟ اس کی تفصیل خاصی پیچیدہ اور طویل ہے۔ وہ مزاح جس کا تعلق خطہ اودھ سے تھا، اپنے کچھ مخصوص تہذیبی محرکات کا حامل تھا، ہم اجمالاً اس کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ خطہ اودھ کی حکومت ایرانی تہذیب کے وارثوں کے ہاتھوں پروان چڑھی۔ برھان الملک سے لے کر برجیس قدر تک ثقافت اور تہذیب کا ایک باقاعدہ تاریخی تسلسل ملتا ہے۔ جاگیردارانہ عہد کی نفسیاتی زندگی میں مزاح کا رویہ انفرادی اور شخصی انداز کا پیدا ہوتا نظر آتا ہے اور اس مزاح کی ماہیت محض کھوکھلے قہقہے کے علاوہ اور کچھ نہ تھی۔ اس لیے مزاح کا رنگ عارضی، فوری اور سطحی نوعیت کا ہو گیا اور اس انداز کے مزاح کی اساس مبالغہ آمیز جملہ بازی پر جا کر ٹھہری اور جملہ بازی نے رعایت لفظی اور ضلع جگت کی شکل اختیار کی۔ اس سے لکھنو کے مزاح میں جملہ بازی، رعایت لفظی اور ضلع جگت کا رجحان زیادہ نظر آتا ہے اور اس مزاح کو لکھنو کے چھوٹے بڑے درباروں میں اور لکھنو کی مجلسی زندگی اور رئیسوں کے دیوان خانوں میں بہت فروغ ملا۔ مصاحبوں کی دھاردار ذہانت نے اس رنگ کو اور چوکھا کر دیا۔

منشی سجاد حسین کو مزاح کا یہی ورثہ ملا تھا۔ انہوں نے ان حربوں میں کوئی تجدید نہیں، البتہ تجدد یہ کیا کہ مزاح کا رخ شخصی سے اجتماعیت کی طرف پھیر دیا اور اپنے عہد کے سیاسی اور ملی مسائل کو پہلی بار طنز و مزاح کا نشانہ اور افراد کو مزاح کا ہدف بنایا۔ نیز مغربی تہذیب اور برطانوی سامراجیت کو اساس ظرافت بنا دیا۔ اب انسانوں کی پگڑیاں اچھالنے سے زیادہ البرٹ بل اور انگریزوں کے کالے قانون کے خلاف کیچڑ اچھلنے لگی۔

منشی سجاد حسین کے مزاح کا بہت بڑا حصہ سیاسی اور وقتی نوعیت کا تھا جس کا اثر

وقت کے ہاتھوں اب زائل ہو چکا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مزاح کی بنیاد بھی اب ہمیں بے رنگ اور بدمزہ معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس کے باوجود منشی سجاد حسین کا اردو مزاح پر جو احسان ہے اس کو ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ انیسویں صدی کے عبوری عہد کے جدید مزاح کا بانی اور محرک منشی سجاد حسین ہے جس نے ہمارے مزاح کی زمین کو ہموار کیا اور اپنے رفقا کے تعلق سے اردو نثر میں پہلی بار مزاح کی ایک روایت کی بنیاد رکھی۔ اردو مزاح کے ایسے کارنامے کو ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ منشی سجاد حسین نے یقینی طور پر مزاح کا رخ انفرادیت سے اجتماعیت، سیاست اور معاشرت کی طرف موڑ دیا لیکن اس کے ساتھ ہی انفرادی رنگ کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ان کے رفقا نے بھرپور طریقے سے اس روش کا لحاظ رکھا۔ ایک طرف تو طنز و مزاح نے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی مسائل اپنی گرفت میں لیے اور دوسری طرف انہوں نے شخصی انداز کی معرکہ آرائیں کیں۔ حالی، سرسید، سرشار، داغ اور نسیم وغیرہ کو انہوں نے طنز و ظرافت کی لپیٹ میں لے لیا۔ غرض انیسویں صدی کے انسان اور اس کے مسائل (خواہ وہ انفرادی نوعیت کے ہوں یا اجتماعی حیثیت کے) اگر اس کے مسلک کے خلاف ہوئے تو پھر ایڈیٹر اودھ پنچ کے طنز و مزاح کے زہر میں بجھے ہوئے تیروں کا ہدف بنتے رہے۔

(3)

یہ حیثیت صحافی مقدمے کا تیسرا پہلو ہے۔ منشی سجاد حسین یقیناً انیسویں صدی کے ایک دیدہ ور صحافی ہیں۔ اودھ پنچ جنوری 1877ء میں نکلا۔ اردو صحافت کی ابتداء 1822ء میں نہیں بلکہ 1823ء میں جام جہاں نما کے اجرا سے ہوئی۔ شمالی ہندوستان میں اردو صحافت کی ابتدائی 1836ء میں دہلی اردو اخبار سے ہوئی۔ 1822ء سے 1836ء تک اور 1836ء سے 1877ء تک اردو اخبار حشرات الارض کی طرح ہندوستان کے مختلف شہروں سے نکلنے لگے۔ بقول سرسید

جس کے پاس کاٹ کی مشین اور پتھر کی دو سلیں ہو گئیں وہی پریس قائم کر کے اخبار نکالنے لگا۔ ابھی تک اخباروں کا کوئی بہت واضح نصب العین نظر نہ آتا تھا۔ بعض اخبار سرکار برطانیہ کے پٹھو ضرور تھے لیکن کچھ اخبار سرکار برطانیہ کے بے باک اور بے لاگ نقاد بھی تھے۔ 1857ء کے بعد بعض اخبارات مغربی تنقید کے ساتھ کچھ منظم تحریکوں کے پیش نظر جاری ہوئے۔ بنگال، بنارس، علی گڑھ اور لکھنو کی تحریکوں کے ساتھ جو اخبارات نکل رہے تھے وہ ملک میں باقاعدہ اپنے آدرش اور پالیسی کو ساتھ لے کر چل رہے تھے سرسید کی سائنٹفک سوسائٹی 1822ء اور تہذیب الاخلاق 1875ء اسی سلسلے کی دو اہم کڑیاں ثابت ہوئیں۔ اس کے بعد اودھ پنچ لکھنو سے اپنی ایک سنجیدہ مسلک سے طلوع ہوا۔ سرسید کے یہ دونوں اخبار مسلمانوں کی فلاح اور بہبود کے لئے نکلے مگر اودھ پنچ کٹر کانگرسی اخبار تھا اور اس کی پالیسی صلح کل تھی۔ یہ ہر مذہب کا دوست اور ہر فرقے کا نقیب تھا۔ اس کا مقصد ہندوستان کے تمام باسیوں کے مسائل حل کرنا اور ان کے لیے سینہ سپر ہو کر لڑنا تھا۔ وہ حکومت برطانیہ کا سنگ دل نقاد اور ملک میں خالص کانگرسی تحریک کا موید تھا۔

1 اردو صحافت کے بعض محققوں کا یہ فیصلہ ہے کہ اردو اخبار کا پہلا پرچہ 1822ء میں نکلا۔ حامد حسن قادری کی تحقیق کے اعتبار سے اردو کا پہلا اخبار 1810ء میں نکلا۔ یہ بات سراسر بے بنیاد اور غلط ہے۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سنجیدہ اخباروں میں یہ اپنی ایک مخصوص نوعیت کا مزاحیہ اخبار تھا۔ مکمل مزاحیہ اخبار نکالنا کوئی ہنسی کھیل نہ تھا۔ یہ منشی سجاد حسین کا دل گردہ اور ظریفانہ طبع تھی جس نے ہماری صحافت کی تاریخ میں اپنے مذاق کے مطابق ایک نیا اضافہ کیا وہاں یہ سچ ہے کہ یہ اردو کا پہلا مزاحیہ اخبار نہ تھا۔ مزاحیہ اخبارات تو اس سے پہلے بھی نکل چکے تھے۔ اور نہ ہی لفظ پنچ نام کا یہ پہلا اخبار تھا۔ پنچ کے نام سے بھی مزاحیہ اخبار نکل چکے تھے مگر اس کے باوجود اپنی سج دھج، عقائد اور مسلک کے اعتبار سے یقیناً لندن پنچ کی وضع کا پہلا اخبار یہی تھا۔

اپنے مزاج اور وضع کے اعتبار سے اودھ پنچ قدامت پرست اخبار تھا۔ وہ جدید تہذیب کا دشمن اور ثقافتی اقدار میں ترک و اختیار کا مخالف تھا اور سوشل اصلاح کے معاملے میں لکیر کا فقیر تھا۔

یہ حیثیت صحافی منشی سجاد حسین کا مرتبہ اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے کہ انہوں نے فن صحافت کو مغربی رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کی اور ایک بڑے صحافی کی طرح بے باکانہ اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق کام کیا اور ایک غلام قوم میں حق بات کہنے کے لیے جرأت اور استقلال کی تمیز پیدا کی۔ وہ برطانوی سامراج کے خلاف ایک شمشیر برہنہ لے کر میدان میں کود پڑا۔ الحاق اودھ، انکم ٹیکس اور البرٹ بل جیسے اہم مسائل کے خلاف وہ ایک بے باک اور نڈر صحافی کی طرح سینہ سپر ہو گیا اور کالے قانون کی دھجیاں اڑا دیں۔

---

1 یہ دعویٰ وزیر آغا کا ہے کہ اردو اخبار کا پہلا مزاحیہ اخبار اودھ پنچ ہے ملاحظہ ہو ڈاکٹر وزیر آغا کا تحقیقی مقالہ، ص 12 34 گلدستہ پنچ، ص 4

اس کے علاوہ منشی سجاد حسین نے اردو صحافت میں مزاحیہ روایت کو استوار کر کے اپنی حیثیت کو سب سے الگ کر لیا اور بہ حیثیت صحافی اپنا الگ مقام بنایا۔

(4)

ایک ناول نگار کے مرتبے سے منشی سجاد حسین کا قد چھوٹا ہے۔ ان کے ناول سامنے رکھ کر یہی محسوس ہوتا ہے کہ منشی سجاد حسین انیسویں صدی کے جتنے بڑے صحافی تھے، اتنے بڑے ناول نگار نہ بن سکے۔

اگر شرط مقابلے ہی کی ٹھہر جائے تو منشی سجاد حسین کا مقام سرشار، شرر اور رسوا سے بھی کم قرار پاتا ہے۔ صحافت کے میدان میں دیکھیے تو یہ تینوں صحافی ہیں مگر منشی سجاد حسین کی گرد کو بھی کوئی نہیں پہنچتا۔ منشی سجاد حسین کا قلم کالم نویسی سے لے کر مضمون نگاری اور انشائیہ نویسی تک اپنی دھاک اور ساکھ قائم کیے ہوئے تھا۔ وہ اپنے عہد

کے تمام عصری مسائل کو اپنے نظریات اور عقائد کی روشنی میں اخذ و جذب کر کے لکھتے تھے اور ان کی ہر تحریر اپنا ایک الگ ادبی اور صحافتی رتبہ رکھتی تھی۔ مگر وہ عصری مسائل کو ناول کے فن میں اخذ و جذب نہیں کر سکتے۔ پلاٹ، کردار اور کہانی زندگی کے مسائل ہی سے اختراع کی جاتی ہے اور اس اختراع میں فن کار کا اپنا ادراک، نظریہ اور عقیدہ بھی شیر و شکر ہو کر کسی فنی عمل کی تالیف اور مشاطگی کرتا ہے۔ منشی سجاد حسین نئی زندگی کے مسائل کو خالص عالمانہ اور صحافیانہ انداز سے دیکھنے کے عادی تھے۔ طبعاً وہ مزاح نگار تھے اور اپنے غور و فکر کو مزاحیہ حمس کے تلازمات میں جذب کرنے کا بڑا گن اور گر جانتے تھے۔ ناول کے آداب اور عوائد پر ان کا ذہن فطری انداز سے نہیں چل سکا۔ ناول انہوں نے اکتسابی ذہنیت سے لکھے ہیں۔ اس زمانے میں ناول لکھنا ایک فیشن بن گیا تھا۔ یہاں تک کہ اس عہد کے مانے ہوئے شاعر بھی اپنی ڈگر سے ہٹ کر ناول نویسی پر آمادہ نظر آتے ہیں بلکہ جسے بھی ذرا شد بد ہو گئی۔ قلم سنبھال کر ناول کا دفتر سیاہ کرنے بیٹھ گیا۔ اخباروں اور رسالوں میں بالاقساط ناول چھپنے کا رواج عام طور پر پیدا ہو گیا تھا۔ بعض رسائل محض بالاقساط ناول ہی چھاپتے تھے۔ اس ماحول میں منشی سجاد حسین کا قلم بھی ناول کے ڈگر پر آ نکلا۔ بڑی حیرت ہوتی ہے کہ منشی سجاد حسین جیسا دیدہ ور صاحب قلم جو سیاسی ادراک اور ثقافتی نظام زندگی کی تمام پیچیدگیوں کو تہ در تہ سمجھنے کی صلاحیت اور بلوغت رکھتا تھا، وہ اپنے نقطہ نظر کو فنی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ ناول میں نہ سمو سکا۔

یہ سچ ہے کہ ابھی ناول نگاری کی صبح صادق تھی اور فن ناول کا آفتاب ابھی پوری آب و تاب کے ساتھ نہیں چمک سکا تھا۔ قدیم داستان نویسی اور داستان گوئی کا فن زندہ تھا۔ داستانیں ناول کے ساتھ برابر پہلو مار رہی تھیں اور ان کی طباعت کا اہتمام بھی اسی دھوم دھام سے برقرار تھا۔ یہ بھی تھا کہ دوسری طرف ناول کا رنگ بھی اپنی تمام گہما گہمیوں کے ساتھ اپنی ابتدائی منزلوں کو عبور کر رہا تھا۔ ایک طرف

داستانوں کا عروج، زوال پر آمادہ تھا اور دوسری طرف ناول کی ابتداء اپنے عروج پر آ رہی تھی۔ ناول نگار اپنا فن کاڑھنے میں مصروف تھا۔ ناول کو جنم دینے کے لیے نیا طبقہ، نئی سیاست، نئی معاشرت، نئی معیشت اور نئی تہذیب ابھر رہی تھی۔ جاگیرداری کا مہتاب جس افق پر غروب ہو رہا تھا۔ اسی افق پر سرمایہ داری کا نیا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ اور اسی روشنی میں عقل اور شعور کی منطق، استدلال کی راہ پر گامزن ہونے پر تلی تھی۔ ایسی کیفیت میں داستانوں کے مافوق الفطرت عناصر اور روحانی معجزات کا رنگ ماند اور ذائقہ پھیکا پڑ رہا تھا اور اس کی جگہ مادی زندگی کی اقدار اپنی حقیقی جلوہ دکھا رہی تھیں۔

منشی سجاد حسین نے اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور مزاحیہ صحافت کے ساتھ ناول نویسی کو بھی اپنا فن ٹھہرایا۔ میں ابھی عرض کر چکی ہوں کہ ناول سجاد حسین کا اصل مقام نہ تھا۔ قلم کاروں کے اس رجحان نے ان کو ناول لکھنے پر آمادہ کیا۔ منشی سجاد حسین نے کئی ناولیں لکھیں مگر ان کی مشہور ناول حاجی بغلول تسلیم کی جاتی ہے، جو سچ پوچھیے تو کردار نگاری اور پلاٹ سازی کے تقاضوں کے اعتبار سے قریباً سرے سے ناول ہی نہیں ہے۔ معاف کیجئے مزاح سے یہاں بحث نہیں ہے اور اگر ہوتی تو پھر ضرور تفصیل سے عرض کرتی کہ حاجی بغلول کا مزاح بھی کوئی اعلیٰ درجے کی چیز نہیں ہے۔ ہاں اس عہد کے اعتبار سے اس میں دلچسپ پہلو تلاش کیے جا سکتے ہیں مگر جو پوچھیے کہ اعلیٰ درجے کی چیز کہیں سوغلط ہے۔

ہاں طرح دار لونڈی منشی سجاد حسین کی ایک واحد ناول ہے جو پلاٹ، تکنیک، کردار اور مکالمے کے اعتبار سے مکمل ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ منشی سجاد حسین نے طرح دار لونڈ لکھ کر اپنے عہد کے کوئی بلند تقاضوں کو اور قدروں کو نہیں پیش کیا ہے۔ طرح دار لونڈی ایک سادہ کہانی ہے۔ اس کا کوئی پر پیچ پلاٹ نہیں ہے مگر اس کے باوجود یہ ایک دلچسپ کہانی ہے، اور اس ناول کا سب سے بڑا آرٹ کردار سازی اور مکالمہ

نگاری میں ملتا ہے۔ مکالمہ نگاری کی بات تو چھوڑیے، مکالمے کا دارومدار زیادہ تر زبان کی نزاکتوں پر ہوتا ہے، اس کے لیے منشی سجاد حسین کو کسی ریاض یا مزاولت کی ضرورت نہ تھی۔ وہ جس کنبے میں رہتے تھے وہاں ہر قسم کے لوگ تھے۔ بیگمات، انا، لونڈی، ماما، آتو، مغلانیاں اور آستانیاں سب ہی تھیں۔ نواب، غلام، خادم اور مصاحب یہ سب ان کے ماحول کے افراد تھے۔ زبان دانی میں بھلا کون ان کا حریف تھا۔ اپنے عصر میں وہ سرشار اور شرر سے آگے تھے۔ رسوا سے وہ اگر آگے نہ تھے تو پیچھے بھی نہ تھے۔ زبان پر بحث ابھی ایک مرحلے پر آئندہ بھی کروں گی۔ اس اجمال کی معذرت کے بعد میں پھر کہانی اور کردار کی طرف آتی ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ سجاد حسین نے بڑے جاندار کردار تخلیق کیے ہیں۔ اس ناول میں انہوں نے ایک ایسا ماحول پیش کیا ہے جس میں سب کردار چوکس کھانچوں میں جمے ہوئے ہیں۔ ناول کے خاص کرداروں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کردار بھی اپنے طبقوں کی کامیاب نمائندگی کرتے ہیں اور ہر کردار اپنے گردوپیش کی دنیا کی نشان دہی کرتا ہے۔ ان کے انداز، رہن سہن، گفتگو، فکر اور الجھنوں کو اس کامیاب طریقے پر پیش کرتے ہیں کہ ان میں حقیقی رنگ نظر آتا ہے۔ طرح دار لونڈی میں کردار نگاری ایک خاص مرتبہ رکھتی ہے۔ مصنف کا یہی کمال ہی ناول کو ایک اہم مقام دیتا ہے۔ اس کے خاص کردار نواب صاحب، بیگم صاحب، نجینا، بی مغلانی اور مصاحب ہیں۔ نواب صاحب وہی روایتی نواب ہیں۔ لکھنو کے نواب بھی عجیب شے تھے۔ حالات و ماحول نے انہیں دو آنکھوں کی موجودگی میں اندھا اور زبان کی موجودگی میں گونگا بنا دیا تھا۔ سب کچھ دیکھتے ہوئے آنکھیں بند رکھتے اور سب کچھ سنتے ہوئے کانوں میں کڑوا تیل ڈالے رہتے۔ زبان جب بھی کھولتے تو ایک عجیب دنیا کی بات کرنے کے لئے احمق بننے میں انہیں مزا آتا تھا۔ زمانے کی کتنی ہی ٹھوکریں لگیں لیکن یہ اس خود ساختہ دنیا سے باہر آنے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ طرح دار لونڈی کے نواب

صاحب بھی اسی قسم کے نواب ہیں۔ وہ شیخ صاحب اور مرزا صاحب کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن گئے ہیں۔ خفقان کے مریض ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر زنان خانے کی طرف دوڑتے ہیں۔ بیگم ان کی سب سے بڑی ڈھال ہیں جس پر وہ زمانے کے وار روکتے ہیں۔ بیگم کو قائل معقول کرنے کے لیے بی مغلانی کی تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ عورتوں کے بارے میں خیالات ملاحظہ ہوں۔ مصاحبوں سے کہتے ہیں۔

اور بیگم کی سمجھ کا کیا اعتبار کوئی فلسفی ہیں، حکیم ہیں، اہل الرائے ہیں، پارلیمنٹ کی ممبر ہیں جو ان کی رائے سند اپیش کرتے ہیں؟ ایک ناقص العقل قوم سے جن کو سوا کھانے، پینے، ھانڈی چولہے کے کسی امر کی لیاقت نہیں۔ بڑی بڑائی رنگوں کا جوڑ لگانا، پکانا، ریندھنا، پرونا، چکن نکالنا، بنت بنانا، سو وہ بھی متوسط حیثیت کی عورت ہیں۔

اللہ رسولؐ کے خوف کے ساتھ ساتھ سرکار انگریزی سے بھی خائف رہتے ہیں۔ کسی شریف شخص کی بے آبروئی نہ ہو۔ اسی ڈر سے لونڈی غلام خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ لیکن بیگم کی خواہش مغلانیوں اور مصاحبوں کے دباؤ سے سر جھکا دیتے ہیں۔ خوف خدا دل میں ہے اس لیے ان یتیم بچوں کے آنے پر ایک لیکچر حسن سلوک اور مساوات کا دیتے ہیں۔ خفقان نے دل کم زور کر دیا ہے۔ حسو جان کی نائکہ کی گرفتاری کی خبر سن کر گھبراہٹ میں زنان خانے کا رخ کرتے ہیں۔ بیگم جو غسل خانے میں ہیں، ان کو باہر نکالنے کے جتن کرتے ہیں لیکن بھلا وہ غسل مکمل کیے بغیر کیسے نکلیں۔ ہول میں چوکی پر لوٹا رکھواتے ہیں۔ آخر جب بیگم غسل خانے سے برآمد ہوتی ہیں، مصیبت بیان کر کے ساری جانجھ بیگم پر اتارنا چاہتے ہیں۔ بیگم بھلا کب چوکنے والی تھیں، وہ خود کو بری کر کے سارا الزام نواب پر تھوپ دیتی ہیں۔ بے چارے نواب غبار نکالنے کے سارے راستے مسدود دیکھ کر نوکروں پر غصہ اتارتے ہیں۔ غریب مدو کی شامت آتی ہے۔ وہ برابر حاضر حاضر کرتا ہے۔ لیکن اتنی دیر میں

یہ کوئی ہے؟ کوئی ہے؟ دس دفعہ کہہ جاتے ہیں

نمک حرامو! کام چورو! سب کی یک بارگی موت آ جاتی ہے، روٹیاں لگی ہیں، مردود سب کے سب گونگے بہرے ہو گئے، کسی کے منہ سے آواز نہیں نکلتی۔ دور ہو میرے سامنے سے۔ کم بخت، نالائق، نا ہنجار، مادر بخطا، گلوریاں منگوا۔

اب بھلا گلوریوں کے بعد خفقان کا علاج کیا باقی رہ گیا؟ وہی مصاحبوں کی چاپلوسی! اور ایسے موقع پر جو شیخ صاحب آ جائیں تو عین مناسب شاید یہ مصاحب ہی ان نوابوں کے خفقان کا سب سے بڑا علاج ہیں۔ یہی ان کا آخری سہارا ہے۔ نواب کے گھر میں نقب لگتی ہے۔ پولیس میں خبر کی جاتی ہے۔ پھر خود ہی الٹا پولیس کو کھلاتے پلاتے ہیں تا کہ معاملہ رفع دفع ہو کیوں کہ دیوانی اور فوجداری سے خدا ہر شریف کو بچائے۔ لونڈی بھاگتی ہے، زیور کا صندوقچہ لے جاتی ہے۔ بخشو پر بھگانے کا شبہ ہے لیکن اس کا اظہار اس لیے نہیں کرتے کہ اس کا صبر کیوں کر میٹیں۔ ان سب موقعوں پر نواب صاحب مصاحبوں کی انگلیوں پر ناچتے ہیں۔ بیگم صاحب کے کہنے پر لونڈی کو تلاش کرواتے ہیں، زمین آسمان ایک ہو جاتا ہے۔ شیخ صاحب گنڈے، تعویذ، عمل حاضرات کا سلسلہ شروع کرواتے ہیں۔ ایک فرضی مقدمہ گھڑ کر جیبیں گرم کرتے ہیں مگر اللہ توبہ ہے نواب صاحب مٹی کے مادھو بنے ہوئے ساھوکاروں کے نام رقعہ پر رقعہ لکھے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک دن سب کچھ خاک سیاہ ہو جاتا ہے۔ ایسے ایسے فقروں اور چکموں کے باوجود شیخ صاحب اور مرزا صاحب کے مان میں کمی نہ ہوئی۔ وہ منہ چھپا گئے لیکن نواب صاحب کے دل پر میل نہ آیا۔

بیگم صاحب بھی وہی لکھنو کی روایتی بیگم ہیں۔ جو بات دل میں آ جائے پوری کر کے چھوڑیں۔ اگر پوری نہ ہو تو اٹوائی کھٹوائی لے کر پڑ جائیں۔ اور اگر میاں نے بات پوچھ لی تو پھر کیا، بس اللہ دے اور بندہ لے

نہیں، کوئی ضرورت نہیں، ایک بات تھی، ہو گئی، اس کا ذکر ہی کیا۔ جانے دو، واللہ

مجھے اصلاً خیال بھی نہیں۔ میں حتی المقدور نہیں چاہتی تمہارے خلاف کوئی امر کروں۔ یہ تو سب تمہاری رضا پر منحصر ہے۔

سولہ آنے گھر کی مالک و مختار ہیں۔ جو چاہتی ہیں کرتی ہیں۔ نواب صاحب لونڈی، غلاموں کے ساتھ مساوات کا سلوک کرنے کی تلقین کر رہے ہیں، لیکن ان کا حکیم سنیے

طوطوں کی کوٹھری میں بند کر دو

نواب صاحب کی مجال نہیں کہ کسی عورت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ لیں۔ ایسے موقع پر ان کی نسائیت جاگ اٹھتی ہے۔ چنانچہ جب نواب صاحب نے لونڈی کو بلا کر تسلی اور دلاسہ دیا

بھئی تم ہماری لونڈی نہیں، تم روٹی کپڑے پر ہمارے یہاں ہو۔ جتنے دن تک تمہارا جی چاہے یہاں رہو، جب کوئی تکلیف ہو ہم کو خبر کر دو۔ ہم ہنسی خوشی تم کو رخصت کر دیں گے۔

اس کے جواب میں جب لونڈی نے کہا

میں تو لونڈی ہوں، سوا آپ کے میرا کون ہے؟

تو بیگم صاحب کے اندر چھپی ہوئی عورت سامنے آ گئی۔ وہ مغلانی کو آنکھ مار کر کہتی ہیں

چلو ڈورا تو اچھا ڈالا

ان تمام نخروں کے باوجود بیگم صاحب ایک عورت ہیں۔ وہ سیدھی سادھی بیوی کی طرح اپنی دانست میں اچھا مشورہ دیتی ہیں اور میاں کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے بے تاب رہتی ہیں۔ وہ شوہر پرست بیوی ہیں۔ میاں کے مصاحبوں کا کلمہ پڑھتی ہیں۔ ہر مصیبت میں میاں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ جب میاں ان کو میکے جانے کا حکم دیتے ہیں تو صلاحیت سے سمجھاتی ہیں۔ بچوں کی محبت کا واسطہ دیتی ہیں،

آنسو بہاتی ہیں، لیکن شوہر کی حکم عدولی کو گناہ سمجھتے ہوئے نیکے سدھار جاتی ہیں۔

اس ناول کا سب سے اہم کردار لونڈی کا ہے۔ اس سے ہم اس طرح متعارف ہوتے ہیں

یہ نیک بخت باہر کی رہنے والی، طبیعت دار، چہرے مہرے سے درست، کبھی کسی گنوار کے ساتھ شہر بھاگ آئی تھی۔ کچھ دن کے بعد وہ بھگانے والے صاحب ان کو چھوڑ کر کسی طرف کو راہی ہوئے۔ اب یہ آوارہ پریشان ہو کر تیرے میرے ٹکڑوں پر زندگی بسر کرنے لگیں۔ مرزا تو ایک ہی پاک شہداء آٹھوں گانٹھ کمیت ہیں۔ اس نے اپنے ہمسائے میں پڑ رہے دیکھ بھال لیا ہوگا۔ غرض کہ وہیں پہنچے۔ اسے کہہ سن کر راضی کیا اور اپنے مکان پر لے آئے۔

صورت سے بھولی بھالی لیکن ایک چلتر باز، مغلانی کے الزام سہے، بیگم کی مار کھائی۔ ہلدی چونا تھوپا گیا مگر زبان سے اف نہ کی۔ لیکن جیسے ہی گھر سے باہر نکلی اور بخشو کی مدد ملی، اس کا انداز ہی بدل گیا۔ بخشو کے گھر پہنچ کر پہلے ہی معرکے میں اس کی چھپی ہوئی تیزی وطراری ظاہر ہوگئی۔ وہ بخشو کی بیوی کا طعنہ برداشت نہ کر سکی اور کوٹھڑی سے پائنچے سنبھالتی ہوئی سامنے آگئی۔

دیکھو بھئی، میں پکار کے کہے دیتی ہوں، جو میرا ذکر کسی نے کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں، پیاز کے چھلکے اتار کر دھر دوں گی۔ بندی کچھ نموھی نہیں، میں بھی قسم اللہ کی کیسی ایسی سناؤں گی، تو پھر مدتوں تک داغ نہ چھوٹیں گے۔

اس میں اپنے طبقے کی ذہانت بھی ہے اور چالاکیاں کرنے کی صلاحیت بھی۔ نواب صاحب کا گھر لٹوا کر سارا اثاثہ چروا دیتی ہے۔ لیکن اس کے خراٹوں میں فرق نہیں آتا اور جب چوری اور آگ لگنے کے واقعات پر گھر میں نواب صاحب، بیگم صاحب، مغلانی اور سیوتی بات چیت کرتے ہیں تو نجبنیا بڑھ چڑھ کر اس طرح حصہ لیتی ہے کہ کسی کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں ہوتا کہ بی جمالو یہ ہی تھیں جو بھس میں چنگی

ڈالنے کے بعد الگ کھڑی ہوگئی ہیں۔ وہ سیندھ لگی ہوئی کوٹھری میں جانے سے سب کو ہچکچاتے ہوئے دیکھ کر یہ کہتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔

ماج اللہ کیسے لوگ ہیں؟ چلو ہم چلتے ہیں، لاؤ چراگ

اور پھر اندر جا کر

اے جو را! یہ بڑا صندوک کھلا پڑا ہے۔ اے ھے یہ کیا؟ کمبختوں نے پاخانہ کیوں پھرا ہے، خدا غارت کرے۔

لیکن یہ ایکٹنگ ابھی ختم نہیں ہوئی

خدا کی مار ان کی جان کو، موئے مول لینے والے دنیا کے پردے سے ناپید ہو جائیں۔ ارے اس طرح صاف اڑا لے گئے جیسے انہیں کے ہاتھ کا رکھا ہوا تھا۔ ہم برسوں کے رہنے سہنے والے ان اسبابوں سے واقف نہیں تھے۔ میں جانتی ہوں، ان چوروں کے پاس کوئی جادو ہوتا ہے، سب باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ جب ایک سنڈا سامر دو دا کوٹھے پر چڑھنے لگا ہے تو میرے جی میں آیا موئے کو منہ ہی پر کوسنے دوں، جس میں وہ بھی سنے۔ بارے آگ کے جلنے سے سب بھول گئی ۔۔۔۔ ارے میرے پیٹ میں تو ایسی ھول سمائی کہ جاف آ گیا، جی ڈوب گیا، گھگھی بند گئی، منہ سے آواز نہیں نکلتی تھی۔ چو، چو، کہہ کے رہ گئی۔

جب پولیس کی پوچھ گچھ شروع ہوئی تو اس وقت بی نجبنیا اپنا رول نہ بھولیں

ہم سے جو پوچھیں گے ہم کہہ دیں گے، یہ مزال نہیں کوئی بے موذب بات کہیں

اور جو کان کے دشمن بھرے ہوں تو ہم بیوی پر سے صدقے

غرض کہ نجبنیا اپنے طبقے کا نمائندہ کردار ہے۔ اس میں بڑی زندگی ہے اور اردو ناول میں یہ اہم کردار ہے۔ اس میں اپنے طبقے کی رزالت اور کمینگی بھی ہے۔ نواب صاحب کے گھر سے نکلتے ہی اس کا کمینہ پن اور رذیل انداز ظاہر ہونے لگتے ہیں اس کی زبان کا ٹانکا ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ بخشو کو کچوکے دیتی ہے اور اس کی بے خطا

بیوی کو خواہ مخواہ کوستی کاٹتی رہتی ہے۔ طعنے دینا اس کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ چوری کے مال پر اتراتی ہے۔ وہ مال کے نشے میں زمین پر پاؤں نہیں رکھتی۔ ایک موقع پر بخشو سے باتیں کر رہی ہے۔ نواب کے یہاں کی تنخواہ کا ذکر ہے۔

کھرچ کی کیا فکر، ہم دیں گے۔ جی لے بھلا تین روپیہ میں کیا ہو سکتا ہے؟ ننگی کیا نہائے گی! کیا نچوڑے گی! تین روپلیاں تو نون تیل میں چٹر پٹر اوٹھ جائیں گے۔ بیاہ نہیں کیا، برات تو دیکھی ہے۔ ایسی ہی ضرور ملے گی۔ اپنے دلے دلا دینا۔ ابھی میں ہاتھ گلے کوئی چیج اتار کر دوں، برسوں کے لیے بہت ہوں

ایک اور مقام دیکھیے:

اجی ہم کو خود تمہاری نوکری منظور نہیں۔ خدا نے کھانے کو بہت دیا ہے۔ تین روپلی وہ بھی سوکھے میں کیا چیج۔ بڑی بڑائی دو چار آنے دستوری بزار کے سودے میں مل گئے۔ سو وہ بھی کبھی کبھی، ہر ہفتے کے نہیں ہیں۔ کہیں مہینہ بیس دن میں جا کے قسمت نے ایسا ہی زور کیا تو بھینٹ بھی ہو گئی۔

حقیقت ہی کیا۔ اتنا تو پان پتے میں روج اٹھ جاتا ہے

وہ بڑی شوقین مزاج ہے۔ سرمہ، مسی، کنگھی، چھوٹی، رنگ، مہندی اور بڑا پائنچہ، زندگی کے سارے مزے لوٹنے کے لیے بے چین ہے۔ بیگم صاحب کا زیور کس ارمان سے پہنتی ہے۔

ارے یہ دیکھو انگوٹھیاں انگلیوں میں کیسی بیٹھ گئیں جیسے موئے سنار نے ناپ کی بنائی ہوں۔ دیکھو دھاگہ میلا ہے۔ یہ چمپا کلی کے دانے دو ہی ایک دن میں بکھر جائیں گے۔ کسی جانب کار پٹوئے سے زلدی گند ہوا دینا۔

وہ بیگم صاحب کے پاس رہ چکی تھی اور اونچے گھرانے کے طور طریقوں سے واقف تھی۔ اسے اسی عیش و عشرت سے رہنے کی آرزو تھی۔ بخشو سے فرمائش سنیے

اور ہاں پان دان کا سب سامان درست چاہیے۔ کل سے پان دان کے بگیر بڑی

حیرانی ہوتی ہے۔ منگلانی پر علی کی سنوار۔ ان کی صحبت میں تمباخو کی عادت پڑ گئی۔ اور دیکھو ہاں کھوب یاد آیا، بجار جانا تو عطر پان دان کی ڈبیا میں لیتے آنا۔

اسی پر بس نہیں۔ پیسہ موجود ہے، پھر بھلا فرمائشوں کی کیا کمی۔ نین سکھ کی فرمائش ہو رہی ہے

کرنا کیا ہے، پائیز امے بنائیں گے۔ موا پنڈا ہر وقت جلتا رہتا ہے۔ رانوں میں دانے پڑ گئے ہیں۔ اب ہم سے یہ موئے بالش بھر کے پہنچے نہیں پہنچے جاتے۔ مسی بھی لیتے آنا۔ باجار تو جاؤ گے، کھسبو دار سرمہ بھی لیتے آنا اور اسگر علی کے یہاں سے بہت بہت کھسبو دار تیل اور عطر لیتے آنا۔

کم ظرفی دیکھیے، ذرا سی بات میں یہ اپنی اصلیت پر آتی ہے

بڑی پنچے کے پائزامے کوئی میں جانتی ہوں پچاس گج میں ہوتے ہیں۔ دیکھو اچھے خاصے ہوں کپڑا کھنگے نہیں، میں پھاڑ کر پھینک دوں گی۔۔۔۔ چھ گز اور بارہ گز رکھو کفن کے واسطے غضب خدا کا ہم اس ٹکڑ گدی شفقل کے برابر ہو گئے۔ دیکھو صاحب نہیں لیتے ہیں۔ منگلانی کو ہم نے دیکھا ہے، بیگم کے لیے اتنا بڑا پاز امہ بناتی تھیں۔ مہینوں لگے تھے۔۔۔۔۔۔

اچھا صاحب، معلوم ہوا جو تم کو ہمارا سو دالانا برا لگتا ہے۔ جانے دو، اللہ ننگا بھوکا نہ رکھے گا۔ کوئی دن گلی میں گاڑے ادھوتر والا نکلے گا، اس سے ہم لے لیں گے۔ چلو اس سے بھی تم کو چھٹی ہوئی۔

ایک پرانی مثل ہے اصل سے خطا نہیں کم اصل سے وفا نہیں لونڈی کم ظرف، تیز و طرار ہونے کے ساتھ ساتھ غیر مستقل مزاج بھی ہے۔ اس کو خوب سے خوب تر کی تلاش رہتی ہے۔ پھر بھلا میاں بخشو کی کیا حیثیت تھی۔ جب پاؤں نکل گیا، بندھن ٹوٹ گئے تو اڑنے سے کون روک سکتا تھا۔ وہ اس اطمینان میں کہ سونے کی چڑیا پنجرے میں بند کی ہے اور نجبنیا پر تولنے کی فکر میں دیواریں اچک رہی ہیں۔ آخر کار

پر لگ گئے، پری بن گئیں، اب جنات کی تلاش ہوئی، وہ بھی موجود۔ دیوار کے پاس ننھے مرزا کا ٹھکانا۔ پس دیوار بجلیاں کودنے لگیں۔ یہ طبیعت داروہ لکھنو شہر کے چھٹے ہوئے بانکے۔ شعر و شاعری، پھبتی، ضلع جگت میں طاق، پھر بھلا کیا تھا۔ نجبنیا بی نجم النساء بن کر چوک کے کوٹھے پر پہنچ گئیں اور بخشو کو داغ مفارقت دے گئیں۔ اب وہ کرتے پھریں مقدمہ داریاں!

یہ تھا جیتا جاگتا اور منہ بولتا ہوا کردار۔ نواب صاحب کا گھر ہو یا بخشو سے چونچیں، ننھے مرزا سے عشق و عاشقی کی باتیں ہوں یا کوٹھے پر آنے جانے والوں سے لگاوٹیں یا جج صاحب کو رام کرنے کی تگ و دو، کسی مقام پر یہ کردار کمزور نہیں۔ چلتے چلتے جیل خانے میں بند ہونے سے قبل ننھے مرزا کو جو دلاسا دیا جا رہا ہے، وہ بھی ملاحظہ ہو۔

مرزا تم اپنے دل پر میل نہ لاؤ، دل مضبوط رکھو۔ دیکھو تو، ہر چہ بادا باد۔ تم مرد کی صورت ہو کے ایسا چھوٹا دل رکھتے ہو۔ واللہ جو تم نے بہت رنج کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں۔ ارے دنیا میں اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ سمجھ دار ہو کے ناسمجھی کی باتیں کرنے سے ہمت کم ہوتی ہے۔ پھر بھلا کم ہمت آدمی دنیا میں کیا کام کرے گا۔ نہیں بہر حال میں خوش بشاش۔ ارے سب کچھ ہوا، خدا تو ہمارا کہیں نہیں گیا۔ بس اسی پر تکیہ رکھو، جو بگاڑے گا وہی بنائے گا۔ یہ بھی دنیا ک بات ہے۔ جس کو خدا عروج دیتا ہے اسی کو گراتا ہے۔ موئی پاؤں کی چیونٹی کیا اونچے سے گرے گی۔

ناول میں بی مغلانی کا کردار بھی خوب ہے۔ پرانے نواب گھرانوں میں یہ مغلانیاں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس خاص تہذیب کا یہ ضروری رکن ہیں۔ جس طرح دیوان خانوں میں مصاحب ہیں اسی طرح زنان خانوں میں یہ مغلانیاں بوزر جمہر بنی رہتی ہیں۔ یہ بیگمات کی ہر مشکل کا حل ہوتی ہیں۔ یہی حال طرح دار لونڈی کی بی مغلانی کا ہے۔ یہ نواب صاحب اور بیگم صاحب کی ہر گفتگو میں دخل دینے کے لیے تیار ہیں۔ ان کے جا و بے جا مشورے ہر وقت حاضر۔ کبھی کبھی بیگم صاحبہ

اس دخل در معقولات سے عاجز آ کر کہتی ہیں

دیکھو مغلانی، میں نے سو دفعہ منع کیا، بھئی تم ہمارے بیچ میں نہ بولا کرو

لیکن یہ بھلا کب خاموش رہنے والی تھیں۔ ایک ہی منٹ کے بعد فرمائش کرتی ہیں اے میاں میں صدقے گئی ایک لڑکی مجھ نگوڑی کے لیے بھی۔ اب بیگم صاحب لاکھ روہانسی ہوں، ان کی بلا سے۔ ان کو رکھا ہی اس خدمت پر گیا ہے کہ یہ بیگم صاحب اور نواب صاحب کی خوشامد کیا کریں۔ کبھی اچھی سنیں کبھی بری۔ زنان خانے سے لے کر مردانے تک کے تمام حل سے باخبر رہیں۔ پیش خدمتوں اور ماماؤں پر حکومت کیا کریں۔ جس کا ستارہ گردش میں دیکھیں اس کو اور چکر پر چڑھا دیں۔ اپنے کو برا بھلا کہتی جائیں لیکن نمک حلال ثابت کرتی رہیں۔ ان کا اپنا حال ان کی اپنی زبان سے سنیے!

ارے بیوی میری بھلی چلائی میں تو سارے زمانے سے بدتر نکھر ہوں۔ یہی خاوندی ہے جو مجھ نگوڑی کو سمیٹے ہو۔ پر اتنا بندی کو دم داعیہ ہے کہ دوسری کوئی عباسی خانم کے برابر نکل آئے تو جنم بھر کی لونڈی ہو جاؤں۔ بیوی مجھ سے اچھی ملیں گی، خدا حضور کا روپیہ سلامت رکھے، مگر مجھ سے بری کوئی نہ ملے گی اور جب تک زبان ہے، میں کیوں نا اپنے سرکار سے بات کروں۔

غرض ان کی زندگی اک صرف ایک مقصد ہے اور وہ خوشامد اس کی خاطر وہ اپنے مالکوں پر دنیا جہان قربان کرنے کے لیے تیار ہیں

ایسے ایسے دس ہزار حضور پر سے منگل اتوار صدقے کروں

بی مغلانی بڑی وضع دار اور مستقل مزاج ہیں۔ جوان کا رویہ ہے، اس میں تبدیلی نا ممکن ہے بیگم صاحب ناراض ہوں، نوکر چاکر ان کی خوشامد کریں، چاپلوسی کریں، خدمت گذاری کریں، نواب صاحب لونڈی غلاموں سے حسن سلوک سے پیش آنے پر طویل لیکچر دیں، لیکن یہ اپنے اسی ایک انداز پر قائم ہیں

اری سیوتی، اری سیوتی، اوسیوتی، اری موئی کیا ابھی سے مرگئی؟

بی مغلانی کی سب سے زیادہ صاف شکل آپ کو اس مکالمے میں نظر آئے گی جو ان میں اور سیوتی میں ہو رہا ہے یہ وہ مقام ہے جب حسو جان کی ناگی کی گرفتاری کی خبر نے نواب صاحب کو سراسیمہ کر دیا تھا۔ بیگم صاحب سے ان کی کھٹ پٹ ہو گئی تھی اور وہ دونوں روٹھ کر بے کھائے پیے سو گئے تھے۔

سیوتی! کیوں بی مغلانی آج بیگم صاحب خاصہ نوش فرمائیں گی؟

مغلانی: ہاں کھائیں گی اس کا کلیجہ (نجبنیا کی طرف اشارہ کر کے)

نجبنیا: واہ واہ بی مغلانی، میں نے کیا کیا؟

مغلانی: مردار تیرے ہی کارن

سیوتی: ہاں کچھ سن گن تو میں نے بھی پائی ہے۔ یہ بات کیا ہے؟ میری مغلانی کچھ کہو تو

مغلانی: بات کیا؟ میاں کا مجاز تو تو جانتی ہے، کیا خدا کا سنوارا ہے۔ ذرا سی بات ہو جایا چاہیے، پھر اس پر وہ حاشیے پھندنے کہ باید و شاید۔ بھئی میری تو اتی عمر آئی، جا پناہ کی بھی آنکھیں دیکھیں، محلات میں بھی رہی، ہماشما کی نوکری کی، مل ایسا مزاج کسی کا نہ دیکھا۔ آئے دن ایک نہ ایک آشقلہ کوئی گرفتار ہوا، سرکار کے پیٹ میں ہول سمائی ہوتی ہے۔ چھینک ہوئی اور نواب صاحب بوکھلائے ہوئے پھرتے ہیں

سیوتی: آخر یہ کیا بات ہوئی جو آج سرکار بیوی کو بول رہے تھے اور خفا ہو رہے تھے؟

مغلانی: بات کیا، کہیں اوڑتی اوڑتی خبر سن آئے ہیں۔ کوئی رنڈی لونڈی خریدنے پر جواب دہی میں گرفتار ہے۔ اب میاں کے پیٹ میں سانس نہیں سماتی۔ بیگم سے جدا ناراض ہیں۔ بچارے منے کو، جس کو کبھی گرم آنکھ سے نہ دیکھا تھا، آض موئے خدا بخش کے کارن خدا واسطے دو تین چٹخنے ایسے مارے کہ پانچوں انگلیاں بن گئیں۔

کہتے ہیں تمہیں نے لونڈی منگوائی۔ اب مغلانی بندی کی جان کو بھی وہی مصیبت پڑے گی، خدا نہ کرے جو اس موئی رنڈ پر پڑی ہے۔

مغلانی بڑی تجربہ کار اور جہاندیدہ ہیں۔ نواب صاحب اور بیگم کے باہمی قضیوں کا فیصلہ کرنے کی خاص اہل ہیں۔ کتنی صفائی سے فیصلہ کر دیتی ہیں۔ حضور کا فرمانا بجا ہے اور بیگم صاحب کا بھی چور کی آہٹ سے پہلے ان ہی کو ہوئی اور آگ لگنے کی مجہ بھی سب سے پہلے انہی کی سمجھ میں آئی۔ نجبنیا سے تو ان کو خدا مارے کا بیر ہے۔ ان کا بس نہیں چلتا کہ کس طرح اس کا سر منڈوا کر گدھے پر سوار کر کے نہ نکلوا دیں اس پر طرہ یہ: میں ذرا ذرا سی شکایت نہیں کرتی۔ نجبنیا سے انہیں بہت سے اندیشے تھے لیکن ان کا اظہار اس کی گمشدگی کے بعد ہی ہوتا ہے۔ جب انہیں اس کے فرار کی اطلاع ہوتی ہے تو خوب خوب بھڑاس نکالتی ہیں

نواب صاحب سے کہتی ہیں

''اے حضور اس کی گٹھری بھی نہیں! میں حیران ہوں کدھر گئی؟ کہاں گئی؟ اور سلامتی سے بڑے سیتے سے گئیں ہیں۔ ہو نہ ہو اس میں کچھ سازش ضرور ہے۔ لازم ہے اب تو اس کی پوری تلاش کی جائے۔ اگر قبر میں جا کے بھی پوچھے تو اس گستاخی، نمک حرامی کی سزا یہی ہے، مردہ تک گھسیٹ لائیں ایسی ہی مالزادیاں کو قیمہ کرے، بوٹیاں چیل کوؤں کو دے۔ ان کی سزا یہ ہے، بلا کے تھانے والوں کو چوری میں سزا دلوائے، جیل خانہ بھیجے، جنم قیدی کرائے، نمک حرامی کا خوب انعام دے۔

ان سب کے یہاں ایک چیز قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے وہ ہے احتیاج اور تشنگی ان میں سے کوئی بھی مطمئن نہیں ہے۔ کوئی اپنا رہا سہا گنوا کر سکون حاصل کرنا چاہتا ہے، کوئی چوری، ڈاکے، دھوکہ دھڑی، خوشامد اور چاپلوسی کے ذریعے تسکین کام و دھن میں الجھا ہوا ہے۔ ناول میں ایک ایسی طرز ادا استعمال کی گئی ہے جو کرداروں کے جذبات کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ افراد کچھ اس انداز سے پیش کیے گئے ہیں کہ اس

زمانے کے لوگوں کی شکلیں عین مین نظر آتی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ بدلتے ہوئے حالات اور اقدار کا عکس طنز و مزاح کے رنگ میں صاف نظر آجاتا ہے۔ اس میں طنز و مزاح ایک علامتی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اور یہ مصنف کی فن کاری ہے۔

سجاد حسین کی زبان اور طرز ادا کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی تحریروں سے ایک تہذیبی رچاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ محاورے، روز مرہ اور ضرب الامثال کا استعمال عبارت میں گرانی نہیں بلکہ لطف پیدا کر دیتے ہیں۔ خصوصاً لکھنو کے محاورے ضلع جگت، پھبتی، اس بے تکلفی سے استعمال ہوتے ہیں کہ کسی اور مصنف کے یہاں اس کی مثال ملنا مشکل ہے مثلاً:

صاحب چلتا ہے دھندا کیجیے

دیکھو تو کیس انفیلا داغتا ہوں

مدو نے آواز دی اور انا تیر کی طرح سکینہ کو لیے نکل آئی

میں ان باتوں سے کوسوں دور بھاگتا ہوں۔ آج کل جانتے ہو گیا بے ڈھب زمانہ ہے، بھلے آدمی کی عزت بچے تو اتنا ہی کافی ہے۔

اس پر میاں نے بڑی بڑی باتیں کیں، بہت کچھ حرام حدیث لگایا کیے۔ بہت قال اللہ قال رسول کیا کیے۔ پھر اسی میں مجھ جنم جلی اور موئے رحم قلی کی بھی باتیں نکلیں۔ بیوی سر پٹک مریں، مل اف جگرے میں کے، ذرا بھی دل نہ پسیجا، ایک نہیں جو کی تو ہاں نکلنا پھر مشکل ہو گیا۔

مختلف طبقات کی زبانوں کا فرق بعض کمزوریوں کے باوجود کافی حد تک نمایاں ہو جاتا ہے۔

نواب صاحب: کیا خوب یہ بھی کوئی بازار کا سودا مقرر کیا۔ پھر کچھ کہو گی بھی، یہ کون قرینہ ہے

بیگم صاحب: دیکھو مغلانی، میں نے سو دفعہ منع کیا۔ بھئی تم ہمارے بیچ میں نہ بولا

کرو۔

اے میں کہوں، یہی ایک لڑکا ایک لڑکی بس

مغلانی: اے میاں میں صدقے گئی، ایک لڑکی مجھ نگوڑی کے لیے بھی

لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ طنز وظرافت کے رجحان نے باوجود یہ کہ ناول کی حدود کو وسعت دی لیکن اس کی افراط اور اس میں عامیانہ اسلوب نے کہیں کہیں لطافت میں کمی کر دی ہے اور یہ خاصے کی چیز نہیں رہی ہے۔ سجاد حسین ظرافت کا اعلیٰ معیار قائم نہ رکھ سکے۔ یہ نقص ان کی پوری نثر میں موجود ہے اور اس نقص نے ان کی زبان کو بھی بہت متاثر کیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ نچلے طبقے کی زبان اور ان کی آنکھوں پر اس درجہ متوجہ تھے کہ ہمیشہ تو نہیں لیکن بعض اوقات طبقہ خواص کی زبان کی خصوصیات کو بھی فراموش کر دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے کردار جو طبقہ خواص سے تعلق رکھتے تھے، ان کی گفتگو میں بھی عامیانہ پن جھلکنے لگتا ہے۔ طرح دار لونڈی کے نواب صاحب اور ان کے مصاحبوں کی گفتگو لکھنو کی معیاری زبان میں ہونا چاہیے تھی، لیکن یہاں بھی ناول نگار محتاط نظر نہیں آتا۔ مثلاً نواب صاحب بیگم سے فرماتے ہیں

اس بوجھ کے دلانے والے اور ہی ہوں گے۔ بندہ اس غم کا طوطا نہیں پالتا۔

لاحول ولاقوۃ! بھئی تم لوگوں نے تو نکدم کر دیا۔ حقے کے دو کش پینا حرام۔ میں کہتا تھا اس امر کو ایک مدت سے کسی کے بھاویں نہیں۔ ان نالائقوں کا اعتبار کیا۔ یہ اس کی (بیگم کی طرف اشارہ کر کے) بے وقوفی ہے۔ نامعلوم ان کے حرکات سے مجھ پر کیا آفتیں نہ آئیں گی۔ ابھی ایک امر ہو چکا تھا، زخم بھرے نہیں، خیر وہ تو جس طرح بنا تو تھمو ہو گیا، بلا ٹلی، لیجئے یہ نیا چرکا دیا۔ اس دنیا کو میں روتا تھا۔

نواب صاحب بیگم صاحب کو میکے بھیج رہے ہیں، فرماتے ہیں لے اب ڈولی منگواتا ہوں، چلتی پھرتی نظر آیئے۔

اکثر ایسے بھی ہوتا ہے، بعض کرداروں کی زبان کچی ہے۔ کبھی مغلانی ایک ہی

جملے میں مجاز اور مزاج بولتی ہیں، کوئی کردار ز کی جگہ ج بولتا ہے، لیکن دوسرے جملے میں وہ زبھی صاف صاف ادا کر دیتا ہے۔ یا نجنیا آدھی ناول میں س کوس بولتی ہے، اس کے بعد س کوش سے بدلنا شروع کر دیتی ہے۔ ان خامیوں کے باوجود عورتوں کی زبان، ان کا لہجہ، بانکوں، چھیلوں اور بازاری لوگوں کی گفتگو کی خصوصیات اور انداز ناول میں ایک خاص فن کاری کے ساتھ موجود ہے۔ اور اس لحاظ سے ناول کو تاریخی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ انداز تحریر میں جدید رجحانات اور مقامی خصوصیات بھی ملتی ہیں:

بیگم کی سمجھ کا کیا اعتبار: کوئی فلسفی ہیں، حکیم ہیں، اہل الرائے ہیں، پارلیمنٹ کی ممبر ہیں، ایک ناقص العقل قوم ہے، جو کوکھانے پینے، ہانڈی چولہے کے کسی امر کی لیاقت نہیں۔ بڑی بڑائی رنگوں کو جوڑ لگانا، پکانا، سینا پرونا، چکن نکالنا، بنت بنانا، سو وہ بھی متوسط حیثیت کی عورت ہیں۔

ایسا کیا شہر شملہ ہے

ہمارے نوکر خود ساری ھیکڑی بھلا دیں گے۔

ساری منل کوڈ یہیں ختم ہے، لیفٹنٹی تک تو پتھر کی لکیر ہو جائیں

کھانا پانی کیا چیز ہے۔ مردود ہو، امام حسین کو اپنے ہاتھ سے شہید کرے جوان کے ہاتھ تک سے گلوری نصیب ہو۔

ان خصوصیات نے اردو زبان کو وسعت عطا کی۔ بہت سے انگریزی الفاظ عبارت میں اور عام بول چال میں کھپتے چلے گئے۔ معاصرین کے مقابلے میں سجاد حسین کے یہاں انگریزی الفاظ کے اخذ و جذب اور استعمال کی بہت اچھی صلاحیت موجود ہے۔ تحریر کی روانی اور اپنے فن کی موج میں وہ کبھی کبھی انگریزی اور اردو الفاظ کا سنجوگ پیدا کر دیتے ہیں۔ بلاشبہ ہم جس طرح اردو شاعری میں میر، نظیر، انیس، داغ اور جوش وغیرہ کو خراج تحسین ادا کرتے ہیں، نثر میں میر امن، سرور اور سر

شار کے ساتھ سجاد حسین کا بھی خصوصاً ذکر کر سکتے ہیں۔فن سے قطع نظر ان قلم کاروں نے زبان میں وسعت، کشادگی اور ترش خراش کے ساتھ زبان کو اپنے منفرد لب و لہجے کا اسلوب و آہنگ بخشا ہے۔کھڑی بولی اور اودھی بھاشا میں بڑے متنوع انداز پیدا کر دیے ہیں۔لکھنو کے شرفاء کا انداز تکلم، بیگمات کی چٹاخ پٹاخ، لونڈیوں، ماماؤں اور انؤں کی منہ زوریاں، حاضر جوابیاں، مصاحبوں کی ٹھاکر سوہاتیاں، کرخنداروں کی ابے تبے، دیہاتیوں کی پوربی بھاکا اور بولی ٹھولی سے دلچسپ منہ بولی تصویروں کا ایک نگار خانہ سجا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

اب آخر میں کتاب کی تدوین اور تہذیب کے متعلق عرض ہے کہ جہاں تک نسخے کی ترتیب کا تعلق ہے، خاص طور پر کوشش کی گئی ہے کہ قدیم املا کو جدید شکل میں تبدیل کر دیا جائے۔غدر کے لگ بھگ زمانے میں ٹائپ اور نستعلیق کے فوائد اور نقصانات کا احساس نہ تھا۔نہ اردو زبان کا اتنا استعمال تھا جیسا کہ آج کل ہم قومی ضروریات کے ماتحت کرنے پر مجبور ہیں۔جدید ایجادات میں ٹائپ نے بڑی سہولتیں پیدا کر دی ہیں۔اردو کا ٹائپ اس کی ترویج میں کیسا مفید ہے، اس بات کا اندازہ آج ہم بخوبی کر چکے ہیں۔اس سے فائدہ جب ہی ممکن ہے کہ ہم اردو املا میں ضروری تبدیلیاں کریں۔مثلاً سجاد حسین کے زمانے میں بہت سے الفاظ مخلوط لکھے جاتے تھے، ان کی تبدیلی ناگزیر تھی۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں

گھبرانیکی	گھبرانے کی
خیراتخانہ	خیرات خانہ
انمیں سے	ان میں سے

اسی طرح پیش کی بجائے و کا استعمال قدیم طرز تحریر میں عام تھا۔اس کو بھی بدلا گیا ہے مثلاً

اون اُن

پھر نون غنہ اور ن کے فرق کی وضاحت کو خصوصی طور پر اس تالیف میں مدنظر رکھا گیا ہے۔

اس نسخے کی تہذیب کے سلسلے میں مجھے کئی نسخوں سے استفادہ کرنا پڑا۔ طباعت کی اغلاط اور کتاب کی فروگزاشتوں کے پیش نظر میں نے کئی نسخوں سے اغماض برت کر صرف تین نسخے پیش نظر رکھے۔ پہلا طرح دار لونڈی کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ہندوستانی پریس لکھنو میں 1924ء میں چھپا۔ اس کے مہتمم مہادیو پرشاد ورما لکھنو کے مشہور پبلشر تھے۔ دوسرا نسخہ جو میری نظر سے گزرا، اس کا گرد پوش اور سرورق غائب ہے یعنی سنہ، مطبع، ایڈیشن غیر حاضر ہیں۔ تیسرا نسخہ نسیم انہونوی کا ہے۔ مقام عبرت یہ ہے کہ سب سے زیادہ غلطیاں اسی میں ہیں۔ بہر حال جہاں تک ممکن تھا میں نے انتہائی کوشش و کاوش سے مختلف نسخوں کا مقابلہ کر کے املا، امالہ اور انشاء کو سنوارا، پیراگرافت، ابواب اور عنوانات کو نک سک سے درست کیا ہے۔ نئی نسل اور نابلد حضرات کے لیے ایک فرہنگ بھی بنا دی ہے۔ غرض اس نسخے کو بہتر بنانے کی خاطر جو جتن کیا جا سکتا تھا اس میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

آخر میں مجلس ترقی ادب کی بے حد شکر گزار ہوں جس نے مجھے اس نسخے پر کام کرنے کا شرف بخشا اور خصوصیت سے جناب سید امتیاز علی تاج صاحب کی راہ نمائی کی سپاس گزار ہوں نیز احراز نقوی صاحب کی رفاقت اور اعانت کو بھی فراموش نہیں کر سکتی۔

میمونہ بیگم سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

13 جولائی 1964ء

پہلا باب

(وقت سہ پہر، صاحب خانہ اندر سے برآمد ہوئے)

شیخ: (مودب) آداب بجالاتا ہوں

مرزا: (مودب) مجرا عرض ہے

لالہ: بندگی عرض ہے

صاحب خانہ: آھا مرزا! واللہ آج دن بھر کہاں رہے؟ شہر کی کیا خبریں ہیں؟ جب تک تمہارے منہ سے نہیں سن لیتے لاکھ کوئی تحقیق خبر بتائے، یقین نہیں آتا۔ بات یہ کہ بھئی تم ٹھہرے ایک سیلانی، کوئی محلّہ گلی ایسی نہیں جہارے تمہارے قدم میمنت لزوم نہ جاتے ہوں

مرزا: ہاں حضور مرض ہی ایسا پڑ گیا ہے۔ بے دو چار جگہ گئے طبیعت نہیں مطمئن ہوتی۔ جب تک تھوڑا بہت چل نہ لوں، اے حضور کھانا نہیں ہضم ہوتا۔ میں بڑا حیران ہوں، جو لوگ قطب کے جوڑی دار، میر فرش بنے بیٹھے رہتے ہیں ان کا جی کیوں کر بہلتا ہوگا۔ یہاں تو جب سے ہوش سنبھالا ہے، خدا جھوٹ نہ بلائے، کوئی دن ایسا ہی کمبخت گذرتا ہوگا، گھر میں دن بھر قید رہتے ہوں، ہاں بیماری کا ہی کا ذکر نہیں۔

---

1 طرح دار لونڈی کے تمام مطبوعہ نسخوں میں بعض جگہ افراد کے نام کا فقط حرف اول مخفف کے طور پر دیا گیا ہے لیکن اب قارئین کی سہولت کے پیش نظر پورے نام لکھ دیے گئے ہیں (مرتب)

شیخ: یہ نہ کہو، سینکڑوں بندہ خدا ہیں جو مہینے بیسویں کہیں چلے گئے تو چلے گئے نہیں، کہیں آنا نہ جانا۔

مرزا: گھر حولات، مکان جیل خانہ

شیخ: (چیں بہ جبیں ہو کر) بات سنو۔ کھلی بازی ہر موقع پر اچھی نہیں۔ میں گذارش کروں؟

صاحب خانہ: اجی ہوگا بھی۔ ہاں مرزا کچھ ادھر ادھر کی گپ شپ سناؤ

مرزا: حضور کیا عرض کروں۔ شہر میں کچھ جان ہو تو خبریں پیدا ہوں۔ خلقت تو پیٹ کر مر رہی ہے۔ ایک عالم میں سناٹا پھیلا ہے۔ یہی شہر تھا، دن رات چہچہے قہقہے اڑتے تھے۔ اب جدھر نکل جایئے، بھگدڑ کے زمانے کی کیفیت۔ دکانیں صدھا بند ارے اور تو اور افیون، مدک، چانڈو کی، جن میں ابھی کل تک یہ شہر کے نشہ پانی والے لوگ بلبل ہزار داستان کی طرح چہک رہے تھے، آج خالی پنجرے ویران ہیں، اس مہنگی نے مار ڈالا، اب سکت باقی نہیں۔ غضب خدا کا، روپے کا چھ سات سیر آٹا بک گیا۔ حضور! غلام کے تو ہوش میں کوئی مہنگی ایسی نہیں پڑی۔ خلقت ایک دانے کو ترس گئی، اچھے اچھے گھر بگڑ گئے۔ باپ کو اگر چار دانے مل گئے، وہ بچوں کو نہیں پوچھتا۔ جورو کو اگر ٹکڑا روٹی ملی تو خاوند کو نہیں پوچھتی۔ زمانہ ہے کہ پر آشوب ہو رہا ہے۔ سینکڑوں لاکھوں فقیر تکل پڑے کریں کیا، پیٹ بری بلا ہے، جو نہ کرائے تھوڑا ہے اولاد سے بڑھ کر تو کو عزیز نہیں، اس تک کو تو بیچ ڈالا۔ اے حضور! صدھا لڑکے لڑکیاں بک گئیں۔ بلکہ بعضے ماں باپ نے تو ہنسی خوشی یوں ہی حوالے کر دیے۔ چلو بلا سے ان کی پرورش سے جان چھوٹی۔ اپنا پیٹ کسی نہ کسی طرح سے پال لیں گے۔ جہاں کہیں یہ رہیں گے پیٹ بھر روٹی تو دے گا۔ جہاں رہیں خوش رہیں، زندہ رہیں، جی بچیں۔

لالہ: آپ اطفال لیے پھرتے ہیں، مویشی تک تو مشفق من! لوگوں نے مفت دے ڈالے۔

مرزا: سینکڑوں لڑکی لڑکا سرکاری خیرات خانے میں موجود ہے۔ سرکار آخر کہاں تک کھلائے۔ عام حکم ہے جس کا جی چاہے خیرات خانے سے لے جائے، پرورش کرے۔

صاحب خانہ: تم نے تو مرزا صاحب وہ کیفیت بیان کی جس کے سننے سے واللہ

رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ آئے حواس گئے۔ اور بھئی اس انگریزی میں انسان کی بیع جائز نہیں بلکہ بڑا جرم ہے، اور یوں بھی بھئی لونڈی غلام رکھنا جان کا عذاب خرید کرنا ہے، غم نداری بز بخر

شرعاً جائز سہی مگر وہ حضت کچھ عرب ہی والے خوب لونڈی غلام رکھتے ہیں۔ اپنے برابر کھلائیں، پہنائیں، بٹھائیں۔ بھلا یہاں کہاں، یہاں کام لینے کو آندھی ہیں، باقی روکھی سوکھی جو ملی وہ حوالے کی۔ موٹا، مہین، پھٹ پرانا کپڑا دے دیا۔ لیجیے صاحب، اللہ اللہ، خیر صلاح، اور اگر حضرت انہوں نے کہیں بھل منسئی میں آ کے ستانا شروع کر دیا تو پھر ناکوں چنے چبوا دیے۔ اچھی کسر لی، الٹی غلامی کرا چھوڑی۔ اگر بہت سختی کی، نکل جانے کو دھمکایا۔ ادھر یہ خیال کہ اتنے دن آپ نے کھلایا، پہنایا، روپیہ صرف کیا ادھر وہ لوگ ہوا سے باتیں کر رہے ہیں، نا بھئی نا، اس عذاب سے الگ تھلگ رہنا اچھا۔

مرزا: جی نہیں، حضور سب یکساں ہوں تو دنیا میں کوئی لونڈی غلام کیوں رکھے۔ اور بڑی بات تو غریب غربا کی پرورش ہے۔ اگر آج کل لوگ اس قدر لڑکے لڑکیاں نہ لیتے تو اتنی خلقت کی پرورش کیوں کر ہوتی۔ سب چار ہی دن میں خدا گنج کو پہنچ گئے ہوتے۔

صاحب خانہ: ہاں وہ اور بات ہے۔ خلقت کی پرورش تک مضائقہ نہیں اور اسی مارے تو سرکار بھی ان کو پرورش کو دیتی ہے۔

دوسرا باب

(میاں کا انکار، بیوی کا اصرار)

بیوی: اے جی! ہم نے سنا ہے، شہر میں غریب غربا اپنے بچوں کو بیچتے ہیں، پھر تم کیوں نہیں لے آتے۔

میاں: (مسکرا کر) کیا کیجیے گا!

بیوی: پالیں گے اور کیا کریں گے۔

میاں: کیوں؟ کیا پالنے کو اپنے بچے خدا کے دیے نہیں؟

بیوی: تم ایسی ہی بات کہہ اٹھتے ہو، ہاں تو بولو، لاؤ گے؟

میاں: اس بوجھ کے دلانے والے اور ہی ہوں گے، بندہ اس غم کا طوطا نہیں پالتا۔

بیوی: اچھا جاؤ، ہم اپنی بی ہمسائی سے کہہ کے منگوالیں گے۔ موئی گلی گلی تو لونڈیاں بکتی ہیں، آج کل مہنگے سے میں تو لڑکے آندھی کے آم ہو رہے ہیں۔ ہاں بات اتنی تھی، تم کو خدا نے مرد کی صورت بنایا ہے، جو کوئی بات ہوتی ہے پہلے تم ہی سے کہی جاتی ہے۔ دوسرے تم ذرا کچہری دربار جاتے ہو، سب طرح کے لوگوں سے مراسم ہیں بلکہ (بلکہ) تمہارے ہی زبانی معلوم ہوا کہ مجسٹر صاحب کے سر رشتہ دار سے آج کل پینگ بہت بڑھ رہے ہیں۔ ذری کہہ سن کر خیرات خانے سے اچھے اچھے چھالٹ کر لے آتے۔ وہاں سنتے ہیں بہت لڑکے جمع ہیں اور صاحب کا بھی حکم ہے کہ جو پرورش کرنا چاہے لے جائے تو وہاں سے جا کر کوئی چھانٹ کر لے آتے۔ ذری رنگت صاف صاف، نقشہ سڈول، نک سک سے درست ہو تو اچھا تھا اور نہیں تو ہم اپنے لے ہی لیں گے۔

میاں: سبحان اللہ! کیا عملے کے لوگوں سے اسی دن کے واسطے ملاقات کی تھی؟ اور بھئی صاف تو یہ ہے اپنی سی جان میں سب کی جانتا ہوں۔ مجھے یہ آپ کے ہاں کی

غلامی پسند نہیں۔ اپنے نوکر رکھے، چار پیسے دیے، کام لیا، جھگڑے قضیوں سے سب سے الگ۔

بیوی: جی ہاں تمہاری سی سب کی باتیں ہوں تو دنیا میں کوئی لونڈی کیوں پالے، غریب غربا کی کیوں پرورش ہو۔ اور صاحب اس میں قباحت ہی کیا؟ ماں باپ اپنی رضامندی سے اپنی اولاد دیتے ہیں، سرکار خوشی خاطر سے حوالے کرتی ہے۔ لوگو! پھر اس میں کیا خرابی ہے۔ اچھا صاحب! سو بات کی ایک بات معلوم ہوئی، تم کو نہیں لا دینا ہے۔ چلو تانت باجی راگ بوجھا ہاں صاحب تم کو کیا پڑی، کس کے لیے اتنی تکلیف اٹھاؤ گے۔

میاں: واہ وا، اب یوں آئیں۔ عجب حمق سوار ہے! نہ بات سمجھتی ہے، نہ مصلحت دیکھیں، بے موقع اصرار کرنے لگتی ہیں۔

بیوی: اولھ ہوئے چولہے میں گئے لڑکے، ہو گا بھئی، جا قتنے بھی دو۔ غرض ہو گی ہم اپنے منگا لیں گے، اب جو تم سے فرمائش کریں تو گنہگار۔ اور یہ کچھ تمہاری نئی عادت تو ہے نہیں، بر او ہ مانے جس کو اس کی مساوات نہ ہو، یہاں تو قسمت ہی میں یہی لکھا تھا۔

(اسی چخ چخ میں رات بھی زیادہ گئی تھی، بات یہیں تک ہو کے رہ گئی۔ صبح کو شیخ زمان مصاحب اپنے مکان سے آتے ہوئے کیا دیکھتے ہیں، ڈیوڑھی میں مدو حقہ لیے کھڑا ہے اور بی سیوتی ہنس ہنس کے کچھ آہستہ آہستہ، کچھ پکار پکار باتیں کر رہی ہیں۔ ان کو دیکھ کر بی سیوتی نے جھک کر جلدی جلدی تین تسلیمیں کیں)

شیخ: آہا بی سیوتی! کہو اچھی تو ہو؟ نواب صاحب ابھی تک برآمد نہیں ہوئے؟ اب تک تو کب کے تشریف لے آتے تھے۔

سیوتی: جی ہاں آج تو سلامتی سے ابھی تک آرام میں ہیں۔ بے ام (بیگم) صاحب بھی ابھی بیدار ہوئی ہیں، اب حضور بھی اٹھے چاہتے ہیں، آئینہ وائینہ لگا آئی

ہوں۔ میں نے کہا لاؤ جب تک ہمدم ہی لے آؤں۔ کیا کہیں، کچھ کہنے کی بات نہیں۔ یہ ٹانگ کھولو تو لاج وہ ٹانگ کھولو تو لاج۔ جیسی تو ہماری بیوی ہیں اللہ رکھے اب تک بچپن کی عادتیں نہیں گئیں، ویسے ہی میاں ذری ذری سی بات میں ان کو توڑتے ہیں۔

شیخ: کیوں کیوں، کیا ہوا؟

سیوتی: اے کچھ بھی نہیں۔ میں بات کہتی ہوں، بھلا یہ بیوی ایسی تھوڑی ہے، ہاں آج کو کوئی ہوشیار ہوتی تو میاں کو اس تو راجتانے کا مزا چکھاتی۔ وہ بے چاری اللہ میاں کی گائے، نموھی، گیگلی خدا کے کرم و فضل سے تین بچوں کی ماں ہو چکی ہے، ابھی تک وہی الھڑ پن ہے۔

(یہ کہہ کر مدو کے ہاتھ سے حقہ لے کر چلی ہی تھی کہ شیخ صاحب نے پکارا)

شیخ: اری ٹھہر ٹھہر، ذرا ایک بات سنے جا

سیوتی: (پلٹ کر) شیخ جی خدا کی قسم! ناب صاحب (نواب صاحب) اٹھے ہوں گے، میرا برا دھاڑا کریں گے۔

شیخ: اچھا یہ تو بتا، رات کچھ کھٹ پٹ ہو گئی؟

سیوتی: کھٹ پٹ! آے اچھی خاصی دو بدو گفتگو آ گئی اور سچ پوچھو تو کوئی بات تھی نہیں۔

شیخ: آخر معاملہ کیا تھا، کچھ خلاصہ تو معلوم ہو۔

سیوتی: اے میاں میں ڈرتی ہوں۔ کہیں کوئی سن گن پائے تو مجھ نگوڑی کا سر مونڈا جائے۔ دوسرے میری عادت کم بخت نہیں۔ لے دیکھیے، گھر میں لاکھ باتیں ہوتی ہیں، آپ مدو سے قسم کھا کے پوچھ لیجئے جو آدھی بات تھکے منہ سے نکلتی ہو۔

شیخ: اچھا وہ بات تو کہو

سیوتی: نہیں میاں میں ڈرتی ہوں، (ذرا آگے اور بڑھ کے اور داہنے بائیں دیکھ

کر) کوئی سنتا نہ ہو۔ میرے شیخ اس کو اپنے ہی تک رکھیے گا۔ رات کو میاں جب باہر سے گئے تو لونڈی غلاموں کی باتیں چلیں۔ بی بی نے کہا دو تین لڑکیاں لا دو، ہم پرورش کریں گے۔ اس پر میاں نے بڑی بڑی باتیں کیں، بہت کچھ حرام حدیث لگایا کیے، بہت قالے اللہ، قالے رسول کیا کیے پھر اسی میں مجھ جنم جلی اور موئے رحم قلی کی بھی باتیں نکلیں، بی بی سر پٹک مری، مل اف رے جگرے میاں کے! ذرا دل نہ پسیجا۔ ایک نہیں جو کی تو ہاں نکلنا پھر قسم ہو گیا۔ آخر بی بی خاموش ہو رہیں (اتنے میں اندر سے آواز آئی سیوتی، سیوتی، سیوتی یہ بھی حاضر حاضر کرتی ڈبل چال پہنچ گئی اور شیخ صاحب کمرے کے اندر آ کر اسی مضمون کو سوچنے لگے)

(جب تک صاحب خانہ محل سے برآمد ہوئے، مرزا بھی اتفاق سے مٹر گشت کرتے آج سویرے ہی سے داخل ہوئے۔ اب کیا، دونوں مرشد اکٹھے ہوئے، یک نہ شد دو شد۔ شیخ نے جو بی سیوتی سے سنا تھا، سارا حال کہا اور لگے صلاح کرنے کہ کس طرح اس میں چرندم خرندم کی ٹھہرے)

شیخ: ہاں یار مرزا! اب یہ کہو، اس معاملے کو یونہیں رہنے دو گے یا کچھ یاروں کے واسطے بھی فکر کرو گے؟

مرزا: بھئی سنو! اول تو میں کسی معاملے میں ہاتھ نہیں ڈالتا اور جو کسی امر میں شریک ہوتا ہوں تو پھر چاہے جان جائے، مگر اس سے منہ نہیں موڑتا۔ پہلے منصوبہ کر لو، اس معاملے میں یک جان دو قالب رہیں گے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی، تو خیر کیا مضائقہ! آخر لوگ بڑی بڑی سرکاروں میں رسائی کس دن کے واسطے پیدا کرتے ہیں؟

شیخ: ہاں واللہ، آج کل بالکل بے خرچ ہو رہے ہیں۔ تمہاری بھابھی آج کئی دن سے بچوں کی سرمائی کے واسطے کہہ رہی ہیں، گرانی کچھ بچنے نہیں دیتی۔

مرزا: اجی ابھی لو۔ آنے تو دو، دیکھو تو کیسا فتیلہ داغتا ہوں (شیک اور مرزا نے

آہستہ آہستہ مشورہ کیا کہ کس ترکیب سے دو چار رفاقہ کش بچے لا کر کچھ وصول کرنا چاہیے۔تھوڑی دیر بعد صاحب خانہ برآمد ہوئے اور شیخ صاحب نے چھیڑ چھاڑ شروع کی)

مرزا: مجرا عرض ہے

شیخ: آداب بجالاتا ہوں، حضور کا مزاج عالی؟

صاحب خانہ: شکر ہے

میں حضور ہی کے قدموں سے لگے رہیں گے۔اور اچھے برے سب میں ہوتے ہیں۔اگر نوکر پر خفا ہوئے، لو صاحب ان کو نوکری نہیں منظور ہے، چلتے پھرتے نظر آئے۔اپنا نوکر مزاج سے ناواقف۔جب برسوں سکھاؤ، مزاج دان ہو، آرام دے سکے، سو وہ بھی سو میں ایک اور ان کو خفا ہونا کیا مار تک لیجیے مگر یہ در چھوڑ کر کہاں جائیں گے؟

مرزا: حضور ہے اجازت؟ اگر حکم ہو ابھی لے آؤں بھئی مدو ذری انا سے کہنا، مرزا سکو کو بلاتے ہیں۔ہم ان کو خوش خبری سنا دیں، تمہارے لیے لونڈی آتی ہے۔

(مدو نے آواز دی اور انا تیر کی طرح سکینہ کو لیے نکل آئی)

مرزا: آؤ آؤ (گود پھیلا کر) لونڈی لوگی؟ دیکھو آج تمہارے لیے اچھی سی لونڈی لاتے ہیں۔کیوں بولو لونڈی لوگی؟

سکینہ: (گردن ہلا کر) ہوں؟

صاحب خانہ: اچھا بیگم سے تو پوچھ لو

(یہ کہہ کے میاں محل میں داخل ہوئے)

تیسرا باب

صاحب خانہ: بولو بی، کلم تم بہت لونڈی لونڈی کرتی تھیں، کہو کے لوگی؟ مرزا صاحب اور شیخ جی کی بھی یہی صلاح ہے۔

بیگم: نہیں، کوئی ضرورت نہیں۔ ایک بات تھی ہوگئی، اس کا ذکر ہی کیا؟ جانے دو، واللہ مجھے اصلا خیال نہیں۔ میں حتیٰ المقدور نہیں چاہتی تمہارے خلاف کوئی امر کروں، یہ تو سب تمہاری رضا پر منحصر ہے۔

صاحب خانہ: اچھا تو میں بخوشی اس بات کو کہت ہوں، میری خوشی اس میں ہے۔

بیگم: اچھا پھر میں کیا بتاؤں، جتنی جتنی مناسب جانو، منگوا دو۔

مغلانی: دو چار بچے آئیں، ان میں سے جو پسند ہو رکھ لیا جائے

صاحب خانہ: کیا خوب! یہ بھی کوئی بازار کا سودا مقرر کیا

بیگم: (مغلانی سے) دیکھو مغلانی، میں نے سو دفعہ منع کیا بھئی تم ہمارے بیچ میں نہ بولا کرو

صاحب خانہ: پھر کچھ کہو گی بھی، یہ کون قرینہ ہے

بیگم: اے میں کیا کہوں، یہی ایک لڑکی ایک لڑکا بس

مغلانی: اے میاں، میں صدقے گئی، ایک لڑکی مجھ نگوڑی کے لیے بھی

صاحب خانہ: کیا خوب!

بیگم: صاحبو! یہ کون عادت تم لوگوں کی ہے؟ مجھے ایسی باتیں نہیں بھاتی ہیں

(صاحب خانہ باہر تشریف لائے اور مرزا سے فرمایا)

صاحب خانہ: مرزا! وہ تو صرف دو کو کہتی ہیں۔ دیکھو موقع سے کوئی صورت شکل کی اچھی لڑکی اور کوئی ہوشیار لڑکا ملے لے آؤ۔ مگر بھئی دیکھو، دودھ پیتے بچے نہ اٹھا لانا، کم بخت ہوس کے مارے بہت کھا جاتے ہیں، پھر دوا کرتے کرتے ناک میں دم ہوتا ہے۔ غم نداری بز بخر کی کیفیت ہوتی ہے۔

مرزا: اے نہیں، حضور کے فرمانے کی بات۔ کیا غلام ایسا نادان ہے۔ ہم لائیں گے تو اچھی طرح دیکھ بھال کر نہ لائیں گے؟

شیخ: حضور ہم موجود نہیں؟ ایک سے بھول چوک ہو جائے گی، دوسرا موجود ہے

صاحب خانہ: ہاں بھئی اس کا خیال ضرور رکھنا، کوئی جھگڑے کا لڑکا نہ ہو، میں ان باتوں سے کوسوں بھاگتا ہوں۔ آج کل جانتے ہو، کیسا بے ڈھب زمانہ ہے، بھلے آدمی کی عزت بچے غنیمت سمجھو۔

شیخ: اس امر سے اطمینان رہے، ہم سب اپنی مضبوطی کر لیں گے۔ حضور کو صرف اتنی تکلیف گوارا کرنی پڑے گی، جب تھانے کے لوگ آئیں، حضور فرماویں ہاں ہم پرورش کے واسطے لیتے ہیں۔ اور خداوند! جھگڑے کی فرصت ہی کسے ہے، یہاں فاقوں سے خلقت مر رہی ہے۔ ایک یہی پرورش کیا کم ہے۔ سرکار ان کی جانیں بچائے لیتی ہے، ایسا کیا اندھیر ہے۔

مرزا: شیخ صاحب پھر اب چلیے دیر ہوتی ہے۔ سرکار بھی خاصہ تناول فرما کر آرام فرمائیں گے۔ مجھے یاد پڑتا ہے، کل ایک شخص اپنا لڑکا مجھے دینے آیا تھا۔ میں نے کہا، اچھا تو ٹھہر جا، میں اپنی سرکار سے پوچھ لوں۔ وہ ابھی ہوگا اور اگر نہ بھی ہوگا تو ابھی حکم کے ساتھ بیسیوں لڑکے حاضر ہو سکتے ہیں۔

شیخ: (مرزا سے) چلو بھئی چلو

مرزا: تو حضور مرخص ہوتا ہوں

شیخ: میں بھی آداب عرض کرتا ہوں

صاحب خانہ: بسم اللہ، مگر بھئی ذرا دیکھ بھال کے۔ ہاں ایسا نہ ہو کہ پیچھے کو کوئی جھگڑا خدانخواستہ اٹھ کھڑا ہو۔

شیخ: اے حضور نہیں، اس کا اطمینان رہے

(یہ کہتے ہوئے دونوں ذات شریف باہر نکلے)

مرزا: (شیخ سے) کیوں؟ احسان تو نہ مانو گے۔ آج کیسے کافر کو چت کیا ہے، ارے یہ پڑھے جن پر عمل چل گیا۔ وہ تو کہیے اس وقت حضرت کا شیطان خدا جانے کہاں ہوا کھانے گیا تھا ورنہ بڑا جھنجھٹ پڑتا۔ اچھا لے، اب سیدھے ہمارے محلے چلو، اس کام کو طے ہی کر کے چھوڑ دو۔

شیخ: چلو ہم کو کیا، کھانا پینا تو ہے نہیں، رمضان کے تو دن ہیں

اب یہاں پر دو دو باتیں ناظرین اس لڑکی کی بابت سن لیں جو آگے چل کر قصے کی گویا جان ہوگی۔

یہ نیک بخت باہر کی رہنے والی، طبیعت دار، چہرے مہرے سے درست۔ کہیں کسی گنوار کے ساتھ شہر بھاگ آئی تھی۔ کچھ دن کے بعد وہ بھگانے والے صاحب ان کو چھوڑ کر کسی طرف کو راہی ہوئے، اب یہ آوارہ، پریشان ہو کر تیرے میرے ٹکڑوں پر بسر کرنے لگیں۔ مرزا تو ایک ہی پاک شہد، آٹھوں گانٹھ کمیت تھا۔ کہیں اس نے اپنے ہمسائے میں پڑ رہتے دیکھ بھال لیا ہوگا، غرض کہ وہیں پر پہنچے، اسے کہہ سن کر راضی کیا اور اپنے مکان پر لے آئے۔

اب رہا لڑکا، سو شیخ صاحب کے ہاں ایک لونڈی تھی، اس کا لونڈا خدا بخشا کوئی برس آٹھ ایک کا ہوگا۔ وہ تو گویا گھر کی پیداوار، خانہ ساز، اس پر سب قسم کا اختیار۔ دونوں کو اچھی طرح پڑھا لکھا یہ جوڑا لیے کوئی چار گھڑی دن رہے ڈیوڑھی پر آن پہنچے۔

سیوتی کو پکروا کے، کڑک کے بولے یہ پرورش کو لڑکے حاضر ہیں

آواز کا بیگم کے کان میں پہنچنا تھا کہ چونک ہی تو اٹھیں جب تک سیوتی جائے جائے، کئی مرتبہ بولیں اری دیکھ نامراد، نانصیب، کون پکارتا ہے۔

لیجیے، بی سیوتی دونوں کو دوڑیا کر اندر لے گئیں

اب چاروں طرف سے پیش خدمتیں، مغلانی، بچے، بیگم، سب ٹوٹ پڑے

بیگم: اے ہے لڑکی تو موئی نک سک سے ٹھیک ہے، ماشاءاللہ سے سیانی بھی ہے، ہوشیار بھی ہے

مغلانی: اس موئی کا نام کیا ہے؟

سیوتی: ہوگا کچھنا، ۔اب جو یہاں رکھا جائے، سند ہے

صاحب خانہ: بھئی ذرا ہٹو، ہم بھی تو دیکھیں، مرزا اور شیخ کیسی لونڈی لائے

(لونڈی نے سلام کیا)

صاحب خانہ: (لونڈی کو دیکھ کر) اجی یہ تو اچھی خاصی جوان چھوکری ہے

بیگم: ہاں اور کیا چلو پالنے پوسنے کی محنت بچی صورت میں بھولی بھالی ہے۔ اے ہے کسی بھلے آدمی کی معلوم ہوتی ہے

مغلانی: (لونڈی سے) کیوں لڑکی تیرا نام کیا ہے؟

لونڈی: (نیچے سر کر کے) جی مجھے تو اپنے گھر میں مٹھینا کر کے کہتے تھے، مل اب سب نجبیا نجبنیا کہتے ہیں

مغلانی: لو پھر کیا، کسی کا ایک نام ہوتا ہے، تمہارے ایک چھوڑ دو دو ہیں

(بیگم سے) بیگم صاحب بیگم صاحب! لیجیے جیسی چھوکری ہوشیار ملی، نام بھی اپنا رکھائے لائی ہے

بیگم: کیا؟

مغلانی: ایک نام مٹھینا ہے، دوسرا نجبنیا

بیگم: چلو اچھا تو ہے، نجبنیا کے نام سے پکارا کرو۔ ذرا اس سے اور حال تو پوچھو، کون ہے؟ کس کی ہے؟ کہاں کی رہنے والی ہے؟ قوم کون ہ؟

مغلانی: اری سن تو۔ تیرے ماں باپ ہیں؟ تو کہاں یہیں شہر میں رہتی ہے کہ باہر کی ہے؟

لونڈی: ہم جب چھوٹے سے تھے تو ایک مہریا (عورت) ہم کو ہمارے گھر سے بلا

لائی تھی اور ہم کو ھیاں (یہاں) ایک جنے کے پاس چھوڑ گئی۔ پھر وہ کہیں چلی گئی، ہم دن بھر بھیک مانگت تھے، ایک دن مرجا صاحب کے محلے میں آئے ہواں (وہاں) ایک ہیں وہ تارکسی کا کام کرتے ہیں، اپنے گھر لے گئے۔ ہم ان کے گھر کا کام کاج کر دیا کرتے تھے، ہم کو روٹی دیا کرتے تھے۔ پھر مہنگی جب سے پڑی ان کے ہیاں (یہاں) بھی دو دن روٹی نہ پکتی تھی، پھر ہم کو جواب دیا۔ ان کی بی بی نے کہا بھئی اب ہم سے نہیں ہوسکتا، ہم آپ کے محتاج ہو گئے ہیں۔ تب سے ہم دن بھر بھیک مانگ لاتے تھے اور انہیں کے ھیاں رات کو پڑ رہتے تھے۔ ہوئیں (وہیں) سے مرجا صاحب ہم کو لے آئے۔ کہا چلو ایک نباب صاحب ہیں، تم کو نوکر رکھا دیں

(ادھر مغلانی سے لونڈی اپنی رام کہانی کہہ رہی ہے ادھر بیگم صاحب خدا بخش کی طرف متوجہ ہیں)

بیگم: اے لڑکے تیرا کیا نام ہے؟

خدا بخش: کھدا بکس

بیگم: تیرے باپ کا کیا نام ہے؟

خدا بخش: ابا

بیگم: اور ماں کا؟

خدا بخش: اماں

بیگم: اور کوئی بھائی نہیں؟

خدا بخش: (سر ہلا کے) اوہوں (یعنی نہیں)

بیگم: پھر تیرے ماں باپ کہاں ہیں؟

خدا بخش: گھل (گھر) میں

بیگم: گھر کہاں ہے؟

خدا بخش: ہواں ہے (سامنے ہاتھ اٹھا کر)

بیگم: ہاہاہا! اس لڑکے کی کیسی پیاری پیاری باتیں ہیں؟

(بیگم جو کھل کھلا کر ہنسیں اور لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیرا تو لڑکا ذری حواس میں آیا۔ نئے مکان میں آنے اور چاروں طرف سے اجنبیوں میں گھر جانے سے پہلے سہما جاتا تھا، اب کسی قدر نڈر رہوا)

بیگم: اچھا تیری عمر کیا ہوگی؟

خدا بخش: ہماری اماں کو معلوم ہے

بیگم: ارے تجھ کو کچھ بھی معلوم ہے؟

خدا بخش: آئے کوئی ایک برچھ (برس) کی

بیگم: (بے اختیار ہنس کر) چل جھوٹے، تجھے معلوم آلوم نہیں

میاں: اجی اب جو پوچھنا پاچھنا ہے، پھر پوچھ لینا۔ ان کو سر دست کھانا تو کھلاؤ، بے چارے بھوکے ہوں گے۔

بیگم: دیکھ تو سیوتی، کچھ کھانا ان دونوں کو لا دے۔ پھر جب رات کو طیار ہوگا، پیٹ بھر کر کھلا دینا۔

صاحب خانہ: منے صاحب کہاں ہے؟ اے لو، جن کے واسطے یہ آئے ہیں، ان کو خبر ہی نہیں۔

مغلانی: جی حضور، باسو کے ساتھ کنکوا اڑا رہے ہوں گے۔

(اتنے میں منے صاحب بھی مانجھا لیے آ ہی گئے)

بیگم: لو منے صاحب، تمہاری خدمت کے لیے لڑکا آیا ہے۔

منے صاحب: یہ جو بیٹھا ہے، اوہو ہو ہو، اس کو کپڑے تو اچھے بنا دو۔

بیگم: لو کل لو، آج رات جس طرح بنے کٹ جانے دو۔ کوئی تمہارا پھٹا پرانا انگرکھا گھٹنا ہو تو تم ہی دے دینا۔

منے صاحب: ارے باسو، باسو، ہچکا کرلو، اب نہ لڑائیں گے، اب کل اور ارے نیچے تو آ، دیکھ ہمارے لیے ابا نے غلام منگایا ہے۔

مغلانی: لے بیٹی اس وقت تو تم اتنی روٹی کھا کے پانی پیو کھانا پک لے، پھر تم کو ملے گا۔ لڑکے! تو بھی ادھر آ

بیگم: دیکھنا ابھی صرف ہڈی چمڑا ہے۔ چار دن پیٹ بھر کے کھانا کھائیں گے، یہی آدمی کی صورت نکل آئیں گے۔

مغلانی: بیوی بڑی شکر کی بات ہے۔ دونوں مسلمان کے بچے نکلے، نہیں تو کوئی لودھا، کوئی پاسی، کوئی اہیر، یہی سب کو ملتے ہیں۔ ابھی تقیہ بیگم کے ہاں پانچ بچے آئے، سب نیچ قوم کے۔ بگن صاحب نے بڑی تگ دو سے ایک لڑکی چھپر بند کی منگائی تھی۔ وہ کہیے بیوی ہماری ہیں بھاگو، ان کو جو چیز ملتی ہے سجل ملتی ہے۔

بیگم: جی ہاں، سوا ایک مغلانی کے

مغلانی: ارے بیوی میری بھلی چلائی۔ میں تو سارے زمانے سے بدتر نکھتر ہوں۔ یہی خاوندی ہے جو مجھ نگوڑی کو سمیٹے ہو، پر اتنا بندی کو دم داعیہ ہے کہ دوسری کوئی عباسی خانم کے برابر نکل آئے تو جنم بھر کی لونڈی ہو جاؤں، بیوی مجھ سے اچھی ملیں گی، خدحضور کا روپیہ سلامت رکھے، مگر مجھ سے بری کوئی نہ ملے گی۔

(ڈیوڑھی سے آواز آئی، ماما جی اور بی سیوتی گئیں)

سیوتی: حضور مرزا صاحب حاضر ہیں اور کہتے ہیں، کچھ سرکار سے عرض کرنا ہے

(سرکار محل سے برآمد ہوئے)

مرزا: حضور آداب عرض کرتا ہوں۔

شیخ: تسلیم بجالاتا ہوں

صاحب خانہ: آہا! آپ لوگ موجود ہیں، مجھ سے اصلا کسی نے خبر نہیں کی، میں سمجھا چلے گئے ہوں گے۔

مرزا: جی حضور نہیں، بھلا نمک خوار در دولت پر حاضر ہوں اور بلا قدم بوسی چلے جائیں!

صاحب خانہ: لڑکے تو آپ اچھے لائے لونڈ بھی اچھی ہے، لڑکا بھی خوب ہے

شیخ: لڑکی تو ماشاء اللہ ہوشیار ہے، ایسی بھلا کہیں ملتی ہے

صاحب خانہ: یہ کون ہیں، کوئی والی وارث ان کے ہے؟

مرزا: جی دونوں کے، لڑکی کے ماں باپ دونوں زندہ ہیں، مگر لڑکی چوں کہ سمجھ دار ہوشیار ہے، اس لیے کہتی ہے کہ میں ان کے گھر میں رہا کرتی ہوں۔ بات یہ ہے وہ بے چارے کسی زمانے میں تھے آبرو دار، اب چند سال سے زمانہ ناموافق ہے۔ عسرت سے پہلے بھی بسر ہوتی تھی، اس مہنگی نے رہی سہی وہ بھی آبرو کھودی۔ آخر مرتا کیا نہ کرتا، لڑکی کو بھیک مانگنے کو چھوڑ دیا۔ میں ان کے پاس گیا اور سب حال بیان کیا۔ وہ تو دون کی ہانکتے تھے مگر خیر دس پر راضی ہو گئے، میری کمر میں شیخ عنایت علی کے پندرہ بندھے تھے، چٹ پٹ میں کارروائی مناسب سمجھا، دس آن کو دیے، دو روپیہ تھانے پر لکھوائی میں صرف ہوئے۔ اور لڑکے کی ماں تو شیخ صاحب کے ہاں سے روٹی پاتی ہے، سو داسلف لا دیتی ہے، وہ پانچ پر راضی ہے، کوئی سات اس میں بھی خرچ ہوں گے، دو روپیہ اس کی بھی لکھائی میں جائیں گے، روپیہ آٹھ انہ تھانے پر جمعدار کو حقہ پانی کے نام سے دیں گے۔ چلیے، بیس روپے میں اچھے خاصے دو لڑکے ملتے ہیں

صاحب خانہ: تو کیا اس وقت لوگے؟

شیخ: جی ہاں، اگر مل جاتے تو سب کارروائی کر دی جاتی لڑکے ہی کا جھگڑا باقی ہے

(اندر سے بیس روپیہ لا کر مرزا کو دیے)

صاحب خانہ: لو بھئی مرزا گن لو

مرزا: جی گنے ہوئے ہیں۔ تو آداب عرض کرتا ہوں۔

شیخ: غلام بھی مرخص ہوتا ہے

صاحب خانہ: خدا حافظ

(9 بجے شب کو میاں بیوی کھانا کھا رہے ہیں)

میاں: کیوں بی مغلانی صاحب! میں نے کہا ان بچوں کو بھی کھانا وانا کھلا دیا یا وہی شام کی دوسوکھی روٹیوں پر ٹالا؟

مغلانی: اے حضور دیا نہ جائے گ تو کیا یونہی، مل ہاں بات یہ ہے کہ ہم بلا حضور کے خاصہ نوش کیے مجال ہے دے سکتے ہیں؟ اور دوسری بات یہ بھی تو ہے جس طرح وہ خاص بندے ہیں اسی طرح خاص سرکاری اولش بھی ان کو ملنا چاہیے۔ تب تو جا کے کھلائی پلائی سوارت ہوگی، نامرداوں پو بوٹی چڑھے گی۔

بیوی: بس بی مغلانی، بات بڑھانا کوئی تم سے سیکھ جائے اور مجھے یہ عادت تمہاری زہر معلوم ہوتی ہے۔

مغلانی: حضور بے ادبانہ معاف جب تک زبان ہے میں کیوں نہ اپنے سرکار سے بات کروں

میاں: خیر اب یہ باتیں تو جانے دو، لے اب آدمیت سے سنو، اور بیگم تم بھی ذرا خیال رکھنا، اگر چہ ہم جانتے ہیں کہ جو باتیں ہم اس وقت سمجھائیں گے وہ تھوڑی بہت خود تم کو معلوم ہیں اور تم لوگ خود اس کا خیال رکھو گی، مگر تا ہم ہم کو انسانیت آدمیت سے اور شرعاً عارفاً اپنی طرف سے گوش گزار کر دینا ضرور ہے کیوں کہ ایک تو تم لوگ ناقص العقل دوسرے یہ بھی نہ صحیح

بیوی: صحیح کیوں نہیں؟ کتابی بات میں کیا کلام؟

میاں: دوسرے آخر انسان ہو، ممکن ہے کسی وقت غم میں، غصے میں کوئی بات خلاف حکم خدا اور رسول شاید سرزد ہو جائے تو ان باتوں کا کان میں پڑا رہنا اچھا ہے۔ یہ تو تم جانتی ہو، آج جو یہ دو بچے فاقے کے مارے ننگے، بھوکے، اکیلی ہڈی

چمڑی آئے ہیں، ان کو بھی خدا نے اسی ترکیب، اسی قطع، اسی انداز سے مخلوق کیا ہے جس طرح ہم سب لوگ ہیں۔ جو خدا نے آنکھ ناک ہم کو دیا ہے وہی ان کو، جس طرح ہم پیدا ہوئے اسی طرح یہ جو جان ہماری ہے وہی ان کی، اگر دراصل دیکھا جائے تو ہمارے ان کے کوئی فرق نہیں ہے۔

مغلانی: ایسے ایسے دس ہزار حضور پر سے منگل اتوار صدقے کروں

میاں: الغرض جس خدا کے ہم بندے ہیں اسی کے یہ۔ صرف فرق اتنا ہی کہ ہم امیر کے گھر ہوئے اور اب تک روٹی دال سے خوش ہیں، اور وہ بے چارے غریب کے گھر ہوئے جو اس گرانی اور قحط میں مر مٹے، لاوارث ہو گئے کہیں کھانے پانی کا ٹھکانا نہ رہا، فاقوں سے مرنے لگے، مصیبت و افلاس کشاں کشاں ہمارے ہاں اس مصیبت سے لایا۔ اب ان کی پرورش اور پرداخت عالم اسباب میں کسی قدر ہمارے ارادے اور اختیار میں ہوئی، اب ہر قسم کی آرام اور تکلیف کا ثواب عذاب ہماری گردن پر آیا۔

بیوی: لے اب یہاں تو نصیحت نامہ چھڑ گیا، کھانا زیادہ ہو ہاتھ دھوئیے

میاں: اچھا میں تو کھا چکا، زیادہ ہو نہ، ہاں تو سنیے، اب ہم کا لازم ہے کہ اپنی آرام آسائش، کھانے پینے سے پہلے ان سب باتوں کا لحاظ رکھیں اور اگر کسی طرح غفلت کریں گے تو عنداللہ و عندالرسول مجرم و خاطی قرار پائیں گے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جب ہم میں اور ان میں از روئے خلقت اور پیدائش کے کسی قسم کا کوئی فرق نہیں نہ ہم کو اس امر کا اختیار ہے کہ ہم ان لوگوں پر جو کسی نہ کسی طرح ہم سے ضعیف ہیں، نا چار ہیں محتاج ہیں، ایسی حکومت کریں جو ان کی اصلی آزادی پر اثر کرے۔ مردانگی اور اصلی نیکی کے یہ معنی ہیں کہ جو ہم سے ضعیف تر ہیں ان کی ہم دست گیری کریں، ان کو مدد دیں نہ کہ زبردستی سے ان سے اپنی خدمت لیں۔ اگرچہ نوکری میں بھی لوگوں کو اختلاف ہے مگر مجبوراً وہاں تک مضائقہ نہیں۔ اپنے کام اپنی خدمت کو

جن لوگوں کو مقرر کریں اس کا معاوضہ حسب قرارداد و رضائے فریقین ادا کریں۔ اس میں اس قدر تو آزادی ہے، جب نوکر کو منظور ہو گا ترک ملازمت کرے گا۔

بیوی: یا اللہ، آج حدیث کا سارا موختہ یہیں ختم ہو گا۔ لو گلوری لو، حقہ ستیاناس ہو رہا ہے، مفت میں سلفہ ہو رہا ہے۔

میاں: ذرا آپ بھی دم کھائیے

بیوی: جی ان باتوں کا یہاں کوئی ضامن نہیں

مغلانی: ہاں حضور

میاں: برخلاف لونڈی غلام کے ان کے ساتھ اگرچہ بے انتہا کی بدسلوکی مظالم ہم کریں، وہ بے چارے سب سہتے ہیں، بشرطیکہ کوئی نیک نکلا۔ اور اگر خدا نے کسر لینے کو کوئی شریدبد ذات سے معاملہ ڈالا تو وہ بھی پھر چھٹی کا دودھ یاد کرا دیتا ہے۔ وہ جانتا ہے مریں گے اور بھریں گے۔ لاؤ جہاں تک ہو سکے، خوب ستا ستا کے بخار نکالو۔

مغلانی: ہاں حضور یہ تو سچ ہے، لونڈی غلام رکھنے کو پتھر کا کلیجا چاہیے۔

میاں: نہیں نہیں، یہ حقیقت میں ایسے لوگوں کی سزا ہے۔ آخر کچھ تو اپنا کیا آگے آئے۔ ہم روز سنتے ہیں کہ آج فلانے آج اس غلام نے مالک کو چھری ماری، کل اسے سنکھیا دی پھر یہ کیا ہے، یہ سب کانٹے ان کے مالکوں کے بوئے ہوئے ہیں، جیسا کرتے ہیں ویسا پاتے ہیں۔ اور جو کہیں مالک ظالم، خون خوار، چنگیز خان کا رشتہ دار مل گیا، تو پھر روز ہی شب برات ہاتھ باندھے موجود آئے دن ذرا ذرا سی بات پر جوتی، لات، گھونسا حاضر اور گدھا، سور، باچی وغیرہ تو تکیہ کلام ہے۔ آج کیا ہے؟ صاحب لڈو ون کا چورا کھالیا تھا اس لیے الٹے ٹنگے ہیں، کل کیا ہے؟ سرکاری تیل سر میں ڈال لیا تھا، چابکیں پڑ رہی ہیں۔ کھانے پینے کی یہ تکلیف کہ آپ تو قلیہ، قورمہ، پلاؤ، زہر مار کرتے ہیں۔ ان کو وہی روکھی سوکھی۔ کپڑا ہم تو چکن، جامدانی،

تن زیب، گرنٹ، کشمیر، سرج ڈاتے پھرتے ہیں۔ ان کو وہی گزی گاڑھا نصیب۔ انہیں باتوں پر لحاظ کر کے ہماری سرکار انگلشیہ نے غلامی کو صفحہ دھر سے مظل حرف غلط چک کر دیا اور انسان کی بیع یک قلم موقوف کر دی۔ اب جو لوگوں کی لونڈی غلام نظر آتے ہیں، وہ یا تو اسی قسم کے ہوتے ہیں جیسے یہ دو ہمارے ہاں آئے ہیں۔ اب یہ جس طرح ہوگا ہمارے ہاں پرورش پائیں گے۔ رہیں گے۔ اگر ہم ظلم اور ستم بھی ان پر کریں گے یہ ہماری سب سہیں گے۔ کیا وجہ کہ اول تو ان کے دل میں ہمارے ہیبت اس قدر ہوگی، جانے کا نام صرف اس خوف سے زبان پر نہ لاسکیں گے۔ کہیں خفا نہ ہو جائیں کہ پھر اور بھی ظلم کا دریا بانسوں چڑھ جائے۔ دوسرے یہ بھی خیال ہے، جائیں کہاں؟ جہاں جائیں گے وہی نکیا رونوکری کہیں ہر وقت تو دھری رہتی نہیں کہ جو چاہے اس کو مل جائے۔ اور دوسری قسم کے وہ ہیں جو اکثر لوگ عرب، مصر وغیرہ سے خرید لاتے ہیں۔ یا اگر کسی ہندوستانی ریاست خصوص حیدر آباد میں ہوئے، وہاں خرید کیے۔

بیوی: کیوں؟ کیا وہاں سرکار کا اتنا اختیار نہیں جو وہاں غلامی کو موقوف کرا دے؟

میاں: ہے کیوں نہیں، مگر چھپے چوری کو کیا کیا جائے۔ خیر اس بحث کو اور وقت پر اٹھا رکھو۔ غرض کہ اگر غلام رکھے تو عرب والوں کی طرح کہ ان کا کھانا پینا، کپڑا لتا سب اپنے برابر سو وہ تو یہاں خیر صلاح ہے۔ مسلمان اس پر مرتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں روا ہے اے پھٹے سے منہ۔ غلامی کے جواز کے وقت سب روا ہے۔ ان کی خبر لینا، ان کی پرورش پر داخت کرنا، کچھ نہیں۔ میں سچ کہتا ہوں، جہاں مسلمانوں کی قوم کی بربادی، تباہی، فلاکت نکبت کے اور بہت سے وجود ہیں، ان میں سے بہت بڑا فوری باعث یہی کم بختی ہے، جس سے خدا اور رسول دونوں ناراض رہتے ہیں۔ ہاں تو غرض میری یہ ہے کہ کبھی جو دو بندگان خدا کی پرورش تم نے اپنے سر لی ہے تو ذرا ہر ایک بات کا لحاظ رکھتا۔ کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے ورنہ کام

خدمت تو گئی اپنے گھر، یہاں للہ فی اللہ مفت خدا کا گنہگار ہونے کی فرصت نہیں۔ اور افعال کیا کم ہیں جو یہ عذاب اپنے سر خریدیں۔ اور جس دن میں دیکھوں گا کوئی امر زیادتی اور لاپرواہی کا ایسا ہوا، ان بے چاروں کے دل پر صدمہ پہنچا، فوراً ان کو رخصت کر دوں گا

بیوی: یا اللہ، اب قالے اللہ، قالے رسول ہو چکا، کہیں جھگڑا ابھی چکے۔ بی مغلانی جاؤ صاحب ان کو کھانا دو، آج سب کی آنتیں تم کو کوستی ہوں گی

میاں؟ بی مغلانی، ذرا دیکھیے تو وہ دونوں جاگتے ہیں؟

مغلانی: اری سیوتی! سیوت! او سیوتی! اری موئی کیا ابھی سے مر گئی؟

سیوتی: آئی آئی، بی مغلانی صاحب آئی

مغلانی: ذری دیکھ تو وہ دونوں سو گئے؟

(سیوتی گئی، اور اس نے نجبنیا کو جاگتا اور خدا بخشا کو سوتا پایا)

سیوتی: جی لڑکی جاگتی ہے

میاں: اچھا اس کو یہاں بلاؤ، وہ ہوشیار بھی ہے

سیوتی: اری لڑکی! اے لڑکی! ذرا ادھر آنا۔ حضور نے یاد فرمایا ہے

میاں: (نجبنیا سے) یہاں بیٹھ جاؤ۔ سنو بی! تم ہوشیار رہو، ہوش و حواس کی ہو، کچھ بچہ نہیں ہو، اچھی طرح سن لو۔ بھئی تم ہماری لونڈی نہیں، تم روٹی کپڑے پر ہمارے یہاں ہو، جتنے دن تک تمہارا جی چاہے یہاں رہو، جب تکلیف ہو ہم کو خبر کر دو، ہم ہنسی خوشی تم کو رخصت کر دیں۔

نجبنیا: میں تو لونڈی ہوں، سوا آپ کے میرا کون ہے

بیوی: (بی مغلانی سے آنکھ مار کر) چلو ڈورا تو اچھا ڈالا

میاں: نہیں نہیں، یہ کوئی زبردستی نہیں

بیوی: اچھا صاحب! اب سب قول و قرار ہو چکا، اب رخصت ہوں لے جا لڑکی

کھانا وانا کھا۔ بی مغلانی اس کو جا کر کھانا دیجیے اور جو طوطوں کی کوٹھری ہے اس میں دونوں کو سونے کو کہہ دیجئے

(میاں سے) اور تو جو کچھ تم نے کہا سب ٹھیک کہا اگر چہ وہ بھی بے سود تھا، اس سے زیادہ مجھے معلوم ہے مگر خیر۔ لیکن اس لڑکی کو بلا کر (نہ) کہنا چاہیے تھا۔ یہ لوگ کمینے ذرا سی منہ لگانے پر خدا جانے کیا کیا سمجھنے لگتے ہیں۔ دیکھو اسی سیوتی کو، جب سے سکینہ کو کبھی گود میں لینے لگی ہے، اپنے تئیں خدا جانے کیا کچھ سمجھتی ہے۔

مغلانی: ہاں، ہاں، بلایا تو حضور نے ناحق کو

میاں: کیا خوب! صاحب ہم صاف آدمی، خدا کو جان دینی، ہم سے ضبط نہیں ہو سکتا۔

بیوی: بہت خاصے، وجہ تو معقول ہے۔

تیسرا باب

یہاں کا قصہ تو چھوڑ یہاں
سنو ایمانوں کی داستاں

میاں کی نصیحت تو ہو چکی، زبانی جمع خرچ بخوبی سن چکے، رہا اس پر عمل درآمد، سو وہ آگے چل کر معلوم ہو گا۔ سر دست تو میاں بیوی دونوں کو آرام کے وسطے چھوڑ دیں اور مرزا صاحب اور شیخ صاحب کی ذری خبر لیں، جو بیس روپیہ دم نقد آنٹی کر کے سر شام ہی سے غائب غلہ ہوئے۔

مرزا: کیوں شیخ صاحب! واللہ کیا تڑاق پڑاق معاملہ ہوا؟

شیخ: یاریں تو تیری پھرتی کا قائل ہوں

مرزا: ایک بات کی کسر رہ گئی ہے، سو وہ بھی خدا نے چاہا ابھی تھانے پر جا کے یوں چٹکی بجا کے طے کیے لیتا ہوں

شیخ: کیا تھانے پر لکھواؤ گے؟

مرزا: دیکھو تو سہی، کیا کارروائی کرتا ہوں (مسکرا کر) بندہ درگاہ ادھور کام نہیں کرتے۔ اپنی پیش بندی ضرور کر لیتا ہوں پھر چاہے ہو کچھ، مگر میں اپنی والی سے نہیں چوکتا

شیخ: اور اچھی بات ہے، مضائقہ کیا۔ لیکن بھئی ذری اس گلی ہو کر چلو (بائیں طرف ہاتھ سے بتا کر) یہاں آصف مرزا کی دکان سے ایک چار ٹکے کی افیون بھی لیتے چلیں۔

مرزا: اجی سیدھے چلو بھی سب سے مقدم تھانے جانا ہے، دوکان تو عین تھانے کے برابر ہے، وہیں لے لینا۔

شیخ: نہیں بھیا، ذری اس کے یہاں وارے سے ملتی ہے

مرزا: قربان آپ کے وارے کے افیون سب جگہ یکساں، یہ اس کی اس کی تخصیص

کیا؟

شیخ: بس یہی تو کہتے ہیں، عقل مند ہو کر آپ بچوں کی سی باتیں کرتے ہو، بھیا اس میں لم ہے

مرزا: اچھا صاحب چلیے، ہم کو منظور ہے، مگر یہ تو بتایئے، کیا آصف مرزا خفیہ فروش ہیں؟

شیخ: ہاں کچھ ہیں، اور نہیں بھی ہیں

مرزا: واہ وا، یہ تو ایک ہی کہی

شیخ: مجھ کیا، کچھ تو سرکاری خرید کرتے ہیں اور کچھ باہر سے چھپے چوری منگا لیتے ہیں۔ ابھی ان دنوں اسی علت سے یار لوگوں نے بے چارے کو مفت دھروایا تھا۔ بارے صدقے جایئے اس خدا کے، روبکاری پر سے چھوٹ آیا۔

(اتنے میں دکان بھی آ گئی)

آصف مرزا: بندگی عرض کرتا ہوں۔ آیئے شیخ صاحب، ایک کش حقہ پیے جایئے

شیخ: تمہارے ہاں تو آئے ہیں۔ لے بھئی مرزا اک چار ٹکے کی جھپاک افیون تو دے دینا

آصف: آپ تشریف تو رکھیں، حکم ہو تو چسکی تیار کروں؟ ہے حکم؟

شیخ: (ہاتھ سے اشارہ کر کے) نہیں نہیں بھیا، اس وقت نہیں، اور تاؤ ہے، میں بیٹھوں گا بھی نہیں

آصف: (اپنی چمچڑ، سرتاپا اچور آشنا سے جو کوٹھری میں نے سلگا رہی تھی) اجی بی گھر بسی! دیکھو تو شیخ صاحب بعد مدت تشریف لائے ہیں، اور تم سے ایسے خفا ہیں کہ دکان پر نہیں آتے، دور ہی سے علیک سلیک پھینکتے ہیں۔

آشنا: کہو خصم دل کے زخم! آج تو معلوم ہوتا ہے شیخانی سے لڑ کے آئے ہیں یہ لو پڑیا دیدو

(آصف مرزا نے پوڑیا دی اور حقہ بھی نذر کیا۔ اور شیخ صاحب بھی ایک ٹانگ سڑک پر، ایک دکان پر رکھ ڈیڑھ خم ہو کے حقہ پینے لگے کہ اتنے میں ایک کانسٹیبل بھی تو لد ہوا)

کانسٹبل: (بائیں ہاتھ سے) بندگی، میاں ہو

آصف: سلام جمعدار صاحب سلام، مجاز (مزاج) خوش ہیں؟

کانسٹبل: ہاں دیا کی نخیر رہے

آصف: مہراج چلم پیے جاؤنا

(کانسٹبل آیا اور مرزا نے ایک پیسہ ڈبل مٹھی میں دیا کر چلم کے ساتھ چپکے سے دے دیا)

کانسٹبل: بندگی (ایک زور سے دم لگا کے اور کھانس کر) کہو میاں کچھ دکان چلت ہے؟ کا کہی، مکھت ماں تم بچر و دھر دیے گئے رہو، مل کھیر چھوٹ آئیو، لے اب تنک ہاتھ پیر بچیئے رھیو، لے جات ہیں

آصف: بیٹھو، بیٹھو، مہراج بیٹھیے نا

کانسٹبل: ناہیں ہو، آج پہلی نوکری ہے، پہرا گت کر کے پہوڑی، آج ٹھنڈائی جرا جیادہ ہوئے گئی تو اس معلوم ہوت ہے کو وا کاس پر لیے جات ہے اور پاتال ماں پھینک دیت ہے

(کانسٹبل صاحب یہ کہتے ہوئے چلے)

مرزا: کیوں خضت! ہم نے ایک بات دیکھ لی، کیوں استاد ہم بھی کیا نظر باز ہیں؟

آصف: کیا کیا قبلہ، کیا؟

مرزا: وہی چلم دیتے وقت کی بات

آصف: (مسکرا کر آہستہ سے) اس کو اپنے ہی تک رکھیے گا۔ ان موذیوں کو ایک پیسہ روز دیتے ہیں، بقول شخصے دھن سگ نیکی ہے، بدی ہے تو بلا سے، کسی وقت

آڑے تو آئے گ ۔ ابھئی جمعدار حوالدار کو دینے کا منہ نہیں، ان کے پیٹ بڑے ۔

(مرزا کو ستے ہی سنتے ایک امر کا خیال آیا اور پٹ تڑا کر کانسٹبل کے پیچھے لپکا)

مرزا: (کانسٹبل سے) اجی، اجی مہراج! مہراج! ٹھہرو تو ایک بات سنو

کانسٹبل: کو آئے ہو، ارے کو وہم کا پکارت ہے؟

مرزا: ہاں، ہاں ذری ٹھہریے تو

کانسٹبل: کا کہت ہو؟

مرا: کیوں بھئی، تم اسی تھانے پر تعینات ہو؟

کانسٹبل: اور کا

مرزا: مہراج ایک کام ہے جو آپ مانیں، ار کوئی بری بات نہیں

کانسٹبل: اچھا کا ہے؟ کہو

مرزا: وہ جو آگے بڑھ کے نواب رہتے ہیں، ان کے ہاں کل صبح کو جا کے تم اتنا پوچھ آؤ کہ کے لڑکے پرورش کو لیے گئے ہیں؟

(سڑک کے کنارے اب کانسٹبل صاحب کھڑے ہو گئے، سمجھ گئے کچھ چکھوتیوں کے معاملے ہیں)

کانسٹبل: تو کا نباب صاحب کے یہاں لونڈی آئی ہے؟

مرزا: ہاں پھر جو کچھ سمجھو

کانسٹبل: تھانے پر اطلاہ (اطلاع) ہوئے گئی؟

مرزا: پہلے سب ماجرا تو سن لو

کانسٹبل: اچھا تو تم اپن مطبل کہو

مرزا: بس وہی ذری یہاں تک کل تکلیف کرو

کانسٹبل: ھونھ، ہم کا پٹی پڑھاوے چلے ہیں اور جو کہوں نپل کوڈ گیر کے کوؤ دیہہ کے جھپٹے مان آئے جاؤ۔ بھلا اس جابطہ ہے جس تم میاں ہم سے بیتات ہو کمپنی بہادر

کی عمل داری ماں بردہ پھروسی جانت ہو بڑا جرم ہے، بلا جہانت

مرزا: ارے بھئی یہ تو جانتے ہیں، مگر جب بردہ فروشی بھی ہو۔ ایک عورت اچھی خاصی جوان جہان بھوک کی ماری آئی ہے، روٹی کپڑے پر رہی ہے، مگر نواب صاحب کے مزاج کو تم جانو شکی، وہ اطمینان چاہتے ہیں۔

کانسٹبل: ہم سب جانت ہیں، توں ہم کا کاپڑی ہے جو جائی، سکارے (صبح) حوالدار صاحب سے بول دیت نباب کے ھیاں لونڈی باندھی کھریدی جات ہیں اور لکھاوے تھانے پر کوناھیں آوت، ای این دیا پھت کرلے ہیں۔

مرزا: ارے بھئی سنو تو۔ کیا اب ایسا اندھیرا ہے، حوالدار صاحب بے تحقیقات کیے کھا جائیں گے۔ اور میاں سچ پوچھو تو کوئی بات نہیں۔ ہم نے کہا، تمہارا محلّہ ہے، تم کو پان کھانے کو تھوڑا بہت نفع جو جاوے گا۔

کانسٹبل: میاں ہو (ہنس کر) محلّہ مہترانی کیرہوت ہے۔

(مرزا نے اتنا جو منہ پایا جھٹ ہاتھ پکڑ لیا)

مرزا: اجی مہراج یہ لو۔ تمباکو پینے کو چوانی لو، پھر کبھی دیکھا جاوے گا۔ اب تو ہمارے تمہارے رسم چلا ہے۔ لے اب ذری آئندہ سے مہربانی کی رسم رکھیے گا۔

(کانسٹیبل نے ڈھیلی ڈھالی پتلون ذری کولے سے نیچے کھسکا کر انٹ میں چونی رکھی)

کانسٹبلؒ اچھا لے اب تم جاؤ۔ نسا کھاطر رہو، سیر ے جس ہوئی دیکھ لیں جائی

مرز: (چلتے چلتے) مگر دیکھو بھئی کل بھولنا نہیں

کانسٹبل: (آگے بڑھ کر اور پیچھے پھر کر) اچھا تم کھاتر جمع رکھو (آہستہ آہستہ) سا سر لپھا پہیانا ہیں گے، کل کی کل کے ہاتھ، جس ان کیر نوکر آئیں

مرزا نے دور ہی سے شیخ صاحب کو آواز دی اور گھر کو چلے۔ اثنائے راہ میں کانسٹبل کی بات چیت کا ذکر رہا، پھر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

اب ہمارے ناظرین ذری آنکھ بن کر کے چھ مہینے زن سے گذر جانے دیں۔ نجبنیا چھل چھلا کر سڈول بنے، کام سے واقف ہو، بیوی کی مزاج دان بنے، چپی کرنا، پلنگ کی ڈوریاں کسنا، نہلانا، منھ دھلانا، سر میں تیل لگانا سیکھ جائے۔ اور خدا بخشا کو بھی منے صاحب کی اردلی میں رہتے رہتے، کنکوے، تاش حقے کی لت پڑ جائے۔ اس عرصے میں جو کچھ واقعات گذرے، ان میں سے صرف اس قدر قصے سے متعلق ہیں کہ ایک دن کھڑے کھڑے کانسٹبل پوچھ پاچھ کو آیا اور ایک روپیہ انعام کا لے گیا اور نجبنیا پر ایک دفعہ ذری سی اوڑھنی جلا دینے پر خوب پٹن پڑی۔ دوسری مرتبہ بی مغلانی کی کمر دابنے میں اس نے تامل کیا، ان نیک بخت نے اٹھ کر خوب ہی مرمت کی اور کوٹھری میں بند کر دیا، دن بھر کھانا نہیں ملا۔ تیسری بات منے صاحب نے کنکوا جوڑنے کو لئی پکوائی تھی، اس میں دیر ہو گئی، اس پر بیگم صاحب نے اتنا مارا کہ سیر بھر ہلدی تھوپی گئی۔

چوتھا باب

صاحب خانہ: مرزا کہو، کدھر سے آتے ہو؟ کوئی تازہ خبر؟

مرزا: جی حضور کچھ بھی نہیں، وہ تو حضور نے سنا ہی ہوگا، حسو جان کی بی نائکہ پر جو آفت آئی۔

صاحب خانہ: کیا ہوا؟ واللہ ہم کو نہیں معلوم، کیا کوئی اور نوچی چل دیں؟

مرزا: جی نہیں، وہ بے چاری ایک معاملے میں پھنس گئی

صاحب خانہ: اس سن مے اور پھنسنا؟ اجی کسی کو پھانسا ہوگا

مرزا: کیا عرض کروں۔ زمانہ ایسا بے ڈھب لگا ہے، اگر ایک لمحہ عزت آبرو سے کٹ جائے تو انسان کے تئیں سجدہ شکر بجالانا چاہیے۔ آج کل آبرو دار کی موت ہے ملاحظہ فرمایئے آس نے دو لڑکیاں لی تھیں، ماں راجی، باپ راضی

صاحب خانہ: اقرار ہو گیا تھا

مرزا: قول و قرار کیسا، لکھا پڑھی ہو گئی تھی

اب سنیے کہ بے چاری پکڑ لی گئی۔ صاحب کہتے ہیں تم نے کیوں مول لیا۔ اس بے چاری کی جان عذاب میں ہے، کرتے دھرتے نہیں بنتا، ارے شہر میں ہل چل ہے۔ اگر یہی رنگ ہے تو کوئی کاہے کو اب پرورش کو لڑکیاں لے گا۔

صاحب خانہ: بھئی مرزا ہمارے یہاں بھی تو دو ہیں۔ دوست دشمن کو کس نے دیکھا، کہیں کوئی حلال زادہ، حرام زادہ، آگ نہ لگاوے، بھئی اس کی تدبیر ضرور چاہیے۔

مرزا: اے حضور خدا خدا کیجئے، سارا شہر لاکھوں بچے لیے بیٹھا ہے، ایسی بات ہو سکتی ہے؟

صاحب خانہ: نہیں صاحب، تم نے تو لکھایا پڑھایا بھی نہیں، لے اس پر جب یہ آفت آئی، کوئی اقرار نامہ تمسک کام نہ آیا تو یہاں کا زبانی جمع خرچ کیا ہوگا؟

مرزا: واہ، واہ، حضور کی باتیں بھی واللہ لکھ لینے کے لائق ہیں۔ اور چلو اچھا ہے، مرگ انبوہ جشنے دارد، اے خداوند! یہ بھلا کوئی عقل کی بات ہے، خدا دیکھا نہیں عقل سے پہچانا

صاحب خانہ: نہیں بھئی مجھے وحشت ہو چلی۔ ارے کوئی ہے، چوکی پر پانی رکھو۔ مرزا صاحب آپ جائیے گا نہیں، میں ابھی آیا۔

مرزا: نہیں حضور مجھے کام ہے۔ ایک تھوڑی دیر میں حاضر ہوتا ہوں

صاحب خانہ: اچھا تو بھئی ذری اس کو تحقیق تو کرو، کس قدر سچ، ہے مجھے افواہی بازاری گپ معلوم ہوتی ہے

مرزا: آداب عرض کرتا ہوں

(نواب صاحب چوکی سے آکر) اجی جی بی مغلانی! تمہاری بیگم کہاں ہیں؟

مغلانی: شاید پنڈا دھونے گئی ہوں

صاحب خانہ: لاحول ولا ارے صاحب یہاں آیئے، ایک بات کہنا ہے

نجبنیا: حضور، بیگم صاحبہ کہتی ہیں، ذری دیر میں آئی۔

صاحب خانہ: اجی آن سے کہو جلدی آئیں بھی اور میں کہتا ہوں یہ وقت کون نہانے کا ہے؟ ابھی اس دن تو سر دھو چکی ہیں۔ اسی مارے تو ہوا زدگی ہو جاتی ہے، پھر پندرہ بیس دن تک پڑی سینکا کرتی ہیں

(باہر آکر)

ارے کوئی ہے؟

مدو: حاضر

صاحب خانہ: ارے کیا مرزا چلے گئے؟

مدو: جی حضور

صاحب خانہ: اچھا ذری منشی ماتا پرشاد صاحب کو تو بلا لینا

(پھر اندر جا کر)

کیوں صاحب! ابھی تک حمام نہیں ہو چکا؟ ارے صاحب کھڑے کھڑے ایک بات سن جایئے

بیگم: (نہانے سے) یا اللہ، ایسی کیا جلدی ہے، خیر تو ہے؟

صاحب خانہ: خیریت ہے، مگر ایک بات کہنا تھی

مدو: ماما جی! سرکار کو خبر دیجئے، منشی صاحب تشریف لائے ہیں

(باہر آ کر)

منشی صاحب: آداب بجالاتا ہوں

صاحب خانہ: کورنش، معاف فرمایئے گا، مگر ایک ضروری کام تھا، مجبوری تھی

منشی: فرمایئے، خیر تو ہے؟

صاحب خانہ: ہاں آپ کی دعا سے سب خیریت ہے۔ مگر آج میں نے سنا ہے حسو کی نائکہ گرفتار ہو گئی

منشی: ہاں، سنا تو میں نے بھی ہے، کیوں آپ کو انتشار کیوں ہے؟

صاحب خانہ: کچھ نہیں، میں نے کہا، اس کی تصدیق کر لینا چاہیے

ذری اندر ہو آؤں، ابھی حاضر ہوا

منشی: اے بسم اللہ، میرا تو گھر ہے، میں بیٹھا ہوں

(اندر آ کے)

صاحب خانہ: بیگم آئیں؟ اجی نکلو بھی، کب تک بیٹھی رہو گی، بی مغلانی گلوری تو دینا

(باہر آ کے)

صاحب خانہ: منشی صاحب میں تو جانتا ہوں، اس خبر میں بنوٹ بھی ہے، کوئی اور بات بھی ضرور ہو گی، لڑکی خریدنے پر یہ نہ پکڑی گئی ہو گی

منشی: نہیں جناب میں نے جو سنا ہے، وہ تو یہی سنا ہے باقی بالتصریح کیفیت تو میں اس وقت نہیں عرض کر سکتا الا حال بعد از دریافت مفصل خبر کر دے گا۔ اور یہ تو خبر بہت مشہور ہے شہر کے اخباروں میں بھی چھپ گئی ہے

صاحب خانہ: (بدحواس ہو کر) ہاں؟ ہیں؟ واللہ سچ کہو، بھئی تم نے کہاں دیکھا؟

منشی: میرے ایک دوست ہیں۔ ان کے یہاں سے 11 جون کا اودھ پنچ لے آیا تھا، اس میں بھی یہی خبر لکھی تھی

صاحب خانہ؟ وہ اس وقت مل سکتا ہے؟ آپ کے دولت خانے پر ہے؟

منشی: جی ہاں، وہاں میرا چھوٹا بھائی ہے، آدمی جائے اور اودھ پنچ مانگے وہ دے دے گا

صاحب خانہ: ارے مدو جا تو سہی

(مدو گیا، اور 11 جون کا اودھ پنچ مانگ لایا)

صاحب خانہ: وہ خبر نکالیے تو

منشی: لیجئے یہ کیا، لوکل خبروں میں ہے

صاحب خانہ: ذری آواز سے پڑھیے

منشی: سرخی لکھتا ہے

ہات تیری کی تھی

جن جن رنڈیوں نے اس قحط سالی میں لڑکیاں لے کر نوچیاں بنائی تھیں۔ ناچ، گانے، عشوے، کرشمے، نخرے، چونگے کی تعلیم دیتی تھے۔ اب تو ان کے پیٹ میں چوہے پڑ گئے۔ حواس جاتے رہے، وجہ کیا؟ کئی دن ہوئے حسو جان کی نائکہ گرفتار ہو گئیں۔ ان نیک بخت نے دو دو لڑکیاں لی تھیں، دیکھیے اب انجام کیا ہوتا ہے؟ ہم نے اسی زمانے میں ڈنکے کی چوٹ کہہ دیا تھا کہ خیرات خانے سے جو لوگ لڑکیاں مانگ لے جاتے ہیں، ان کی نگرانی چاہیے۔ آج کل رنڈیوں نے زر و زیور کی

فرمائش چھوڑ اپنے آشناؤں سے لونڈیوں کا چونگا اختیار کیا ہے۔ اور ہمارے معزز ہم عصر رہبر ہند نے بھی اس پر اپنا افسوس ظاہر کیا تھا چناں چہ دیکھے آخر وہی ہوا، ہماری بات سچی نکلی۔ ارے بھئی تم جانو، ہم علم غیب بھی تو جانتے ہیں، اور علم غیب پر کیا، کون علم نہیں جانتے۔ صرف اتنی بات ہے کہ مانو تو دیوتا نہیں تو پتھر

صاحب خانہ: ہاہاہا! بھئی کیا دل لگی کا پرچہ ہے، تو کیوں صاحب؟ پھر اب کیا ہوگا ؟

منشی: ابھی کوئی حکم نہیں ہوا، روبکاری جب ہوگی، میں مفصل اطلاع دوں گا۔ میں اس وقت آداب عرض کرتا ہوں، کچہری جانا ہے۔

صاحب خانہ: بہت خوب، بندگی

(اندر آ کے)

صاحب خانہ: بیگم! بیگم! ذری ادھر آؤ

بیگم: ذری بال خشک کرلوں

صاحب خانہ: اچھا سنو تو سہی

بیگم: یا اللہ، یہیں سے کہو نا

صاحب خانہ: نہیں، یہاں کہنے کی بات نہیں

بیگم: یہاں کوئی ہے تھوڑی

صاحب خانہ: (داہنے بائیں دیکھ کر) بڑا غضب ہوگیا، کچھ تم نے سنا؟

بیگم: کہو کیا ہے، خیر تو ہے؟ میں نے کچھ نہیں سنا

صاحب خانہ: حسو کی نائکہ آج گرفتار ہوگئی۔ اس نے پالنے کے واسطے دو لڑکیاں لی تھیں، اب دیکھیے کیا سزا تجویز ہوتی ہے۔ میں اسی دن کو منع کرتا تھا، تم نے میری ایک نہ مانی، اب بتاؤ کیا فکر کروں؟

بیگم: سچ ہے؟

صاحب خانہ: کیا خوب، سارا شہر جانتا ہے، اخباروں میں خبر چھپ گئی ہے۔

بیگم: لے اب میں کے بتاؤں، مجھ سے جو کہو کروں، ان کو چھپا دوں؟

صاحب خانہ: لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم! بھئی عورتوں کی بات چیت جب مانی، ایسے ہی مخمصے میں پھنسے۔ اور دیکھو ہم اسی دن کے لیے مانع ہوتے تھے، نہ مانا پر نہ مانا اپنی ہی ہٹ کر کے چھوڑی۔ اور اس مردود مرزا نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ اب سب الگ ہو گئے، عذاب مجھ کم بخت کی جان پر پڑا۔ بھئی تم لوگوں نے تو میری جان عذاب میں کر دی ہے۔

بیگم: بس بس، اس میں کسی کا قصور نہیں۔ بھلا سنو تو سہی، میری زبان سے ایک دفعہ ذری کہیں کچھ نکلا تھا، تم نے ٹنگڑی لی، میں دم کھا کے رہ گئی۔ دوسری دن خود ہی آئے، خود ہی کہا۔ میں انکار کیے جاتی تھی، نہیں بھئی نہیں، مجھے نہیں درکار، میں در گذری۔ میاں تم ہی نے تو لا زبردستی موجود کیں۔

صاحب خانہ: اے سبحان اللہ! کیا الٹا دھڑا باندھا ہے، سب تہمت، افترا، دروغ، جھوٹ برب کعبہ میری ہرگز نیت نہ تھی۔ بی مغلانی بولتی نہیں ہو، تم ہی ایمان سے کہہ دو۔

مغلانی: حضور کا فرمانا بجا ہے اور بیگم صاحب کا بھی

صاحب کانہ: نہیں نہیں یہ دو فصلی بات اچھی نہیں، دوٹوک کہو

بیگم: اجی اس میں مغلانی کا کیا درمیان، مجھ سے کہو نا جو کہنا ہو۔

مغلانی: لوگو، آخر یہ بات کیا ہے جو گڑے مردے اکھڑنے لگے۔ موئی سال بھر کی بات ہونے آئی، اب اس کی بحث ہی کیا۔ چلو کسی نے کہا، اب اس حجت سے حاصل؟

صاحب خانہ: نہیں صاحب، آج تو عجیب خبر سننے میں آئی، واللہ جب سے سنا ہے حواس بر جا نہیں (بیگم سے آہستہ سے) کہو، مغلانی سے کہوں؟

بیگم: اے چلو ہٹو، مجھے تمہاری یہی باتیں تو اچھی نہیں معلوم ہوتی ہیں کہو نا منع کون کرتا ہے۔ مغلانی ارسطو کی مٹی ہے نا، کہیں چوہے کا بل ڈھونڈ دیں گی کہ لونڈی غلام دونوں کو اس میں چھپا رکھیں،

صاحب خانہ: کیوں طبیعت کے تئیں اور رنج دلواتی ہو۔ اپنی خطا پر نادم نہیں ہوتی ہو، الٹے طعنے مہنے (معنے) کرتی ہو

بیگم: واہ واہ، اچھی کہو۔ کوئی زبردستی اپنے اوپر الزام لے لے۔ بھئی مجھے کپڑے بھی پہننے دو گے، ہٹو بھی

(نواب صاحب چیتھڑوں سے بیزار، چیں برجبیں ہو کر باہر تشریف لے گئے اور چیخ کر کوئی ہے؟ کوئی ہے؟ کوئی ہے؟ جب تک مدد حاضر بولے دس پانچ دفعہ اور کوئی ہے)

مدر: حاضر، حاضر

صاحب خانہ: نمک حرامو، کام چورو! سب کو یک بارگی موت آجاتی ہے۔ روٹیاں لگی ہیں، مردود! سب کے سب گونگے بہرے ہو گئے، کسی کے منہ سے آواز نہیں نکلتی۔ دور ہو میرے سامنے سے کم بخت، نالائق، ناہنجار، مادر بہ خطا۔ گلوریاں منگوا

(اتنے میں شیخ صاحب آپہنچے)

شیخ: تسلیم عرض ہے

صاحب خانہ: (سست آواز سے) سلام علیک

شیخ: خیر تو ہے؟ یہ اس وقت چہرہ اترا ہوا کیسا ہے؟

صاحب خانہ: حضت کیا کہوں، جان آفت میں ہے۔ واللہ خانہ مروت خراب۔ یہ سب آپ لوگوں کی خرابیاں ڈالی ہوئی ہیں۔

شیخ: بجا ہے پیر و مرشد، کچھ معلوم تو ہو

صاحب خانہ: معلوم کر کے کیا کر لیجیے گا، بی حسو کی نائکہ گرفتار ہو گئیں۔

شیخ: اے حضور تو میری اس میں کیا خطا۔ جو جیسا کرے گا، ویسا پائے گا

صاحب خانہ: جی نہیں۔ یہ بھی معلوم ہے کس بات پر؟

شیخ: لڑکی کسی سے خرید کی تھی، اس کی جواب دہی ہے، اتنا تو میں بھی جانتا ہوں۔

صاحب خانہ: جی تو؟ پھر آپ بھی تو دو لائے ہیں؟

شیخ: سارا لکھنو بھی تو لایا ہے۔

صاحب خانہ: سنا شیخ صاحب؟ میرا مزاج خفقانی ٹھہرا۔ اول تو میں اس عارضے ہی سے پناہ مانگتا تھا، اس پر تم لوگوں نے اصرار کیا، مجھے مانتے ہی بنا۔ واللہ میں خدا کی خدائی میں کہہ دوں گا، تم لوگوں نے فریب کیا۔ مرزا تو غیر آدمی ہیں مگر شیخ صاحب مجھے یہ امید نہ تھی آپ سے

شیخ: یوں تو غلام بال بال خطاوار ہے، مگر یہ کوئی بات پریشانی کی ہے نہیں۔ ویسے جو حضور کا ارشاد ہو بجا ہے

(اتنے میں منے صاحب نے خدا بخشا کی مرمت شروع کی۔ وجہ یہ کہ اس نے مانجھے کا تکلا زمین پر پھینک دیا تھا)

صاحب خانہ: کیوں منے صاحب! یہ کیا ہے؟ ہائیں ہائیں، نہیں مانتے، بھلا، بھلا منے صاحب!

(بھلا منے صاحب کے ہاتھ منجے ہوئے، کب باز آتے ہیں۔ اور یہ جانتے نہ تھے آج نواب صاحب اور بیگم صاحبہ سے چیخ پھر چلی ہے۔ نواب صاحب نے اٹھ کر منے صاحب کو دو تین چانٹے رسید کیے۔ نالائق، مردود، ناشدنی، ننگ خاندان عاق کرنے کے لائق ہے دھپ، چٹاخ، تڑپڑ

منے صاحب: اوں، اوں، اوں! ہمارا تکلا پھینک دیا تھا، کنکوا چورا لے گیا اوں، اوں، کنکوا کٹوا دیا، اوں اوں، اوں

صاحب خانہ: مردود تیری یہی سزا ہے، تیری جان ہے اور کسی کے نہیں؟ وہ بندہ

خدا نہیں؟ ادھر آ بے خدا بخشا۔ جس دن تجھے یہ مارے ہم کو خبر کر، ہم ضرور سزا دیں گے

خدا بخشا: (جو نیچی گردن کیے انگلیوں سے تکلا بنا رہا تھا، دبی زبان سے) اچھا

(نواب صاحب شیخ سے تھوڑی دیر بد دماغی کر کے بے کھانا کھائے سو رہے۔ ادھر بیگم صاحب نے بھی نہ خاصہ کھایا نہ سر میں تیل ڈالا، اسی طرح نہار منہ لیٹ رہیں۔

(بی مغلانی کے تخت کے پاس سیوتی اور نجبنیا بیٹھی ہیں)

سیوتی: کیوں بی مغلانی! آج بیگم صاحب خاصہ نہ نوش فرماویں گی

مغلانی: ہاں کھائیں گی اس کا کلیجہ، (نجبنیا کی طرف اشارہ کر کے)

نجبنیا: واہ واہ بی مغلانی، میں نے کیا کیا؟

مغلانی: مردار! تیرے ہی کارن

سیوتی: ہاں کچھ سن گن تو میں نے بھی پائی ہے۔ میری مغلانی کچھ کہو تو

مغلانی: بات کیا؟ میاں کا مجاز تو جانتی ہے، کیسا خدا کا سنوارا ہے۔ ذرا سی بات ہو جایا چاہے، پھر اس پر وہ وہ حاشیے۔ پھندنے کہ باید و شاید بھئی میری تو اتی عمر آئی، جا پناہ کی بھی آنکھیں دیکھیں، محلات میں بھی رہی، حماشا کی نوکری کی، مل ایسا مزاج کسی کا نہ دیکھا، آئے دن ایک نہ ایک اشغلہ کوئی گرفتار ہوا، سرکار کے پیٹ میں ہول سمائی ہوئی ہے۔ چھینک ہوئی اور نواب صاحب بوکھلائے پھرتے ہیں۔

سیوتی: آخر یہ بات کیا جو آج سرکار بی بی کو بول رہے تھے؟ (خفا ہو رہے تھے)

مغلانی: بات کیا، کہیں اڑتی اڑتی خبر سن آئے ہیں۔ کوئی رنڈی لونڈی خریدنے پر جواب دہی میں گرفتار ہے، اب میاں کے پیٹ میں سانس نہیں سماتی۔ بیگم سے جدا ناراض ہیں بے چارے منے کو جس کو کبھی گرم آنکھ نہ دیکھا تھا، آج موئے خدا بخشا کے کارن خدا واسطے دو تین چٹخنے ایسے مارے کہ پانچوں انگلیاں بن گئیں۔ کہتے ہیں تمہیں نے لونڈی منگوائی۔ اب مغلانی بندی کی جان کو بھی وہی مصیبت پڑے گی۔

خدا نہ کرے جو اس موئی رنڈی پر پڑی ہے۔

نجبنیا: مغلانی بی بی! تو ہم کچھ بکے نہیں۔ میاں نے کہا تم روٹی کپڑے پر ہو۔ اور بی بی ہمیں گھر میں رہنا ہے کہ باہر جانا، ہم کن سے کہنے جائیں گے۔

مغلانی: چل چل، اپنی قابلیت لڑکی اپنے تک رکھ، وہی مثل منہ لگائی ڈومنی گائے تال بے تال یہی باتیں تو سرکار کی مجھے زہر لگتی ہیں۔ لو صاحب لڑکی تو ابھی سلامتی سے لگی حرام حدیث، قانون، آئین نپل کود چھاٹنے

(بیوی کے پیٹ میں تو بھوک کے مارے گھوڑ دوڑ لگی تھی، دوسرے بی مغلانی جو کڑا کر کڑا کر لونڈی پر برسیں تو آنکھ کھل ہی گئی)

بیگم: اونکھ اونھ (انگڑائی لے کے) کیا ہے۔ یہ آج کیا سر پر کونسل لگائی ہے

مغلانی: (آہستہ سے) کچھ نہیں، حضور سیوتی سے باتیں کرتی تھی اور سنا بیغم صاحب! میاں کی لونڈی کی باتیں سنتی ہیں آپ؟

بیگم: کیا:؟ کیا؟ مجھے سنائی نہیں دیتا، خلاصہ کہو

مغلانی: لونڈی نے مسئلہ نکالا ہے (ذرا کھینچ کر)

بیگم: کس بات کا؟

مغلانی: کہتی ہے کچھ زر خرید ہوں، جس وقت جی چاہے گا اٹھ کھڑی ہوں گی، چلتی پھرتی نظر آؤں گی۔

بیگم: ہاں صاحب! سلامتی سے اب یہ حوصلے ہوئے، خدا کی قدرت پال پال میرے جی کا کال

مغلانی: اب اس بات کو سمجھ جایئے۔ آخر اس کے منہ نکلا ہے اسی مارے کہتے نہیں، گھر میں ذرا سمجھ بوجھ کے بات کرنی چاہیے

بیگم: میں خوب سمجھتی ہوں۔ یہ ان کی سمجھ جو چاہے سو کرے، ان کا دستور ہے، غصے کے وقت آنکھ بند کر لیتے ہیں، منہ کھول دیتے ہیں۔

مغلانی: نہیں اس کی ابھی سے تگ دو (تدبیر) چاہیے

نجبنیا: بی مگلانی! میرا منہ تھکے جو میں نے کچھ کہا ہو۔ میری جبان میں سانپ ڈسے جو یہ نکلا ہو۔ ابھی کا ابھی تم نے طوفان لگا لیا۔ ابھی تو بہن سیوتی بھی بیٹھی ہیں۔

مغلانی: بس چھوکری بس اور سانپ کی ایسی کیا کھاٹ کٹی جو تیری زبان ڈسنے آئے گا۔ میرا کیا بوڑھا چونڈا منڈوائے گی؟ میں تیرے منہ لگتی نہیں، میں نے اپنی بیوی سے بات کہی تھی

سیوتی نے جو یہ رنگ دیکھا تو وہ چلتی ہوئی اور باورچی خانے میں آ بیٹھی۔ اس کے بعد نجبنیا بھی وہیں اٹھ آئی۔

نجبنیا: باجی دیکھا؟ مگلانی نے ابھی کیسی بات بنائی۔ کھڑی گائے میں کیڑے ڈالتی ہیں

سیوتی: ابھی دیکھو تو اس گھر کے کارخانے جہاں سوئی نہ جائے وہاں لٹھا کریں

نجبنیا: بہن نیکی اترے ایسی مگلانی پر لٹھا رکھیں اپنے ہوتے سوتوں کے واسطے

مغلانی: بھلا، بھلا میں سب سنتی ہوں تو مجھے کوسے کاٹے جا اے بیغم صاحب! میں کہتی ہوں آج تو اس نے سارا گھر سر پر اٹھایا ہے۔ سب کو ایک سرے سے پاجامے میں ڈال کر پہن لیا ہے۔ منہ در منہ کوسنے دیتی چلی جاتی ہے۔

بیگم: کیوں ری مردار! تو نہ مانے گی، آؤں؟ (یہ کہہ کر جو بید مارنا شروع کیے تو اللہ دے اور بندہ لے)

نجبنیا: ارے نہیں بی بی نہیں، میں مرگئی، میں مرگئی آوں، آوں اب نہ ہوگی، ارے بی بی توبہ ہے توبہ ہائے رے، ہائے رے

بیگم: حرام زادی، قطامہ! لو صاحب چل نکلیں۔ بلا اپنے حمایتی کو دیکھوں تو کون آتا ہے۔ مال زادی آپے ہی میں نہیں۔

مغلانی: نہیں بیگم صاحب اب جانے دیجئے۔ موئی مر جائے گی

(بیوی ایک تو یوں ہی اس سے جلی ہوئی، دوسرے بھوک کی جانجھ۔ ایک تو کریلا کڑوا، دوسرے نیم چڑھا، خوب ہی بے چاریہ پر کندی ہوئی، اس کے بعد لکڑیوں والی کوٹھری میں بند کر دیا)

بیگم: خبردار! کوئی اس مردار کو نہ کھولے

مغلانی: نہیں بس، اب سزا ہو گئی، جانے دیجئے یہ نگوڑی کوسنے دے گی

بیگم: نہیں صاحب، بچھڑا تو کھونٹے کے بل کودتا ہے۔ اس کے دماغ میں ہوا بری بھر گئی ہے۔

پانچواں باب

حفظ ما تقدم

صاحب خانہ: (بیدار ہو کے) ارے کوئی ہے؟ ادھر آؤ

مدو: حاضر

صاحب خانہ: شیخ صاحب چلے گئے؟

مدو: جی حضور کب کے

صاحب خان: اچھا مرزا کو بلا لا اور دیکھ اگر مرزا گھر پر نہ ہوں تو کہے آنا، جس وقت آئیں فوراً بھیج دیں، ایک ضروری کام ہے

مدو: بہت بجا

(اندر تشریف لے گئے)

صاحب خانہ: (بیوی سے) کیوں بیگم! اب بتاؤ، کیا تدبیر کریں۔

بیگم: اب تدبیر میں کیا بتاؤں، تم مرد ذات ہو کے مجھ سے پوچھتے ہو مجھ سے جو کہو وہ کروں

مغلانی: یا اللہ یہ بات کیا ہے؟ یہ آج حضور کو کیا وہم سا گیا ہے؟ کچھ ہمارے یہاں نئی بات ہے، ساری دنیا پرورش کرتی ہے۔ اور اول تو یہ ہے کہ کسی کو گھر کے اندر کا حال معلوم ہی کیا؟ لوگوں پر ڈگریاں جاری ہوتی ہیں اور برسوں محل میں رہتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ یہ لوگ گناہ گار، نہ خطاوار، ایسا کیا شہر شملہ ہے

صاحب خانہ: ارے صاحب تم نہیں جانتی ہو، میں بہت دور رہوں۔ وہ اور بات ہے، یہ فوج داری کا معاملہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے، خدا ہر ایک عزت و آبرو والے کو بچائے آج کل کے زمانے میں

بیگم: اچھا ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔ چاہو وہ کر دیکھو

صاحب خانہ: اچھا، کہو کہو کیا ہے؟ صلاح تو دیوار سے بھی لیتے ہیں

بیگم: جب تک ہلڑ ہے، آؤ تب تک ان کو کسی کے ہاں رکھ دیں۔ بعد دو ایک مہینے کے سب رفت گزشت ہو جائے گا تب بلا لیں۔

صاحب خانہ: صلاح تو واللہ معقول ہے مگر میرا کوئی دوست نہیں جس پر مجھے اس قدر اعتبار ہو۔ تم ہی کوئی جگہ تلاش کرو۔

بیگم: اس میں تلاش کیا کرنا۔ کوئی بڑا گھر تو درکار نہیں اور نہ مناسب ہے۔ ایسی جگہوں میں باپ چھپی نہیں۔ یہی کسی نوکر چاکر کے یہاں رکھا دو۔ جو کچھ کھانے پینے میں خرچ ہوگا، دے دیا جاوے گا۔ اس میں یہ بھی ہے، مارے خوف کے وہ بات ظاہر کبھی نہ ہونے دے گا۔

صاحب خانہ: بہت انسب، ہم کو بہ دل منظور، آج ہی شام کو بسم اللہ کیجیے اس عذاب کو میرے گھر سے نکالیے

(اتنے میں مرزا صاحب کے آنے کی خبر ہوئی)

صاحب خانہ: اچھا تو میں باہر جاتا ہوں، تم اس کی فکر کرو اور تجویز کرو کون شخص اس لائق ہے؟ اگر صلاح ہو تو کہو مرزا سے بھی اس کا تذکرہ کروں۔ شاید وہ بھی کوئی تدبیر معقول سوچیں۔

مغلانی: ہاں حرج کیا ہے، اپنے آپ باہر بھی مشورہ کر لیں۔ مردوں کی اور بات ہے، ان کی چار آنکھیں ہوتی ہیں

(باہر آ کر)

مرزا: آداب بجالاتا ہوں

صاحب خانہ: کہو مرزا اب تدبیر بتاؤ، کیا کیا جائے

مرزا: پیر و مرشد! کچھ بھی نہیں۔ آپ تو یوں ہی طبیعت کے تئیں پریشان کرتے ہیں۔ سارا جہان مزے سے ہزاروں لونڈیاں لیے بیٹھا ہے۔ کسی کو اصلا خیال تک نہیں۔

صاحب خانہ: اگر تمہاری صلاح ہو تو ان کو کسی کے یہاں بھیج دیں۔ جب یہ ہنگامہ فرو ہو جائے، بعد دو ایک مہینے کے پھر بلا لیں۔

مرزا: جی ہاں، کیا حرج ہے، مگر ایسا کون شخص حضور نے تجویز کیا ہے جو ان کو اپنے گھر رکھے۔

صاحب خانہ: تمہیں تجویز کرو۔ بیگم نے مجھے اس وقت یہ صلاح دی

مرزا: نہیں واللہ! صلاح تو نہایت ہی خوب ہے ماشاءاللہ سے میں بھی حضور کے یہاں سے اٹھ کر اسی فکر میں غلطاں پیچاں تھا۔ اسی تردد میں آج کہیں نہیں گیا۔ بھلا مجھ سا کوچہ گرد آدمی اور اتنی دیر گھر پر رہے۔ مگر واللہ یہ مجھے نہیں سوجھی

صاحب خانہ: لاؤ شیخ صاحب کے یہاں بھیج دیے جائیں۔ مگر بھئی مجھ کو تو تمہیں پر اعتماد ہے۔ اگر تم اپنے گھر لے جاؤ تو سب طرح اطمینان ہو جائے۔

مرزا: حضور مجھے اس امر میں کچھ عذر نہیں، بسر و چشم بجا لاتا مگر یہ کام شیخ صاحب ہی سے خوب ہو گا۔ آئندہ جیسی مرضی والا۔ تابعدار کو عذر ہی کیا، حکم حاکم ان کے دو چار بال بچے بھی ہیں، ہل جل کر رہیں گے۔ اور یہاں تو خالہ بدوش آدمی ایک وہ آپ کی لونڈی اور ایک غلام لیجئے اللہ اللہ خیر صلاح۔ اگر یہ دو اور جا کر شامل ہوئے اور محلے سے بوچھوٹی تو اور لینے کے دینے پڑے۔ اور برب کعبہ، خدا اور رسول گواہ ہے جو کسی اور بات کا خیال ہو۔ صرف یہ ڈر ہے کہ اگر کل کی کوئی جھگڑا فساد ہوا، محلے والے تو جانتے ہیں کہ حضور کے زمرہ غلاماں میں یہ بھی ہے، تو دشمنوں پر بھی چھیٹ آنے کا اندیشہ ہے۔

صاحب خانہ: علی ہذا القیاس شیخ بھی یہی کہیں گے

مرزا: یہ بھی بجا ارشاد ہوتا ہے

صاحب خانہ: پھر؟

مرزا: بخشو اس خدمت کو بہت مناسب ہے۔ وہ بال بچے بھی رکھتا ہے اور معتبر بھی

ہے۔اس سرکار کا قدیم نمک خوار ہے، بالکل گوشت پوست یہیں کا ہے

صاحب خانہ: بخشو ادھر تو آنا

بخشو: حاضر

مرزا: وہ جی لڑکی اور لڑکا ہے نا، فی الحال ذری زیادہ شرارت اور خودسری کرنے لگے ہیں۔ان کے واسطے تدارک مناسب ہے۔ برائے چندے گھر سے نکال دیں تا کہ آئندہ ایسی شوریدگی نہ کریں۔تم ان کو اپنے گھر لے جاؤ اور کہو کہ سرکار نے تم کو نکال دیا ہے۔ اگر چندے سیدھے رہو گے تو پھر خیر میں کہہ سن کر قصور معاف کرا دوں گا،نہیں تم کم بخت نکال دیے جاؤ گے، دانے دانے کو محتاج ہو گے۔

بخشو: بہت خوب،مجال ہے سرکار کی عدول حکمی کی جائے۔

پیرومرشد اگر جان بھی نکل جائے تو اف نہ کریں، ہیں کس دن کے واسطے۔مگر خانہ زاد ذری سرکار کی کنیز سے پوچھ آئے۔

صاحب خانہ: اچھا کیا ہرج،مگر پوچھ کر جلد آؤ۔

(بخشو اور اس کی بیوی)

بخشو: اجی بی گھر بسی! ایک بات تو سنو۔آج سرکار نے بلا کے ہم سے کہا کہ وہ لڑکے جو عرصہ ہوا پرورش کو لیے گئے تھے، برائے چندے تم اپنے ہاں رکھو۔تو میں نے کہا سوچ لوں، پھر جواب دوں۔کہو تمہاری کیا رائے ہے؟

بی: ہٹو بھی! کہاں کا جھنجھٹ نکالا۔ میں سمجھی کوئی اپنے فائدے کی بات ہے۔ مجھے چلا ہے فقرہ دینے (چٹکی بجا کر) چلیے ہوا کھائیے۔اگر آپ نے اڑائی ہیں تو ہم نے بھی بھون بھون کے کھائی ہیں۔

بخشو: یہ باتیں تو اس وقت تہ کر رکھو، بتاؤ صلاح کیا ہے؟ ہمارے نزدیک تو لے آنا مناسب ہے۔ایک تو سرکار کی خوشی، دوسرے آخر جب یہاں مہینہ دو مہینہ رہیں گے، جو کچھ کھانے پینے میں خرچ ہو گا،سرکار سے ملے ہی گا۔چلو تمہارا فائدہ ہو رہے

گا، کسی طرح کا گھاٹا نہیں ہے، یہ بات نفع سے خالی نہیں۔ اور تم نہیں جانتی ہو، اس میں حکمت ہے، پھر کسی وقت تم کو بتا دیں گے، بڑا قصہ ہے، چڑیل کی چوٹی ہاتھ آنا ہے۔

بی: اچھا لے آؤنا، کوئی منع کرتا ہے۔ مل ایک بات ہے، جو میرے یہاں رہے گا، میں کام ضرور اس سے لوں گی۔ ہاں بھئی، سچی بات سعد اللہ کہیں سب کے من سے اترے رہیں۔

بخشو: شوق سے، مزے سے بیگم بن کے کام لو، اب خوش ہوئیں؟

(میاں بخشو نے جا کر اپنی رضامندی ظاہر کی اور شب کو ان دونوں کو اپنے گھر لے گئے۔ صاحب خانہ کے حواس درست ہوئے، اطمینان سے رہنے سہنے لگے۔ کبھی کبھی سیوتی دیکھنے جایا کرتی تھی۔ ایک روز نجبنیا اور سیوتی سے یہ بات چیت ہوئی)

(نجبنیا اور سیوتی کی بات چیت)

نجبنیا: آہا، آؤ باجی۔ آج تو کئی دن کے باودان نظر آئی دیں۔ اے ہاں، اب ہم کو تو نکال باہر ہی کیا، چھوٹے گاؤں سے ناتا کیا۔ اب ہم کون جس کو پوچھنے کوئی آوے۔

سیوتی: اچھا اب تم سب کہہ لو تو میں بھی اس کے درجواب میں کہوں۔

نجبنیا: اچھا چھا، کہو شوق سے کہو، میں کہہ چکی، ہم گریبوں کا کہنا سننا کیا۔

سیوتی: بھلا سچ بتا، تجھے اپنی آنکھوں کی قسم ہم لوگوں نے نکالا؟ ہم آکل کھرے جگ سے برے نہیں، جو اپنی قدرے کی خیر منایا کریں۔

نجبنیا: اچھا، تم اپنے دم سے نہ سہی، اور تو تمہارے بیڑے میں ایسی ایسی اللہ کی سنواریاں مہجود (موجود) ہیں

سیوتی: سچ کہوں، یہ سب کرتوت اسی ڈھڈر کے ہیں

نجبنیا: بہن! اپنا سونا کھوٹا، پرکھنے والے کو کیا ڈوس۔ بی مگلانی ٹکے کی آدمی کیا کر سکتیں، اگر جو ہمارے مالک نہ ایسے موم کی ناک ہوتے۔

سیوتی: ہاں یہ تو سچ ہے، مگر نہیں وہ مگلانی بڑی کتر بیونت کی آدمی ہے

نجبنیا: اچھا کہو تو کچھ ہمارے بلانے کو بی بی کہتی ہیں؟

سیوتی: بہن یہ تو میاں کی مرضی پر ہے۔

نجبنیا: اب آج کل بی بی کی ڈیل کا کون کام کرتا ہے؟ منھ کون دھلاتا ہے، بدن کون ملتا ہے؟

سیوتی: اونھ، اب تو کوئی کام نہیں، جس کو کہہ دیا۔ مل ہاں آج کل مگلانی کی طرف سے کچھ دل پھیکا ہے۔

نجبنیا: ہاں چلو شکر ہے۔ جیسے اس پچھل پائی نے مجھے دودھ کی مکھی کی طرح نکال باہر کیا، خدا کرے اس کا چونڈا مونڈا جائے۔ بڑی کنکالا ہے۔ میرا ہی جگر جانتا ہے، مگلانی ہے، ارے کلیجہ پکاتی ہے۔ اس کے گھر میں میت پڑے۔ یا پاک پروردگار! جیسا اس نے میرے ساتھ کیا ویسا اس کے دیدوں گھٹنوں کے آگے آئے۔

سیوتی: ارے اب کوسنے کاٹنے سے کیا ہوتا ہے، چپ بھی رہو، اس میں اور بھی تو بہت سی باتیں تھیں، جن کے چلتے تم اس کے یہاں بھیجی گئیں۔

نجبنیا: ہاں باجی تجھے میری جان کی قسم! اور کیا بات تھی۔

سیوتی: کچھ کھل کے تو میں نے سنا نہیں، یہی ادھر ادھر سے ایک آدھ بات لے اڑی، اور نہ کوئی کھل کے کہتا ہے۔ مگھم میں سب باتیں ہوتی ہیں۔ مل اتنا کھلا ہے، انگریز بہادر نے حکم لگایا ہے، خبردار کوئی اب لونڈی نہ خرید کرے۔

نجبنیا: تو یہاں خرید کس کو کیا ہے؟ مرزا صاحب نے بلاتے وقت ہی کہا تھا، چل تجھ کو روٹی کپڑے پر رکھا دیں۔ ہاں اتنا ہے دو دن رہ کے بھاگ نہ آنا۔ میں نے کہا مجھے جو کھانے کو دیں تو میں عمر بھر وہیں تیر کر دوں۔

سیوتی: واہ واہ! یہاں تو انہوں نے دس روپیہ نغد (نقد) اسی وقت کھڑے کھڑے لیے۔ بلکن (بلکہ) مجھے اس سے یاد ہے میں ہی تو اس وقت صندوقچہ بی بی پاس لائی

تھی۔

نجبنیا: اے ہے، ستیاناس جائے اس مرزا کا، اس نے تو میرے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔

سیوتی: اس میں ہرج کیا ہے۔ تم تو ناواکف (قف) ہو، تم کو کوئی روک تھوڑا ہی سکتا ہے۔

نجبنیا: باجی سچ کہوں، اب تو سرکار میں جانے کو جی نہیں چاہتا، ادھر سے ادھر ہی کہیں نکل جاؤں۔

سیوتی: ارے اک دن یہ تو ہونا ہی ہے۔ ہاں کلام اللہ کسم! بعض وخت تو میرا جی بھی اوکتا جاتا ہے، اب ہم بھی اسی سیتے میں ہیں۔

نجبنیا: (گلے میں بانہیں ڈال کے) باجی ایک بات کہیں؟ کسی سے کہوگی تو نہیں؟

سیوتی: میں بھلا تیری بات کسی سے کہوں گی؟ اپنی جوانی کسم! جو کہیں ذکر کروں۔

نجبنیا: باجی دیکھو، اپنے ہی تک رکھنا۔ ابھی تک دو جنوں سے تیسرا کوئی نہیں جانتا۔ بخشو آج بہت دنوں سے میرے پیچھے پڑا ہے۔ پوریاں، ترکاری، مٹھائی لا دیتا ہے۔ کہتا ہے کوئی دن کچھ کھالوں گا، دریاؤ میں ڈوب مروں گا۔ اب تم سرکار میں کیا جا کے کروگی۔ یہیں رہو، میں تمہاری سب طرح سے خبر گیری کروں گا۔

سیوتی: ایں! یہ بخشو؟ بخشو بھلا وہ بال بچے والا آدمی ہے نا بھائی، ہماری صلاح نہیں۔

نجبنیا: وہ تو یہاں تک وعدہ کرتا ہے، چاہے اسٹام لکھالو، میں عمر بھر روٹی کپڑا دینے کو تیئں ہوں۔ اور بھئی ایمان کی تو یہ ہے، آج تک اسی کے دم سے ہم کو یہاں سب طرح کا چین ہے۔ مزے سے گھر کی بی بی بنے کھاتے ہیں۔ نہیں تو اس کی والی ایسی چنچل نٹ کھٹ ہے، دم بھر تو رہنے دیتی نہیں۔

سیوتی: اچھا تو ابھی دیکھو تو اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔ اس کو ابھی لگائے رہو، صاف

جواب بھی نہ دو۔

نجبنیا: کیا کوئی کر کیا لے گا۔ دائیوں میں نوکری کر لیں گے، پانچ چھ روپیہ کہیں نہیں گئے۔

سیوتی: میں تو اب جاتی ہوں۔ مانگ کی دال بھگونا ہے۔ میاں پہریز (پرہیز) کرتے ہیں

نجبنیا: ابھی اور بیٹھو، تمہارے آئے ذرا جی لگتا ہے۔

سیوتی: نہیں پھاٹک معمول کرنے کا بھی وخت آ گیا۔ ایسا نہ ہو موا سپاہی زنزیر دے دے تو رات بھر ٹاپتی پھریں۔

نجبنیا: اچھا بہن، اچھی رہنا۔

بخشو اور اس کی جورو کے جوتی پیزار

جورو: سن تو سہی۔ یہ آج اپنی بہنیا بی نجن بیگم کو اچھی بڑی سی درپنی لا دینے کو پیسے اچھی طرح نکل آئے، اور اس وقت مستان سرمے والے نے آواز لگائی۔ اللہ ہم ایک پیسہ مسی کو مانگا کیے، قسمیں کھانے لگا، کس شمر کے بچے کے پاس ایک جھجھی بھی ہو، نہ دینا تھا نہ دیا، اب یہ کہاں سے دام نکلے؟

بخشو: میں کہتا ہوں نصیباً کی ماں! تم اپنے ہوش میں ہو؟ کہیں گھانس تو نہیں کھا گئیں؟ وہ باتیں کرتی ہو جس سے گدھے کو بھی بخار آتا ہے۔ شک کی بھی حد کر دی۔ آج کئی دن سے اس نے پیسے دیے تھے، بازار اگر تم جانا تو میرے لیے آئینہ لے آنا۔ تم جانو، میری بھول جانے کی تو خو ہے، نہ خیال رہا، آج دھیان آیا، لیتا آیا۔

جورو: چل ہٹ مردودے۔ یہ منہ دیکھی باتیں اپنے ہوتوں سوتوں کے واسطے تہہ کر رکھ۔ ہم سے چلا ہے چکمے بازی کرنے۔ اور ایک آئینہ؟ ابھی گنانے پر آؤں، خونے (خدا جانے) کے ہزار باتیں بتاؤں۔ بارے چھیڑ خانی کی مجھے عادت نہیں۔ ابھی صاحب مہروان نوچندی کو چوڑی والی کو کس نے اپنی جیب سے نکال کر پیسے دیے تھے؟ یہ کپیوں تیل کس کی خاطر چلا آتا ہے؟ اور یہ پیسہ روز کے بیگمی پان بی صاحب کہاں سے کھاتی ہیں؟

بخشو: سنا نصیباً کی ماں! کیوں کسی کا صبر سمیٹتی ہو۔ جو کچھ کہو مجھ کو کہو۔ دیکھو اس معاملے میں زیادہ تو تو میں میں اچھی نہیں۔ دیکھو! تم کہے چلے جاتی ہو اور مجھے غصہ چڑھتا چلا آتا ہے۔

جورو: اچھا آپ کو غصہ آئے گا تو کیا کر لیجیے گا؟ رانی روٹھیں گی، اپنا راج لیں گی۔ لو صاحب ان کے پیچھے اپنے تئیں کو غارت کر دے، خاک میں ملا دے اور ان کے بھاویں نہیں۔

نجبنیا: (سامنے کوٹھری سے پائچے سنبھالتی نکلی) دیکھو بھئی میں پکارے کہے دیتی ہوں، جو میرا ذکر کسی نے کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں۔ پیاز کے چھلکے اتار کر دھر دوں گی۔ بندی کچھ نموھی نہیں۔ میں بھی کسم کلام اللہ کی ایسی ایسی سناؤں گی تو پھر مدتوں تک داگ نہ چھوٹیں گے۔

جورو: بی صاحب !تم سے تو میں کچھ کہتی نہیں، بھلا میری کیا مجال میں تو بخشو مردے کی جان کو روتی ہوں۔

بخشو: دیکھو، واللہ باللہ، جو ذرا اس سے کلام کیا تو اس کا مزہ چکھا دوں گا۔ چلو تب نہ سہی اب سہی۔ کیا کوئی میری ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کرلے گا۔ اس ضد پر دیکھ تو سہی حرام زادی تیرے سر پر لاتا ہوں، چل جہاں تک تجھ سے چلا جاوے۔

جورو: لے آ اپنی اور کوئی اماں بہنیا، ایک کو تو لے آیا، اب سارا چکلہ بسا دے۔ تجھ کو بھی بائیں ہاتھ کا کھانا حرام ہے، جو اپنا سارا کنبہ نہ لے آئے۔ وہ تو میں پہلے سے سمجھی بیٹھی ہوں، میرا ماتھا تو تب ہی ٹھنکا تھا، پہلے ہی تو نے خوش خبری سنائی تھی۔

بخشو: چپ رہ، حرام زادی قطامہ! نہیں مارے جوتوں کے فرش کر دوں گا۔

جورو: اے تو مارنے والا غارت ہو، تیرا جنازہ نکلے، تیری صور کو مردہ شو لے جائیں!

بخشو: مانتی ہی نہیں، چرخے کی طرح چلی جاتی ہے۔ لے جو کم بختی آئی ہے تو لے۔

یہ کہہ کر میاں بخشو نے جوتا اتارا ہی تھا کہ جورو کمر سے چمٹ گئی۔ پھر تو اللہ دے اور بندہ لے۔ اگر ایک گھونسہ میاں بخشو نے لگایا تو تین چانٹے جورو نے رسید کیے (دو بہ مد پیشگی) انہوں نے اس کے جھونٹے پکڑے، اس نے پٹے لیے۔ عورت تھی طاقت ور، یہ افیونی جوان، سینکیا پہلوان۔ چوٹی ماتھ سے سٹ سے نکل گئی، ادھر پٹے گئے انگلیوں میں الجھ۔ نہ وہ چھوڑتی ہے نہ خود چھوٹتے ہیں۔ اب یہ گردن

جھکائے کہہ رہے ہیں۔

اچھا بال میرے چھوڑ دے، دیکھ تو آج تیرا کیسا بھرتا بناتا ہوں۔

جورو: اچھا اچھا، تو جوتی سے ٹھوکر مارے جا۔ سارا پاؤں لہولہان ہو گیا۔

بخشو: آج چاہے انگر کھا چونی چونی ہو جائے مگر تجھے آج بے درست کیے نہیں چھوڑوں گا، چاہے پھانسی ہو جائے۔

جورو: قسم جناب امیر کی! ناک ہی دانت سے اڑا لوں گی، چھ مہینے کو چلی جاؤں گی بلا سے۔

جورو 'ہوں' کر کے جو سامنے سے ریلتی ہے تو ادھر میاں پیچھے کو ہٹے، ادھر پائینچے میں پاؤں پھنسا، دھڑ یم سے زمین پر۔ اس لنگر میں میاں بخشو بھی بال باندھے جھک گئے۔ موقع جو پایا تو آپ اوپر اور جورو تلے۔ نیچے سے نکال کے الٹا ہاتھ جو مارتی ہے تو گال میں ٹوٹی چوڑی کا کھڑونچا لگ گیا، دھل دھل لہو بہنے لگا۔

بخشو: اچھا حرام زادی، تو نے آج مجھے زخمی کیا۔ میں کہتا تھا، کیا عورت ذات پر ہاتھ چلاؤں، لے آج بے جان لیے نہیں چھوڑنے کا!

نجبنیا نے جب دیکھا کہ میاں صاحب کا واقعہ ہوا جاتا ہے دوڑی اور چھڑانے لگی ہائیں ہائیں یہ کیا ہے؟ بس ہو چکا۔ اے نیک بخت کیا جان لوگی، گھائل تو کر دیا۔ نیکی اترے ایسے غصے پر۔ بخشو کا ہاتھ پکڑ کر تم بھی چھوڑ دو۔

جورو: نہیں نہیں بہن، تم نہ بولو اس بیچ میں

بخشو: تم جاؤ، بیٹھو، اپنا کام کرو، مجھے آج درست کرنے دو۔

نجبنیا: چلو، چلو، بس ہو چکا۔ کوئی اپنے آدمی پر اس طرح ہاتھ چلاتا ہے۔ دیکھو تو سارے تمہارے ان کے کپڑے لہو میں شربور ہو گئے، دونوں جنے جیسے نہا گئے۔

بخشو: اچھا تو یہ میرے پٹے چھوڑ لے

جورو: لے میں تجھے کیا پکڑے ہوں!

قصہ مختصر دونوں جدا ہوئے۔ بخشو تو دامن سے کھڑے لہو پونچھ رہے ہیں اور بی صاحب نے بین میں لگا لگایا۔ تھوڑی دیر بعد چٹ نصیباً سے ڈولی منگوا کر سرکار میں جا پہنچیں۔

(بخشو کی جورو کی زار نالی)

سیوتی: (بیگم سے) حضور بخشو کی بی بی کی ڈولی آئی ہے۔ کہتی ہے مجھے کچھ ناب صاحب اور بے ام صاحب سے عرض معروض کرنا ہے، حکم ہو تو اتاری جائے؟

بیگم: کون بخشچو؟

سیوتی: حضور سرکار کا خواص

بیگم: وہ تو کبھی پہلے آئی نہیں

مغلانی: نہیں آئی تو کیا ہوا! بلوا لینے میں کیا حرج ہے

بیگم: اچھا آنے دو

بخشو کی جورو تین تسلیمیں بجا لا کے ایک طرف کھڑی ہو گئی

بیگم: اچھا بیٹھو کیا ہے، آج کہاں چلیں؟

جورو: (تین تسلیمیں پھر کر کے بیٹھی) جی بے ام صاحب! بہت دفعہ جی چاہا کہ اپنی سرکار میں حاضر ہوا کروں۔ مل ایک تو آپ کا خانہ زاد مزاج کا ایسا خراب، چھینکتے ناک کاٹتا ہے۔ جو باہر نکلتا ہے دروازے کی باہر زنزیر بند کر کے جاتا ہے، گھر کے کام کاج میں دم لینے کی مہلت نہیں ملتی۔

بیگم: اچھا کہو آج کیوں کر آئیں۔

جورو: آج تو حضور پاس فریادی آئی ہوں، آپ ہی منصفی کیجیے۔ بے ادبانہ معاف، سرکاری لونڈی میری سوت بنا چاہتی ہے۔ وہ مردہ بھی ایسا اس پر مرا دھرا ہے، مجال کیا ایک بات بھی کچھ زبان سے نکال سکوں۔ یہ حضور کی خفگی لونڈی پر ایسی کیا ہوئی جو ایک سوت بھیجی۔ یوں ہی آئے دن کی تو تو میں میں، دانتا کلکل سے سوکھ

کر کانٹا ہو رہی تھی، اس پر اور ایزا دہوا۔

بیگم: ہوش کی دوا کر عورت! میری لونڈی ایسی نہیں۔ تو اپنے خاوند کو روک، نہیں پھر مجھ سے برا کوئی نہیں، جو میری لونڈی میں کسی طرح کا داغ آیا

(اتنے میں اتفاق سے نواب صاحب تشریف لائے)

نواب: کیا ہے بیگم؟ یہ کون نیک بخت ہیں؟ کہاں سے آئی ہیں؟

بیگم: یہیں سے آئی ہے، بخشو کی جورو ہیں

نواب: ہاں تو یہ کہو۔ ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا

بخشو کی جورو: (تین تسلیمیں کر کے) سرکار کو خدا سلامت رکھے۔ آج تو لونڈی فریاد لے کے آئی ہے۔ اوپر خدا ہے اور نیچے حضور ہیں۔ اب اور کس کے پاس جا کر فریاد کروں۔

نواب: فریاد کیسی، کہو تو (بیگم سے) کیوں بیگم! یہ کیا معاملہ ہے؟

بیگم: پوچھو نا نیک بخت کہہ جو کچھ کہنا ہو

جورو: حضور کیا عرض کروں۔ سرکار کے غلام نے آپ کی لونڈی پر آج کل وہ ظلم کر رکھا ہے، خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ اٹھتے، بیٹھتے مار پیٹ، کوسنے موجود جہاں کوئی بات ہوئی، بی بی اپنا چلتا دھندا کرو۔ ادھر جب سے سرکار سے لونڈی لے گیا ہے، تب سے اس کی بدولت جو اس جنم جلی پر آفت ہے، خدا پاؤں تلے کی چیونٹی کو بھی نصیب نہ کرے (آنچل سے آنسو پوچھ کر) حضور بوڑھی ہونے کو آئی، جو جیتے رہتے، کئی بچوں کی ماں ہو چکتی۔ اور آج ذرا سی بات پر اس نے بھس کر کے ایسا مارا کہ سارے بدن میں نیل پڑ گئے۔ حضور گھر میں ماں باپ نے تو ہاتھ اٹھایا نہیں، اس مردے نے آج مجھے بالکل پست کر دیا (اب تو زار و قطار رونے لگیں)

نواب: یہ تو عجیب قصہ معلوم ہوا۔ اچھا اچھا نیک بخت رونے سے کیا حاصل۔ اس کا تدارک ہوا جاتا ہے۔ (اتنی شہ جو پائی تو پھر کیا تھا۔ اب فرمائشیں لیجیے)

جورو: حضور ہاں! سرکار اس کو بلا کر خوب ذلیل کریں۔ کئی بار میرا جی چاہا، یہ مقدمہ سرکار کو کہلا بھیجوں، مل اسی ڈر کے مارے، شنوائی ہو نہ ہو، اپنی بات بھی گئی۔ اے حضور! جب سے یہاں سے اس کو لے گیا ہے، کیا وہ اپنے آپے میں تھوڑی ہے۔ سرکار کے بھی کام میں نہیں جی لگتا ہے، نہ گھر سے خبر ہے۔ سمجھاتی ہوں، بجھاتی ہوں، ارے جو سرکار میں بات پہنچے گی تو بڑی غضبی آئے گی، نکال باہر کیا جائے گا، برطرف ہو جائے گا۔ بال بچے جورو لڑے والا آدمی ایسی فیلسوفی اختیار کرے گ، تیرا کہاں پتہ لگے گا۔ ایک تو موے نشا پانی میں سب گھر گرہستی اڑائی تنخواہ پاتا ہے، اسی میں اڑتی ہے۔ جو اوپر سے چار پیسے ملتے ہیں، چنڈر بمبو میں پھونکتا ہے۔ بھلا کب مانتا ہے، اور پھر میری بات؟ اب حضور بلوا کر میرے ایک کی ایک کرا دیں۔ میں اب اس گھر نہ جاؤں گی جس میں نجبنا برا جتی ہو گی، میں اس ڈربے ہی کو پھونک دوں گی۔ اب یا تو وہ سب باتیں فیلسوفی کی چھوڑیں، نہیں تو مجھے ان سے کام نہیں۔ میری ان کی بھری کچہری میں فارخطی (فارغ خطی) ہو جائے۔ سمجھوں گی رانڈ، بیوہ ہو گئی۔ لڑکی ان کی ہے، اپنے پاس رکھیں۔ مجھے کچھ اس کی ایسی پروا نہیں ہے، وہ جانیں ان کا کام جانے۔

نواب: (بیگم سے) یہ تو بہت بری بات ہے، بڑا تعجب ہے۔ ہم کو ابھی تک اصلا اس کی خبر نہ تھی، اس قدر یہ شخص لچا ہے۔ بلا کے برطرف کر دینا چاہیے۔

بیگم: بیٹھو بھی، تم بھی ان لوگوں کے کہنے میں آتے ہو۔ خدا جانے کیا معاملہ ہو گا؟ سنتے ہو اس عورت کی باتیں۔ وہ فارخطی لینے کو موجود ہے۔ ارے یہ کمینے ہیں، ان کی ایسی ہی باتیں ہوا کرتی ہیں۔

نواب: نہیں صاحب! کچھ ہو، اب اس کا وہاں رہنا کسی طرح اچھا نہیں۔ اور اس مردود کو ابھی برطرف کرتا ہوں۔

بیگم: اچھا اچھا، برطرف کرنے کو کیا ہے؟ وہ تمہارا نوکر ہے، ہر وقت تمہارے

اختیار میں ہے، جب چاہو نکال باہر کرو۔ کسی امر کو منع نہیں کرتی مگر پہلے بات کے تئیں تو سوچ لو۔

نواب: سبحان اللہ! اب ہم ایسے احمق ہیں، کچھ سمجھتے ہی نہیں؟ اس اب اس معاملے میں اپنی عقل تہ کر رکھیے۔

مغلانی: بیغم صاحب، بیغم صاحب! جانے دیجیے، انہیں کی خوشی کیجیے۔ اچھا حضور! آپ مالک ہیں، جیسا مناسب جانے کیجئے، مگر پہلے تحقیق کر لیجئے۔ حاکم بھی مقدمہ سنتا ہے، عذر معذرت سن لیتا ہے۔ اور لونڈی کو کیا ہے، آج شام کو نگوڑی بلالی جائے گی۔

نواب صاحب بھی کچھ ٹھنڈے ہوئے، کچھ بیگم صاحب بھی سمجھ کر چپ ہو رہیں۔ بخشو کی جورو بھی تھوڑی دیر کے بعد ڈولی منگا چلتی ہوئی۔ مگر ایک منہ بولی خالہ کے یہاں اتری، گھر نہ گئی۔ ادھر میاں بخشو کا حال معلوم ہوا کہ جورو نے خوب مرمت کی، سیروں ہلدی لگائی، گھر میں پڑے ہیں۔ مگر نجبنیا اور بخشو کو اس کی خبر بھی پہنچ گئی کہ جورو نے وہاں جا کر کیا آگ لگائی اور آج شب کو ہم دونوں میں فراق ہوگا۔

اتنی فرصت میں جو کچھ میاں بخشو اور نجبنیا کے مشورے ہوئے، وہ قصے میں آگے چل کے کھلتے جائیں گے۔ یہاں صرف اسی قدر کافی ہے کہ شام کو سیوتی گئی اور نجبنیا کو لوا لائی۔

چھٹا باب

میاں بیوی کی بات چیت

وقت 10 بجے شب

میاں بیوی لیٹی ہیں اور سیوتی چپی پر ہیں۔

میاں: بیگم! بیگم! اجی کیا ابھی سے سو گئیں؟ بھئی تمہارے خراٹے وحشت بڑھاتے ہیں۔

بیوی: اے تو کون سوتا ہے۔ کہو کیا کہتے ہو؟ میں تو ابھی چپ پڑی ہوں۔

میاں: سیوتی تو کھانا کھا چکی ہے؟

سیوتی: جی حضور کھالوں گی۔

میاں: اچھا تم جاؤ، کھانا کھاؤ

میاں: کہیے آج کل وہ آپ کی نجبن نہیں دکھائی دیتیں۔

بیوی: اونھ ہوگی مالزادی۔ سارا گھر ناحق بے ناحق کو اس نگوڑی کے پیچھے پڑا ہے۔ جناب امیر کی قسم، اگر اس سے سلیقے سے کام لیا جائے تو ایسی اچھی لونڈی ہو جسے کہتے ہیں۔

میاں: اس میں کیا شک۔ ایک آپ ہی اس کے قدر دان باقی ہیں۔ وہ کہیے خدا نے پرسال صرف اتنی بات کے لیے تو قحط ڈالا ہی تھا۔ ایک ایسی لائق ہوشیار سلیقے کی عورت گلی گلی کی ٹھوکریں کھاتی پھرتی تھی۔ اس بہانے ایک اپنی قدر دان تک پہنچ سکی۔

بیوی: چلو، تم کو طعن تشنیع کے سوا اور نہیں آتا۔

میاں: خیر یہ تو ہنسی تھی۔ آج دوپہر کو ہم نے عجیب کیفیت دیکھی۔

بیوی: کیا؟

میاں: میں اوپر سے آتا تھا کہ بخشو سے نجبن یا باتیں کر رہی تھی۔ اور تو میں نے کچھ

نہیں سنا، صرف اتنا سنا کہ بخشو کہہ رہا تھا، تیری جان کی قسم۔ وہ کہتی تھی، چل جھوٹے، کیا مفت کی میری جان بنائی؟

بیوی: تو کیا ہوا۔ لاکھ بات آدمی ہنسی میں کہتا ہی ہے۔ بس تم کو عیب ہی دکھائی دیتا ہے بات بات میں

میاں: نہیں اس واسطے میں تم سے کہتا ہوں، ذری اس عورت سے ہوشیار رہنا۔ آدمی کا اعتبار کیا۔ تم توشے خانے کی بھی کنجی اکثر اسی کو دے دیتی ہو، مودی خانے میں بھی چلی جاتی ہے۔ بخشو آدمی نشے پانی والا ہے، اس کا اعتبار ہی کیا۔ سب طرح کے لچوں شہدوں سے راہ رسم رکھنے والا۔ اور یہ بھی جانتی ہو، میاں کا چار روپیہ خشک میں ہوتا ہی کیا ہے، پھر بال بچے جدا۔ مجھے خوف ہے کہیں یہ صاحب اپنے یار کو میرا سارا گھر موس کے نہ دے دیں۔

بیوی: بس تمہارے اوپر یہی دور اندیشی ختم ہے۔ مجال ہے تنکا بے ہمارے حکم باہر نکل جائے۔ اور یہ ذرا ذرا سی چیز پر نظر نہیں رکھتی۔ میاں چاہے برا مانو یا بھلا، یہ تو مجھ سے ہو گا نہیں۔ مودی خانے بھی خود ہی جاؤں، توشے خانے بھی ہر دفعہ آپ ہی جاؤں، ایسی تو میری ارواح ہے نہیں۔ نہ میں نے اپنے یہاں کبھی دیکھا نہ جانوں۔ ہاں اب تمہارے قابو میں ہوں، جو کہو کروں۔

میاں: عجب سمجھ کی آدمی ہو۔ ارے صاحب اپنی خبرداری ہوشیاری کو کہتا ہوں، یا اور خدانخواستہ میری کچھ عرض ہے۔

بیوی: ارے تم مجھے سمجھے کیا ہو۔ میں تو یہی حیران ہوں، افسوس کسی نے آج تک مجھے پہنچانا نہیں۔ ارے میں تو اڑتی چڑیا کے پر گنتی ہوں، مجھ سے کوئی اڑ کے کہاں جائے گا۔ اول تو کسی نے یوں ہی عداوت سے کہہ دیا ہے، نہیں، کیا ہنسی کی کسی کی مناہی (ممانعت) ہے۔ آخر ان کم بختوں کے بھی دل ہے کہ نہیں۔

میاں: جی درت، بجا۔ دیکھیے گا، بعد چندے ان کا دل آپ کو کیسے کنوئیں جھنکواتا

ہے۔ کسی دن وہ ہاتھ مارے گی کہ یاد کیجیے گا۔

بیوی: اے نہیں توبہ کرو۔ ایک بات ہے، چاہے برا مانو۔ اس میں لاکھوں عیب ایک طرف اور یہ خوبی ایک طرف نیت اس کی خراب نہیں۔ لاکھ روپے کی چیز رکھی ہو گی، مگر اس کی نیت جو تم چاہو ڈانوا ڈول ہو، کیا مجال۔ اب کی جب سے آئی ہے، تم جانو میرا سارا کام وہی کرتی ہے۔ اور سب طرح کی طیز اس کے ہاتھ سے رکھواتی اٹھواتی ہوں، کیا مجال ایک رتی کا تو بل پڑے۔

میاں: خیر صاحب تم جانو۔ یہ باتیں ایسی ہیں اس کا تجربہ تمہیں کو ہو سکتا ہے۔ جھوٹ سچ بولو، ہم آمنا صدقنا کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اگر ہم تجربے کا قصد کریں تو تم بے چاری کو ابھی گل ہی سر مونڈ کر گدھے پر سوار کرو۔

بیوی: اخ آہ! تو اب معلوم ہوا، یہ بات ہے۔ چلو اچھا تو ہے، تم تو ایک حالوں حلال بھی ہے۔ لونڈی کی نیت نہیں، آپ ہی کی نیت سلامتی سے ڈانوا ڈول ہو چکی ہے۔

میاں: لے اب لگیں واہیات شاخیں نکالنے، اب سونے دو۔

بخشو اور نجبنیا

بخشو: آج کل تو واللہ بے خرچ ہو رہے ہیں۔ مرزا کی دکان پر نہیں جا سکتے۔ بارہ آنے پیسے ہو گئے، وہ ایک چھینٹا بھی نہیں دیتے۔

نجبنیا: ابھی اٹھوارہ نہ تمام ہوا ہو گا، تجھ کو ایک آرسی دے چکی ہوں، جا بیچ لا اور آج پھر وہی نخرا۔ کچھ اپنی اختیاری بات تو ہے نہیں۔ جب موقع ملتا ہے، ہاتھ چالاکی کر جاتی ہوں۔ روز جو گھی چپڑی لیا چاہو تو دوسرے دن سر مونڈا جائے۔ ہم تو دال میں نمک کھایا چاہیں۔

بخشو: اجی یہ تو رہے گا۔ اب یہ بتلاؤ، سب دیکھ بھال لیا؟ کہاں کہاں کون اسباب رکھا ہے۔ اور کہو اس بات کو جو کہا تھا، اس کی کچھ فقر (فکر) کی؟

نجبنیا: تم جانو یہ باتیں منہ کا نوالا تو ہے نہیں، رسانیت سے یہ باتیں کی جاتی ہیں۔ پہلے سب پکی پوڑھی کر لیں، موقع بھی ہاتھ آئے، اس وقت تم سے کہیں۔ باقی تم سب سے کہی بدی رکھو۔ وہ لوگ تیئں رہیں۔ جب موقع لگے فورون (فوراً) خبر کر دیں۔

بخشو: سبحان اللہ! گھڑی بھر میں گھر جلے، اڑھائی گھڑی بھدرا۔ آج تک موقع محل ڈھونڈھے گی، یہاں واقعہ ہو جائے گا۔ آخر بنجو مرتے وقت سیتا ہو گا؟ آج کل جو معاملہ لیس ہو جاتا، اندھیری بھی تھی، سب کام مزے سے ہو جاتے۔

نجبنیا: اچھا یہ تو بتاؤ، کے آدمی شریک ہو اور کون کون ہے؟ اپنے قول پر سب مضبوط ہیں؟ دیکھو ایسا نہ ہو کل کدان کو، خدانخواستہ دشمن کے کان بہرے، کوئی واردات ہو گئی تو ایک دوسرے کا نام تو نہ لیں گے؟

بخشو: واہ واہ! تم نے بھی ایک ہی کہی۔ ایسا کیا کہیں بچوں کا کھیل ہے۔ اور پھر ان لوگوں میں جو ایسی ہی بات ہو تو کوئی کسی کا کیوں ساتھ دے۔ ان لوگوں کا اگر گلا

کاٹ ڈالو تو کیا معنی ایک حرف بھی زبان سے نکلے۔

نجبنیا: اچھا تو میں کہتی ہوں، اگر تم اکیلے کام کرو، کیا نقصان (نقصان) ہو؟

بخشو: یہ جان جوکھم کہیں اکیلی ہوتی ہے؟ دس پانچ سے مل کر یہ کام ہوتا ہے۔

نجبنیا: اچھا اس کو اپنے تم جانو موقع تو آنے دو

بخشو: اب یہ تو بتاؤ، مال اسباب کدھر ہے؟

نجبنیا: تم جانو اسباب سب ایک جگہ تو ہے نہیں۔ ایک چیز ادھر پڑی ہے اور ایک ادھر پڑی ہے۔ سرکار کے کپڑے تم جانو کچھ باہر رہتے ہیں۔ کچھ اور اسباب پنچوان، اپنچوان، دسگتیان، چاندی کا اسباب، اغال دان، خاص دان، حقے، چلم، غلم، پٹکے ایسی چیزیں ایک لوہے کے بڑے صندخ (صندوق) میں رہتے ہیں۔

بخشو: بھلا اس میں قلف (قفل) ہے؟

نجبنیا: یہ مجھے اچھی طرح خیال نہیں۔ ہاں ہاں یاد تو آیا، اس میں خود ہی کلف بنا نہیں ہے۔ اور جو ادھر وار کو بائیں طرف کمرہ ہے، اس میں بیگم صاحب کے کپڑے ہیں جو روز پہنتی ہیں۔ اور بھاری کپڑے میں نے دیکھے نہیں۔ سنتی ہوں کہ اسی کے پاس دوسری کوٹھری میں ہیں۔ ایک جگہ ہو، کہوں۔ چار چیزیں اس صندقچے میں ہیں، دو اس میں ہیں۔ اب تم جانو کرن پھول تو آج مہینہ ہونے کو آیا، بی بی کے کان میں ہیں۔ جس میں روپیہ پیسہ رہتا ہے، کچھ اس میں ہے جس میں عطر جافران مسک رکھا جاتا ہے۔

بخشو: وہ صندوقچہ کہاں رکھا ہے؟

نجبنیا: عطر دان سامنے کے دالان کے طاق پر ہے۔ اور کچھ زیور توشے خانے کے اندر ایک بڑا بھاری لکڑی کا صندق ہے، پہیے لگے ہیں، اس کے اندر کئی ایک چھوٹی چھوٹی صندوقچی ہیں۔ ان میں وہ بھی رکھا ہے، اس میں بھی جڑاؤ زیور ہے۔ اور دو شالے رومال کی الماری وہیں ہے۔

بخشو: اچھا بتاؤ، وہاں تک پہنچنے کی کیا تدبیر ہے۔ بھال سیندھ ہو سکے گی؟

نجبنیا: اے واہ اتنا سب کچھ سمجھایا۔ اتنی بھی نہ سمجھے۔ بھلا کون سیندھ، کہاں توشہ خانہ۔ ارے کچھ احمق ہوا ہے وہ توشہ خانہ کوٹھے پر ہے یا کہیں نیچے

بخشو: اچھا بتاؤ تو کدھر ہے؟ تم آپ اول جلول بتاتی ہو۔ اچھا لے اب سرے سے بتا چلو۔

نجبنیا: اب جیسے تم ڈیوڑھی سے گھسے تو بائیں طرف جو صحنچی کے اوپر کے کمرے ہیں، ان میں سے سب سے پیچھے جو کمرہ ہے، اس میں یہ سب ہے۔

بخشو: بھلا اس کی چھت پر کس حکمت سے پہنچ سکیں گے؟

نجبنیا: اندر ہو کر راہ ہے، اور تو میں جانتی نہیں۔

بخشو: اچھا اب کل تم ذری اوپر کے کوٹھے پر کھڑی ہونا، اس وقت ہم دیکھ کے اپنی تدبیر سوچ لیں گے۔ اگر تدبیر بن پڑی تو چھت کاٹیں گے اور اوپر ہی اوپر مال اوڑا دیں گے۔ کوئی کانوں کان خبر نہ ہوگا۔ ہاں خوب یاد آیا۔ پچھواڑے ایک مکان بھی تو کسی کا تھا، آج کل خالی ہو تو بس معاملہ چوکس ہے۔

نجبنیا: اچھا لے اب جانے دو، دیر ہوتی ہے۔

معرکے کی چوری

مقام: عقب مکان، وقت: دو بجے شب

ننگو، کریم، رضا، الٰہی، دیبی، بخشو

کریم: ابے بکسو! بھئی کسم جوانی کی، اندھیری میں کیا موکے (موقعے) گھٹیں گے۔ ابے کدھر گیا؟ بتاتا نہیں، سالے دھروائے گا تو نہیں؟

بخشو: ابے چپ، کیا بک بک لگائی۔ اس مکان کے کوٹھے پر سب چڑھو، میرا سب دیکھا پڑا ہے، سیدھی راہ ہے

رضا: ابھی تم نیچے رہو، ہم سب اوپر جاتے ہیں

(ننگو، کریم، رضا، وہبی، بخشو کے پیچھے کوٹھے پر آئے)

بخشو: یہ دیوار ہے۔ طاق پر پاؤں رکھ کر اس پر ہو رہو۔ پس پھر آگے محل کی دیوال ہے

کریم: ابے تو تو اوپر چڑھ، ہم ہی کو بالا بتاتا ہے۔

بخشو: اچھا یوں ہی سہی، لے آؤ۔ ابے بیلچہ کمر سے گرنے نہ پائے۔ لے یار کوئی اور آؤ دیوار اونچی ہے ذری

ننگو: بے اوجار پاس ہے۔ جری سا کھود لے، انگلیاں ٹک جائیں، پھر پنجو تڑپ کے اوپر ہو رہنا

بخشو کھود ہی چلا تھا کہ کانسٹبل نے آواز لگائی، بھلا جوان بھلا سب اپنی اپنی جگہ پر سمٹ رہے اور بخشو بھی دیوار سے سیدھا چمٹ گیا۔ ذری دیر کے بعد دیوار کھود اور پنجہ ٹیک اچکتا جو ہے تو بڑی چھت پر ہے۔ پھر تو رسیوں کے سہارے سب کوٹھے پر تھے۔

کریم: لے بچا، کدھر گئے بتاؤ؟ تمہاری والدہ سر پٹھ کہاں پتا دے گئیں۔

بخشو: یار کریم تمہاری ٹھٹھے بازی ہر جگہ بھلی نہیں معلوم ہوتی۔ آ گو ار مٹی کا پیالہ چھت پر رکھا ہوگا، بس وہی جگہ ہے

ننگو: اے ملا، ملا یہ دیکھ پیالہ دھرا ہے

بخشو: بس لے، بس یہی کوٹھری ہے

کریم: بس اب تو یہیں گجری ایک چھت کاٹی اور بٹا بکسو کو لے کے کچھ نیچے جائیں۔

ننگو: اب کوئی چڑیا کا حامی نہیں بھرتا۔ اجی ہم موجود ہیں لے چلو میاں بکسو

بخشو: نا بھائی، میں نہ جاؤں گا۔ کل کدان کو پکڑ دھکڑ ہو تو میں گھر کا آدمی دھرا جاؤں۔

کریم: سڑی ہے، بارے بات پکی کی۔ اچھا ننگو اور ہم چلتے ہیں۔ ابے جینہ (زینہ) کھلا ہوگا، یہی ہے نا؟

بخشو: ہاں اس نے تو کہہ دیا تھا، میں کھلا رکھوں گی۔ ننگو اور کریم نیچے گئے۔ اتفاق سے دروازہ بند تھا۔ کریم نے نکال کر بڑا چاقو داہنے بازو کی دو اینٹیں کھسکائیں۔ ہاتھ ڈال کے ٹٹولا، تو کنڈی مل گئی۔ کھٹ سے کھول دی پھر کیا تھا، صحن مکان میں تھے، مگر تھوڑی دور آگے بڑھے ہوں گے کہ ایک عورت جو پلنگ پر چت لیٹی تھی، کروٹ لی اور ان کی طرف پشت کر کے خراٹے لینے لگی۔ چور کا دل کتنا، یہ دونوں الٹے پاؤں پھرے۔

ننگو: ابے بکسو، ابے بکسو! کچھ چھت کٹی؟

بخشو: کٹی کیا، یہ بڑا بغارا، ابے دیکھ

کریم: ارے بڑی کھیر گجری۔ ایک چڑیل عین وہیں پلنگ بچائے لیٹی تھی۔ ساید دروجے کی کھٹکار سے یا کیا، جری کنمنائی، بارے منہ پھیر کے سو رہی۔

بخشو: آہا! وہ تو وہی تھی، آج وہ وہیں سونے کو کہتی تھی۔ لے دیا سلائی لانا، اب جھانپ آ گئی۔

کریم: یہ تو اس سے نہ کاٹو۔ لوہا تک ہو تو یہ اڑا دے

(دیبی نے دیا سلائی اور کولا دیا اور جھانپ جلا کر راہ بنائی گئی)

رضا: بھائیو! اب ایک کنگوا نیچے اترے

المختصر دیبی نے رسی کے سہارے نیچے اتر کر دیا سلائی سے بتی جلائی اور خوب خوب توشے خانے کا جائزہ لیا۔ اب آواز لگاتے ہیں۔

دیبی: کریم میاں ہو! لے لو، رسی اٹھاؤ، صندوکچی لیبو۔

کریم: ابے میں بھی آیا۔ دیکھ سیتا کیے لیتے ہیں، مال ہے؟ ابے والے بکسو، دیبی

کریم نے تو یہ صلاح کی کہ بڑے صندوق نہ جائیں گے۔ ان کے قفل، کنجی، کٹوا اور سنسی اور پنچ سے توڑ کر اسباب نکالا جائے اور اوپر ننگو اور بخشو نے رضا کو ہم سائے کے مکان کی چھوٹی دیوار پر بھیجا۔ اب پشت والے مکان میں نیچے تو الٰہی کوٹھے پر رضا اور بڑی چھت پر بخشو، اور توشے خانے میں کریم اور دیبی، اس طرح سے جا بجا متعین ہو گئے جیسے عثمانی پاشا پلونا میں فوج تعینات کرتے تھے، اور حضت لگا مال چلنے جتنے صندوق کھلے اور ٹوٹ سکے، سب کا مال ڈھوڈالا۔ رضا، کریم، بخشو نیچے اسباب سمیٹنے کو اترے۔ پہلی کارروائی یہ ہوئی، حسب معمول چراغ گل ہوا، دو چار چیزیں لے چلے تھے کہ مغلانی کے پلنگ سے ٹھوکر لگی، اس کی آنکھ کھل گئی اور چور چور کا غل مچایا۔

اب چوروں میں بھاگڑ پڑی۔

کوٹھے پر پہنچ کر

کریم: یار، جگ ہر بری ہوئی۔ مسان نہ چلا نہیں تو خوب مال چپرا ہوتا۔

رضا: اے بکسو تو چنپت کہاں ہوتا ہے

بخشو: ابھی آیا

(بخشو چھٹ پٹ یاروں سمیت اسی راہ سے اتر کے پہنچا۔ مکان کے باہر کے حصے میں ڈیوڑھی کے قریب پھوس کا بنگلہ تھا، جھپاک دیا سلائی کھینچ، نہ دیکھا آؤ نہ تاؤ، آگ بتا ہی تو دی۔ تھوڑی دیر سلگتے سلگتے بھق بھق، چٹاخ پٹاخ، دھڑ دھڑ، بنگلہ لگا جلنے۔ جب خوب شعلہ بلند ہوا اور گرمی پھیلی، تو پھر غل تھا، آگ لگی آگ لگی، لینا لینا، پانی لاؤ، ارے جعفر دوڑیو، مدد لینا، محلے والوں کو آواز دو تو چل، میں چل ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ باہر کے مرد گھر کی عورتیں سب اسی کو دیکھنے پہنچیں۔ یہاں سارا مکان خالی، مغلانی اور سیوتی چور چور کرتی ہیں، کوئی نہیں سنتا)

کریم: ابے بخشو! بچا جتھے سے الگ ہوئے جاتے ہو۔ کسم بارہ آنے کی بگڑ جائے

گی

بخشو: ابے گھاس کھائی ہے۔ چھپر میں آگ بگانے گیا تھا۔ سارا محلّہ اسی طرف ہے، لے اب مال لے چل

(سارا مال بہ آسانی و بہ اطمینان اپنی جگہ پر پہنچا، کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی)

مغلانی: ارے لوگو! کیا غضب ہے۔ چیختے چیختے گلا بیٹھ گیا، کوئی سنتا نہیں۔ ارے چوروں مونڈی کاٹوں کو کوئی نہیں پکڑتا۔

بیگم: کہاں کہاں؟ ارے کوئی مردوں کو آواز دے دی

نجبنیا: ناب صاحب تو باہر آگ بجھواتے ہیں، راہ بند ہے، کوئی میری نہیں سنتا، دو دفعہ ہو آئی۔

بیگم: ارے دیکھو کچھ گیا تو نہیں

مغلانی: ارے چھوکری چراغ جلا۔ آج چراغ بھی بڑھ گیا (چراغ جلا اور چیزیں دیکھی گئیں) مغلانی کے سرہانے سے حسن دان ندارد، تسلہ اور لوٹے، سبو دان غائب، طاق کا صندوقچہ نہیں۔ کمرے کھول کر دیکھے گئے، ان کا اسباب چھوا تک نہیں گیا تھا۔ ادھر باہر خدا خدا کر کے آگ بجھی، جان میں جان آئی۔ اب جو نواب صاحب اندر تشریف لاتے ہیں تو نیا افسانہ سنا۔

نواب صاحب: کتنی دیر ہوئی؟ آگ لگنے سے پہلے یا بعد؟

مغلانی: اے حضور! میں عرض کروں۔ وہی میں نے چور چور کا شور مچایا تھا کہ ادھر آگ آگ کا غوغا ہوا۔ میں تو جانوں انہیں میں سے کسی نے لگا دی۔

نواب صاحب: ہاں کچھ عقل نہیں کام کرتی، وہاں آگ کا کیا کام

نجبنیا: جو رپہلے تو میں ہی چونکی تھی، میں تو بڑی دیر سے پکار رہی تھی۔

مغلانی: تو بعد کو اٹھی ہے

نجبنیا: جی نہیں بی مغلانی صاحب! پہلے میں بولی

مغلانی: واہ، جب میری آنکھ کھلی ہے، سارا گھر سوتا تھا

نواب صاحب: اچھا اس بحث سے کیا مطلب۔ کوئی باہر جا کے مدو کو آواز نہیں دیتا۔ ابھی تو سب لوگ موجود ہوں گے، ڈھونڈیں تو، اور صاحب آئے کدھر سے؟

مغلانی: حضور کوٹھے پر سے جاتے تو میں نے دیکھا

نواب صاحب: اری سیوتی لپک کے باہر سے لالٹین تو لا میں اوپر جاتا ہوں۔

بیگم: اور لوگوں کے چڑھاؤ، تمہارے بغیر کیا حرج ہے؟

نواب صاحب: نہیں صاحب میں جاتا ہوں

مغلانی: ہم لوگ کس واسطے ہیں، آپ کا جانا مناسب نہیں۔ میں تو حضور کو اس وقت نہ جانے دوں گی، چاہے ناراض ہو لیجیے

نواب صاحب: سبحان اللہ! کیا کوئی نیا ہو گیا، یا مجھے آپ نے چھ مہینے کا بچہ مقرر کیا۔ میں ایسی واہیات باتوں کو نہیں مانتا۔

اتنے میں لالٹین آئی اور نواب صاحب چلے ہی تھے کہ مدو نے آواز دی۔ ہم حاضر ہیں۔ پردہ ہو جائے تو ہم لوگ کوٹھے پر جائیں

نواب صاحب بھی بیگم صاحب کے ساتھ پردے میں چلے گئے اور بی مغلانی کھمبے کی آڑ سے ہاتھ نکال کر لگیں بتانے

مغلانی: (ہاتھ بڑھا کر) ادھر بیٹھا، ادھر گئے۔ اے لو، جہاں تم کھڑے ہو، اسی طرف تو گئے ہیں۔

مدو وغیرہ: (اوپر سے آ کر) حضور تو شے خانے کی بھی چھت کاٹی ہے۔

بیگم: اری نجبنیا لانا، شگوفہ تو لانا، دیکھ پیاری پاجامے کے کمر بند میں تھا۔

(اب کوٹھری کا فل تو کھلا ہے مگر کسی کو اندر جانے کی جرات نہیں پڑتی)

بخشو: بی مغلانی بڑھو

مغلانی: بی مجھ سے تو اندر نہیں قدم رکھا جاتا

بیگم: ارے سیوتی تو جا

سیوتی: صدقے گئی، بوٹی لرزتی ہے

نجبنیا: ماج اللہ کیسے لوگ ہیں۔ چلو ہم چلتے ہیں، لاؤ چراگ

(اندر سے) اے جور یہ بڑا صندوق کھلا پڑا ہے۔ اے ہے یہ کیا کم بختوں نے پاخان یہیں پھرا ہے، خدگارت کرے موؤں کو

نواب صاحب: ارے یہاں کا سب اسباب اوپر لے گئے۔ وہ دیکھو لوہے کا صندوق تو نہیں کھولا

مغلانی: نہیں حضور نہیں بارے جگہ سے آگوار ذری سرکایا تھا۔

نواب صاحب: اور کمرے تو دیکھو

مغلانی: حضور یہ کام تو کسی جانب کار (واقف کار) کا ہے، باہر کا آدمی بے کسی کے بتائے کیا جانے۔

سیوتی: خدا کی ماران چوروں کی جان کو۔ یہ اس الماری سے تھان اپنے کفن کے لیے لے گئے۔ اللہ کرے ہاتھوں میں کیڑے پڑیں۔ اسی طرح اوتانے چلے جائیں۔

مغلانی: یا خدا ان کا جنازہ نکلے! قسم حسین پیارے کی! یہ علم پٹکے کے چور موئے، غارت گئے، کتنے کو ؤنکی موت مریں گے، حضرت عباس کا علم ٹوٹے گا۔

نجبنیا: خدا کی ماران کی جان کو! موئے دل لینے والے دنیا کے پردے سے ناپید ہو جائیں۔ ارے اس طرح صاف اڑا لے گئے جیسے انہیں کے ہاتھ کا رکھا ہوا تھا۔ لے ہم برسوں کے رہنے سہنے والے، ان اسبابوں سے واکف نہیں تھے۔ میں جانتی ہوں، ان چوروں کے پاس کوئی اس کا بھی جادو ہوتا ہے، سب چیجیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ جب ایک سنڈا سا مردوا کوٹھے پر چڑھنے لگا ہے تو میرے جی میں آیا، موئے کو منھ ہی پر کوسنے دوں جس میں وہ بھی سنے، بارے آگ کے جلنے سے سب بھول

گئی۔ ارے میرے پیٹ میں تو ایسی ہول سمائی کہ جاف آ گیا، جی ڈوب گیا، گھگھی بندھ گئی۔ منھ سے آواز نہیں نکلتی تھی، چو، چو، چو، کہہ کے رہ گئی۔

قصہ مختصر، اتنی رات سے صبح تک چخ چخ رہی، عقل آرائیاں ہوا کیں، کونسلیں گرم رہیں۔ صبح کو حوالدار صاحب اپنے چیلے چانٹے لے کے چوکی سے چلے۔

حوالدار: میاں رمجان ہو! نباب صاحب کیر چوری بھئی، چلیاں ہو چلو

ماتا بدل کانسٹبل: کا حوالدار صاحب نکب جنی (نقب زنی)؟

حوالدار: چھت کاٹی گئی، اور آتش جنی بھئی۔ چلو میاں ہورن کا پلاؤ کلیہ تو کھوب ملی

رمضان خان کانسٹبل: اجی تو کیا تم کو پوریاں نہ ملیں گی؟

حوالدار: ارے ہم پانچ کا کھوس کرے کا، بڑا دل چاہے۔ دوی چار من کھوس تھوڑے ہوت، میں اپسٹر (انسپکٹر) سے ملاکات ہے۔ دھوا دیا ہیں۔ اچھا لے اب بیتائے لیو، چلا جاہی، سراگ رسانی سسر ہمار، جمے پڑی۔ تم جانو، پروتی ہو سارا سہر کنگال ہوئے گا۔ مہنگائی بڑے بڑن کا لپھا پھ کھول دیس۔ پھر تم جانو، کمائی دھمائی کیر بیچ مارا گیا۔ دوی دوی بیگم صاحب رہا چاہیں، چار پانچ اسناؤ، میاں چندو جرور پیا چاہیں، اپھیم اور کھائیں پھر آوے کہاں سے۔ سسری بڑھیا، مہتاری، نوکری کرت کرت چوری کرائے دیت ہیں۔ نوکر رکھت پریاں حوالدار صاحب سسر کا کوئی نہیں پوچھت۔ اب چوری بھئی تو حوالدار صاحب کا بھوگتے کا پڑا، ہمارا سینگ جانے

(یہ باتیں کہتے ہوئے پہنچے ڈیوڑھی پر)

حوالدار: بے تنک نباب صاحب کا اطلاع کر دیو

ولتمن مسر کانسٹبل: میاں کا کھبر کر دیو

حوالدار صاحب: اے ہاں اور کا

نواب صاحب تشریف لائے اور چوری کا مختصر حال بیان کر کے بولے فہرست

اسباب کی پہلے لکھنا مقدم ہے

حوالدار صاحب: اورکا، لے منسی جی! تم پھرس لکھ چلو

نواب صاحب: اسباب تو بہت ہے اور جا بجا پڑا تھا، اس واسطے سب چیزیں یاد نہیں۔ سب ہی طرح کا اسباب رکھا تھا۔ جو جو یاد آتا جائے گا، بتا دیا جائے گا۔

حوالدار صاحب: صاحب جو آوے آوے، اپن سوچ بچار کے لکھائے دیو

نواب صاحب: (اندر جا کر) تھانے کے لوگ آئے ہیں اور ہم سے اسباب کی فہرست مانگتے ہیں۔ بتاؤ کیا کیا لکھا جائے؟

بیگم: کیا خوب! ان سے کہو، ہوش کی دوا کریں۔ اب یہاں کچھ یاد ہے؟ خدا جانے کون کون چیز رکھی تھی، منہ زبانی کیا بتایا جائے۔

نواب صاحب: آخر کچھ تو انہیں لکھا دینا چاہیے۔ فہرست تو قلم بند ہو جائے، آگے جو یاد آئے پھر، لکھا دینا۔ آخر پولیس والے ہیں، ان کو کیا اندازہ ملے گا، کتنے کی چوری ہوئی ہے؟

بیگم: تو یہ عجب ظلم کی بات ہے۔ چیزیں اپنی کھوؤ اور یاد رکھو۔

نواب صاحب: اچھا بڑی بڑی یا قیمتی چیزیں، جو ذہن میں آئے، کچھ تو بتاؤ۔ اب جیسے کپڑے ہیں، صندوق ہیں، برتن ہیں۔ آخر وہ نہ کہیں گے کہ صاحب جو چیز گئی ہے، تم کو نہ معلوم ہونے کی کیا وجہ؟

بیگم: تو وہ کوئی اور دانہ زدے گھر ہوتے ہیں جو تنکا تنکا ہر وقت نظر پر چڑھائے رہتے ہوں گے۔ ذرا سی چیز ادھر سے ادھر ہو جائے تو ان کو فوراً معلوم ہو جائے۔ سینکڑوں چیزیں تو خدا کی عنایت سے گھر میں ایسی پڑی ہوں گی جن کو مدت ہوئی دیکھا تھا، کہیں رکھ دیں، دھیان سے اتر گئیں، اب ان کا کوئی کیا حساب بتائے۔

نواب صاحب: اب تم تو عجیب باتیں کرتی ہو، وہ فہرست مانگتے ہیں۔ اچھا نہ بتاؤ، ہماری بیزار سے، آخر وہ اور کس سے پوچھیں؟

بیگم: یہ ہے تو میری بھی پیزار کی نوک پر۔ لوگو کیا غضب ہے۔ نہ الٹی مانتے ہیں نہ سیدھی۔ لو صاحب! ہمارا ہی اسباب جائے اور ہمیں پر یہ فرق۔ جہاں سے بنے سارے اسبا بکا شمار لکھواؤ ہمارا تو مال گیا، تمہاری عقل بھی چور لے گئے۔

نواب: جاؤ مغلانی، ڈیوڑھی پر جا کے جو جو پوچھیں، جواب لکھواو

مغلانی اور نجبنیا جو اکثر تو شہ خانہ جایا آیا کرتی تھیں، حافظے پر زور ڈال کر جو کچھ یاد آیا لکھا آئیں۔

زنانے میں پردہ ہو گیا۔ موقع واردات پر معائنہ کرنے کو پولیس آیا۔ کون کہاں سوتا تھا۔ کون پہلے جاگا، چور کدھر سے آئے، کوٹھری کیوں کر کھولی، کدھر سے مال لے گئے، کس کس نے دیکھا؟ غرض کہ ان تمام باتوں کی تحقیقات کے بعد حوالدار صاحب بولے نباب صاحب تکسیر معاپھ یو کوئی گھر یا چور ہے۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ بناوا کف کار کے چوری نہیں بھئی۔ تمہرا جن پر سک ہو پھر ماؤ

نواب: (کانوں پر ہاتھ دھر کر) حاشا وکلا۔ میرے نزدیک سب ایمان دار، میں نے کسی کو نہیں دیکھا، میں کسی کا صبر کیوں سمیٹوں

حوالدار: اچھا! بیگم صاحب سے بہتر دریاپھت کیا جائے

نواب: (بیگم صاحب سے) کیوں صاحب، وہ لوگ پوچھتے ہیں کسی پر آپ کو شبہ تو نہیں؟

بیگم: لوگو یہ کیسا تھانہ دار ہے۔ ارے ہمیں سے الٹا پوچھتا ہے۔ کہو ہم کو معلوم ہوتا تو تم تک بات کیوں لے جاتے، ہم آپ کیا کم تھے، یہیں نا ڈیڑھ چلو لہو پی لیتے۔ ارے ہمارے آدمی، ان کو کیا ایسی کم بختی تھی جو ایسی حرکات کرتے۔ اب ایسا اندھیر نہیں ہے

نواب: تو وہ انہیں لوگوں کو کہتا ہے

بیگم: تو اس کے کہنے سے اب سب ہمارے نوکر چور ہو گئے آج تک چوری چکاری

میں نہیں پگڑے گئے۔

نواب: (حوالدار سے) صاحب ہمارے ہاں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے

حوالدار: بھلا آج کل کوئی اور آوا گوار ہے

نواب: نہیں، ہمارے ہاں کوئی آنے جانے نہیں پاتا، نہ ہمارے یہاں دستور ہے۔

ھنوز یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ سب انسپکٹر صاحب گھوڑا چپکاتے تشریف لائے۔ میاں بخشو نے نہایت ادب سے جھک کے سلام کیا اور رکاب تھام کے اتارا۔ قبل اس کے کہ کوئی کانسٹبل آئے، ٹہلانا بھی شروع کیا۔

پولیس کے اخوان الشیاطین سے آپ نے آتے ساتھ ہی مختصر حال پوچھ کے حکم لگا دیا کچھ نہیں، بے گھر کی سازش کے واردات نہیں ہوئی۔ موقع واردات معائنہ کرنے کو روانہ ہو گئے۔ آتے جاتے حوالدار وغیرہ اہل تھانہ سے جو بات چیت ہوئی اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ پولیس کی کاروائیاں جاننے والے بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں، اور دوسرے یہ کہ کسی نے سنا بھی نہیں۔ میاں بخشو بھی جن کو بڑی فکر تھی، مطلق آگاہ نہ ہوئے۔

سب انسپکٹر صاحب نے صاحب خانہ کو مخاطب کر کے بہ آہستگی و نرمی فہمائش کی۔ آپ کے ملازم حاضر کیے جائیں۔ چند لوگ جو خود ہی اس کارروائی کے متجسس تھے، ایک ایک کر کے سمٹ آئے۔

سب انسپکٹر صاحب: بس آ گئے سب لوگ؟

صاحب خانہ: باہر تو یہی لوگ ہیں

سب انسپکٹر صاحب: رات کو؟

صاحب خانہ: اجی کچھ چلے جاتے ہیں

حوالدار صاحب: اور گھر مان بھیتر جون لونڈی، باندی، دائی ھن کا بلاوا چاہی

سب انسپکٹر صاحب: ہاں جناب ان کو بھی

صاحب خانہ: چند لوگ آبرو دار ہیں، وہ شاید باہر نہ نکلیں

بخشو: اب جیسے بی مغلانی صاحب ہیں۔ حضور وہ لوگ تو بیوی زنوں میں ہیں۔

سب انسپکٹر صاحب: اچھا اچھا، کچھ ہرج کا بات نہیں۔ ایک کام کیجئے، زنانے مکان میں کوئی کمرہ خالی کرا دیجئے وہیں پردے کے ساتھ آئیں گی۔ کوئی بے آبروئی کی بات نہیں۔

صاحب خانہ: بہت اچھا، اندر جا کے کہتا ہوں

(یہ کہہ کے محل میں تشریف لائے۔ یہاں بی سیوتی اور نجبن نے نہایت ہول ناک ادا سے کہہ رکھا تھا کہ سارے گھر کی تلاشی ہوگی اور بی مغلانی صاحب بھی نہایت مشوش ہو چکی تھیں)

بیگم صاحب: لوگو، یہ کیا غضب ہے اندھیر۔ ہمارا ہی تو مال جائے اور ہماری ہی تلاشی ہو۔ دنیا میں ہے کیا، مال اور آبرو مال تو رات کو چوروں کے کٹے لگا، اب دن دھاڑے آبرو جو ہے، پلس کے حوالے ہوتی ہے۔

بی مغلانی: حضور بے ادبانہ معاف وہ جو نہیں کہتے ہیں، الٹے چور کوتوالی ڈانڈے، کوئی اپنا ہی مال چرا کے چور چور پکارتا ہے؟ آخر گھر بھر کی وہ تلاشی لینے والے کون

سیوتی: (ٹسوے بہا کے) میں نگوڑی تو خبر بھی نہیں، مجھے تو جا کے صبح معلوم ہوا

صاحب خانہ: ارے صاحب! کچھ سنو گی بھی یا غوغائیون کی طرح سب اپنی ہی کہے جاؤ گی۔ پلس والے کوئی کارروائی بے ہماری مرض کے نہیں کر سکتے۔ وہ تو صرف یہی چاہتے ہیں، ان لوگوں کو جمع کر کے چوری کا سراغ لگائیں۔

نجبنیا: (جو گھر بھر میں بہانے بہانے جلے پاؤں کی بلی بنی پھرتی تھی، بیگم صاحب کے قریب آ کھڑی ہوئی) ہم سے جو پوچھیں گے ہم کہہ دیں گے، یہ مزال نہیں کوئی بے موزب بات کہیں۔ اور جو کان کے دشمن بھرے ہوں تو ہم بیوی پر سے صدقے

بیگم: (جھنجھلا کے) سارے آدمیوں کو پلس سے حلال کروا ڈالو۔ غضب خدا کا، آبرو دار وارینہ، مغلانی اور چوری کی علت میں گرفتار کریں۔ چلو اچھا ہے۔ اسی دن کے واسطے سرکاروں درباروں کا دامن پکڑتے ہیں جو ذرا سی بات ہو بے پوچھے گچھے پھانسی دے دی جائے۔

مغلانی: یہ بھی اپنا لکھا۔ حضور اتنی عمر آئی۔ خدا نے گھر میں سب کچھ دیا تھا۔ نوکر چاکر، دربام، مصدی، داروغہ، ایک چھوڑ چار چار پیش خدمتیں۔ افسوس کی بات ہے مرنے والے مر گئے اور ہم کو ایڑیاں رگڑنے کو چھوڑ گئے۔ موا پلس خدا ان کو غارت کرے، اس کی بھی مجال جو آبرو داروں کا رویاں ستائے۔ یہ کہے وخت کی بات ہے، اب جو چاہے سو کر لے، بے وارثے ہیں۔ آج کو کوئی والی وارث ہوتا تو لہو کی ندیاں بہ گئی ہوتیں۔ میاں اب تمہارے گھر میں بیٹھے ہیں۔ اس سہارے پر نا؟ کوئی افتاد پرے، دامن کے نیچے چھپ رہیں۔ یہاں بھی چین نہیں۔ حضور کو اختیار ہے۔ لاچار بے وارث ہیں۔ مل یہ کہیں گے، سرکاروں کا یہ شیوہ نہیں۔ منجھلے نواب کے ہاں بی جادی زندی پڑ گئی۔ اس کے پہلے واسطے والے مہاجن نے دو چار لنگارے لگا کے گھر بھر میں ستھرائی دلوا دی، تنکا تنکا چن لے گئے، پھر کیا مجال جو بال بیکا ہو۔ کہنے کو تو آج توبہ تصوحا (توبۃ النصوحا) ہو گئی ہیں، پھر رنڈی کس کی جورو، بھڑوا کس کا سالہ، اس پر کیا مجال، اب تو نواب صاحب کی آبرو ہے۔

صاحب خانہ: لاحول ولاقوۃ بیگم اب کہو، ان لوگوں کو بھیجا جائے؟ یہ نخرے تو دن بھر رہیں گے

بیگم صاحب: لاحول بھیجو شیطانوں پر۔ باہر تو بہت سے پلس کے شیطان بلائے ہیں۔ خدا کی قدرت، ہماری باتوں پر کہا جائے نخرے ہیں (رو کے) اب اس سے کیا حاصل، ہم اپنا کوئی آدمی پلس کو نہیں دیں گے۔ وہ مار مار کے کچومر بنائیں۔ ساری من الکوڈ یہیں ختم ہو۔ ہم سے نہیں دیکھا جائے گا۔ صاحب تم مالک ہو۔ میں

نگوڑی کا ہے میں۔تین میں نہ تیرہ میں۔بچے ہمارے بلکتے پھریں اور حاصل حصول کچھ نہیں۔ہم تو ہرگز اپنے کسی آدمی کو نہ دیں گے۔لو صاحب یہ بھی کیا شہر شملہ ہے۔ مال اسباب گیا چولہے بھاڑ میں۔اتنی عمر آئی، جہاں اتنا خرچ کیا وہاں یہ بھی سہی۔ سارے گھر کے آدمی حیران، مفت خدا بے قصور گنہگار بنائے جائیں۔واہ ایسے بے مروت کہیں ہوتے ہیں، میں ہرگز نہ مانوں گی۔اگر جو تم سے نہیں ہوسکتا، ہمارے نوکر خود پلس کی ساری ھیکڑی بھلا دیں گے۔مردود دے تو مردود دے ہیں، مامائیں اگر اپنی والی پر آئیں، مارے جوتیوں کے کھوپڑی پلپلی کر دیں۔

صاحب خانہ: (زچ ہو کے) یہ نہیں معلوم، تم کیا بکتی ہو۔اپنے حواس میں ہو؟ صورت تو دیکھو، چہرے پر ہوائیاں اڑتی ہیں اور یہ سب حشرات ٹکے کے آدمی کے واسطے غضب خدا کا سیکڑوں کی چوری ہو جائے۔عافیت تنگ ہو اور یہ سب مردود کانوں کان خبر نہ ہوں۔دیکھی خیر خواہی اور نمک حلالی ان سب کی۔

بیگم: اچھا تو پھر دلوا دو پھانسی۔کسی طرح کلیجے میں ٹھنڈک تو پڑے۔یہاں کی تو خدائی دوسری ہے۔بے خطا خطاوار سب گنہ گار ہیں۔میں تو عورت ذات ہوں، تم سب کو ایک ہی لاٹھیں ہانکتے ہو۔ایسا نہیں ہوتا، کوئی کس امید پر اپنی ہڈیاں توڑے، لہو پانی ایک کرے۔

صاحب خانہ: (باہر آ کے پولیس سے) حضت آپ کو اختیار ہے۔گھر میں تو کوئی راضی نہیں ہوتا۔

حوالدار: ناہیں حجور آپ کی مرجی پو ہوا چاہے۔جوں آپ پھرمائیں۔کس ہم کارروائی کری۔سیدھی انگلن سے کہیں گھیونکسا ہے؟ آپ جان لیں

صاحب خانہ: بھئی میں کیا کہوں۔مفت میرا گھر لوٹا، اب ذرا ذرا سی بات کے لئے حیران ہوں۔چوری کیا ہوئی، الٹی میری جان کا عذاب ہوگئی

انسپکٹر صاحب: اچھا اب تو آپ اجازت دیتے ہیں، باضابطہ کارروائی شروع کر

وں؟

شیخ صاحب: (سب انسپکٹر سے) میں کہوں آپ سے۔ بس اب اس قصے کو رفع دفع کیجئے۔ آپ کے وہ اختیارات ہیں، جو لکھ دیجئے لفٹنٹی تک تو پتھر کی لکیر ہو جائے۔ اسی لیاقت کے تو صلے میں خدا نے یہ درجہ دیا ہے۔ قلم کے ادنی سے اشارے کی بات ہے، آپ کا احسان عمر بھر نہ بھولیں گے۔

سب انسپکٹر صاحب: یہ جو آپ فرماتے ہیں، محض آپ لوگوں کی عنایت ہے، ضابطے سے مجبور ہیں۔

حوالدار: جابطہ سے جو کوؤ تحلیکات کرے او کا کچھ ڈر نائیں مدا او مکدمہ جرا بینڈا آ ئے پڑا۔

شیخ صاحب: اجی بینڈا وینڈا کچھ نہیں۔ تھانے دار صاحب کے قلم کا ادنیٰ سا اشارہ کافی ہے۔

سب انسپکٹر صاحب: واللہ، قسم وحدہ لاشریک کی۔ آپ یقین جانیے، میرا تو منشا یہی ہے، آپ سب صاحب زحمت سے بچیں۔ کیوں دوڑ عدالت کی پڑے۔ خرابی اس میں پولیس کی۔ پھر مجبوراً ضابطے کی کارروائی کرنا پڑے گی، مہلتیں لی جائیں گی، اچھی طرح تگ و دو کرنا ہوگا۔ نہیں معلوم کون کون جھگڑے اٹھیں۔ خیر، اس وقت تو جاتے ہیں، کل دیکھا جائے گا

مرزا صاحب: ہیں ہیں آپ کو واللہ ہے، ایسا ستم نہ کیجیے گا۔ سارے گھر کو عذاب میں پھنسایئے۔ آپ جاتے کہاں ہیں۔ میں نہ مانوں گا (آہستہ سے) اجی آپ سمجھتے نہیں۔ آئی پر چوکنا نہیں چاہیے۔ کمی بیشی کا خیال ہر جگہ نہیں چلتا۔ جو کچھ سمجھے ہم سب آپ کے غلام ہیں۔ بھلا مجال ہے، آپ لوگوں کو ناخوش کر کے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ حضور کا یہی خیال ہے۔ بھئی کہتے نہیں، پانچے میر پچاسے ٹھا کر، کسی طرح باہر تھوڑی ہیں، آپ کچھ زبان سے فرمادیں۔

سب انسپکٹر صاحب: اجی مرزا صاحب آپ کی بھی کیسی باتیں ہیں۔ میں کچھ کہتا ہوں۔ یہ تو اپنی اپنی خوشی اور ہمت کی بات ہے۔ کافر ہو جو جھوٹ کہتا ہو۔ ایسے معاملات میں اور ایسی سرکاروں میں ایک کوڑی لینا سورمردار کے برابر سمجھتا ہوں۔ عزت آبرو کی قدر عزت والے ہی جانتے ہیں۔ مجھے اس نوکری کی کوئی پروا نہیں۔ چچا صاحب خدا کی عنایت سے تعلق دار ہیں، گھر میں کھانے کو بہت دیا ہے۔

شیخ صاحب: اے حضور! آپ کے فرمانے کی بات ہے، جو نہ جانتا ہو اس سے کہیے۔ ہاتھی تو آپ کے دروازے پر جھولتے ہیں۔ یہ محض شوقیہ نوکری ہے۔

ایک کانسٹبل: اجی تو اپنے مطلب کی کہو۔ واللہ باللہ تو دیر سے ہو رہی ہے۔ پورا تھانہ صبح سویرے سے حیران ہو رہا ہے پانی پیا ہو تو گنہ گار

سب انسپکٹر صاحب: اجی حضت فرصت دلائیے۔ سچ تو ہے آپ کے کام اتنے عرصے سے مصروف ہیں۔ ہم کو ابھی تین میں تحقیقات پڑی ہوئی ہیں۔ دن بھر تو اسی ٹھائیں ٹھائیں میں گذر گیا۔

(صاحب خانہ سے سرگوشی کر کے مرزا صاحب پھر آ گئے)

مرزا صاحب: اے جناب ختم کیجئے اس جھگڑے کو۔ نواب صاحب کہتے ہیں، قسم جناب امیر کی، سردست فی الحال قلم دان میں چودہ پندرہ اشرفیاں باقی ہیں۔ وہ میں نذر کرتا ہوں، اور وہ جو کوڑی میرے پاس نکلے تو کافر مروں

سب انسپکٹر صاحب: بھئی اصل صاف صاف بات یہ ہے۔ دوسو روپیہ تو انسپکٹر صاحب کو بھیجنا ہوگا۔ پھر آخر (سپاہیوں کی طرف اشارہ کر کے) یہ غریب غربا ہیں دو دو چار چار ان کو دینا ہوں گے۔ میں اس رقم کو سورمردار سمجھتا ہوں۔ میں تو صرف درمیانی گنہ گار ہوں۔

شیخ صاحب: حضت جو بات صاف صاف تھی، عرض کر دی واللہ باللہ اس سے زیادہ امکان سے باہر ہے۔ اتنی مہربانی ہم غریبوں پر کیجئے۔ سچ پوچھیے تو یہ بھی نہیں

معلوم کسی وقت سے مہیا ہوا ہے۔نہیں چوروں نے کوئی دقیقہ لوٹنے کا چھوڑا نہیں ہے۔

حوالدار: یوں نہ کہو سیک صاحب۔ہاتھی لاکھ لٹا سوا لاکھ ٹکے کا۔انھیں کلم دان کا کونہ جھاڑیں، ھجارن اس پر بھی کھن کھنائے کے نکس پڑیں (قہقہہ لگا کے)

شیخ صاحب: ارے بھائی تم سمجھتے نہیں ہو۔ایسی ہی مجبوری ہے۔نہیں واللہ یہ تو وہ سرکار ہے ہزاروں سے منہ موڑنے والی نہیں (انسپکٹر کی طرف مخاطب ہو کے) کیوں حضرت حکم ہے ابھی تو چٹ پٹ معاملہ ہوتا ہے

(سب انسپکٹر خاموش)

صاحب خانہ: (شیخ صاحب سے) کہیے، سب ٹھیک ہو گیا؟

شیخ صاحب: مبارک ہو۔صدقہ دیا رد بلا، مگر تھانہ دار صاحب چلتے چلتے کہہ گئے ہیں۔ایک تحریر لکھ دیجئے کہ کسی پر دعویٰ شک نہیں۔ مال مسروقہ گھر میں بازیافت ہوا۔

صاحب خانہ: اجی شیخ صاحب! آپ سے میں کیا کہوں۔عجیب مصیبت میں جان تھی۔کہنے کی بات نہیں۔بڑی خیریت ہوئی، ورنہ خانہ بربادی ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔آپ جانیے سکو کی جان ہی کیا۔اس نے روتے روتے جان ہلکان کی۔اس کو دیکھ دیکھ کے ماں اپنی جان دیے دیتی تھیں۔پھر خیال کیجئے رات دن کا آرام چین کس کو نصیب ہو سکتا ہے۔بس میری ہی جان پر بن جاتی۔بیگم اپنے حواسوں میں نہ تھیں۔آنکھوں سے باران برستا تھا اور کھانا پانی کیا چیز ہے۔مردود ہوا۔امام حسین کو اپنے ہاتھ سے شہید کرے جو ان کے ہاتھ کی گلوری تک نصیب ہوئی ہو۔گھر کا سارا انتظام درہم برہم۔کس کا کھانا پینا، کہاں کا آرام۔بڑی خیریت ہوئی۔آپ سمجھتے نہیں، اب یہاں یہ دقت آپڑی تھی کہ تھانے میں رپٹ تو ہو گئی۔اگر تحقیقات پولیس سے پہلو تہی کی جاتی ہے تو اخفائے واردات کا جرم عائد ہوتا ہے۔

بیگم تو عورت ذات ہیں، وہ کیا جانیں۔ بہت مار میں آدمی تو بہ بھول جاتا ہے۔ ان کے آئے حواس گئے۔ ان کو تو صرف رونے پیٹنے سے مطلب۔ وہ تو اچھی خاصی پاگل تھیں۔ ان کو دیکھ دیکھ کے میرے ہاتھوں کے طوطے اڑتے تھے۔ آپ ایک کام کیجئے ذری تھانے میں جا کے فوراً درخواست دست برداری داخل کیجئے۔

شیخ صاحب: بڑی دور کی بات حضور نے فرمائی۔ ابھی تو تھانے پر غلام جاتا ہے

(نجبنیا اور خدا بخش کا تخلیہ)

نجبنیا: کیوں جی؟ تم کو اپنے وعدے یاد ہیں؟ میں تم سے کہوں، اب اس گھر میں جی نہیں لگتا۔ خدا وہ دن لائے، کہیں اپنے چین سے بیٹھیں۔

خدا بخش: اجی تم کو تو ہر کام کی جلدی پڑ جاتی ہے۔ ابھی تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔ پھر ایکا ایکی چھوڑ بھی تو نہیں سکتے۔ نہیں معلوم ہاتھی چھوٹے، گھوڑا چھوٹے، تم ابھی بلبلائے جاتی ہو۔

نجبنیا: تمہارے سب کام ڈھیل ڈھال کے ہوتے ہیں۔ یہاں گھڑی بھر میں گھر جلے، اڑھائی گھڑی میں بھدرا۔ ایک ایک لمحہ بھاری ہے۔ تمہارا تیل نہ معلوم کب نکلے گا۔ ہاں یہ تو بتاؤ، حصے بخرے بھی ہو گئے؟ سچ کہنا، تجھے میری زان (جان) کی قسم، ہمارے حصے میں کیا پڑا۔ دیکھو جو جو چیز ہم نے پہلے سے لے لی ہے، کسی کا داعیہ اس پر نہیں۔

خدا بخش: اچھا صاحب تمہارے واسطے تو مال کیا چیز ہے، جان تک حاضر ہے۔ ذری چھری تلے دم تو لو، اس قدر مارے جلدی کے پھڑ پھڑائی کیوں جاتی ہو۔

نجبنیا: (ہنس کر) یہ پرکٹی کہیں اور اڑائیے۔ وہ نہیں کہتے، یہاں اڑتی چڑیا کے پر گنتے ہیں۔

خدا بخش: اچھا تمہاری مرضی کیا ہے؟ کچھ خلاصہ کہو تو سہی

نجبنیا: ہم تو خلاصہ کہہ چکے ہیں۔ یہاں تلوا نہیں لگتا، طبیعت ہی تو ہے، اچاٹ ہو

گئی۔ جہاں سے زی اچاٹ ہوا پھر رسیوں سے باندھے رہنے کی نہیں۔ چاہے کوئی زوارات (جواہرات) کا نوالا کھلائے، موا مٹی کے برابر۔ بتاؤ کیا حصہ پڑا؟

خدا بخش: لے اب لمبی چوڑی باتوں کا موقع نہیں ہے۔ تو کیا تم سچ مچ ہی نکلنا چاہتی ہو؟ اگر جو ایسی بات ہے تو ہمارا بھی یہاں ٹھکانا نہیں۔ یار لوگ بھی سائے کی طرح اپنی چڑیا کے ساتھ ہوں گے۔ یہاں کی نوکری چاکری کیا، نہ شد نہ شد۔ مجھ کو خدا کی مہربانی سے پروا نہیں۔ وہ رزاق ہے، کہیں اور مزدوری کر محنت کریں گے، چین سے تو رہیں گے۔ ادھو کا لینا نہ مادھو کا دینا۔ اپنی نیند سوئیں گے، اپنی نیند جاگیں گے۔

نجبنیا: ایسے چونچلے تہ کر رکھو۔ میں بچاری کاہے میں۔ وہ تمہاری ماجائی (مسکرا کے) تم کو کاہے کو چھوڑنے لگی۔ اس کے لہو کا زوش (جوش) خدا نہ کرے کم ہو۔ وہ تو سرکار میں بھی آ چکی ہے۔ میں تم سے کیا کہوں، کیا کیا نخرے دکھانے تھے۔ بہت کچھ ٹسوئے بہائے، اگر آج خدا وہ دن لائے، ہمارا تمہارا ساتھ ہو تو دوسرے ہی دن یہاں آ کھڑی ہوں گی۔ پھر تو خوب گ جی کھول کے جو منہ میں آئے گا ہمارے تمہارے دھاڑے کریں گی۔

خدا بخش: (تہیے میں آ کے) اجی اس چڑیل کی کیا مجال اس کو تو سمجھو مدت سے چھوڑے بیٹھے ہیں۔ وہ تو سمجھو بچے ہو گئے، نہیں اس حرام زادی کو کل ہی جھونٹے پکڑ کے نکال دیتا، گلی گلی بھیک مانگتی پھرتی۔ نواب صاحب بیگم صاحب ہیں، اپنی گھر کے ہیں۔ کیا ہر ایک کے گھر کے مالک ہیں؟ ان کا داعیہ ہی کیا۔ بہت مہربانی کی روپے دو روپے دے دیے، پڑی کھایا کرو۔ سو وہ بھی جب آدمی انسان ہو۔ وہ چڑیل تو دم بھر تہ دلی سے گھر میں بیٹھنے بھی نہیں دیتی۔ میں تو یوں بھی کب کی فارخطی دے چکا ہوتا۔ اب تو تم سمجھو، دس پانچ روپے کچہری دربار میں بھی خرچ کر سکتا ہوں۔ اب بھلا مجھ سے دون کی لے کے کہاں رہیں گی۔

نجبنیا: کہنے اور سننے میں بڑا فرق ہے۔ جو تمہیں گن کے ہوتے تو ہم آج ان دھاڑوں کو کیوں پہنچتے۔ خیر ہمارا بھی خدا ہے۔ اب تو جو ٹھن گئی وہ ٹھن گئی۔ برا نہ مانو تو سچی کہوں؟ جہاں انہوں نے ایک حقے کی چلم بھر دی اور پینک میں پنجہ منہ سے لگا دیا، جیسے بچے کے منہ میں چھاتی، بس تم ریشہ خطمی ہو گئے، پھر وہی چڑیل تمہاری نانی دادی ہے۔

خدا بخش: (جھینپ کے) تم کیسی باتیں کرتی ہو۔ تم کو منظور کیا ہے؟ کیا ابھی جا کے اس کو نکال باہر کروں؟ تمہارے کلیجے میں ٹھنڈک پڑے۔

نجبنیا: واہ میری الٹی کے سمجھنے والے آج تم ہوس میں ہو؟ ہوس کی دوا کرو۔ چار دن فصدیں کھلواؤ۔ لو صاحب چلے ہیں اس کو گھر سے نکالنے۔ واہ واہ، تم کو افیم گھولنے، چنڈر بنانے کے سوا رتی بھر کسی بات کی جو اٹکل ہو۔ اگر جو میں بات کہتی ہوں، تم نے ایسا ہی کیا تو میری چوٹی منڈواؤ گے۔ اور تم کو کیا، ناک کٹی شلامٹ، کان کٹی مماک، ذری سوچ سمجھ کر بات کرنا چاہیے۔ دیکھو ہم بتائیں کوئی مکان کسی غلی میں کرائے پر لو۔ کوئی دن سو بیتے سے ہم یہاں سے اٹھ کھڑے ہوں۔ تم کھڑے ترے آجایا کرنا، سودا شلف دے جانا، کانوں کان کسی کو معلوم بھی نہ ہوگا۔

خدا بخش: اچھا جو کہو منظور (چھاتی ٹھونک کے) اگر جو نکل جائیں تو اپنے باپ سے نہیں

نجبنیا: اچھا تو اب پکی ہو گئی؟ کھاؤ قسم

خدا بخش: اور نہیں کیا۔ کل ہی سے تم مکان لو۔ جیسا کہو ویسا کروں۔ کیا مجال جو کانوں کان کسی کو خبر ہو۔ اجی ایسا چھپایا ہو جیسے بلی اپنے گوکو

نجبنیا: مگر دیکھو، تم ابھی نوکری نہ چھوڑنا۔ جب ہم کہیں تب ایسا امر کرنا

خدا بخش: اچھا مجھے کیا، جو کہو وہ کروں۔ اب تو میں نے تم کا اختیار دیا ہے۔ اگر جو کسی بات میں نکل جائیں تب ہی کہنا۔ کول مرداں جان دارد

نجبنیا: اچھا جو یہ ہے تو بائیں ہاتھ کا کھانا حرام ہے جو کل شبیرے مکان تلاش نہ کرو۔ ہم کل ہی اوٹھ کھڑے ہوں، کہاں کا جھنجھٹ نکالا ہے۔ بس تمہاری زان کی کسم! اس تنوں جائیں جیسے صابن سے تار نکلتا ہے

خدا بخش: بھلا میں بھی سنوں کس موجب؟

نجبنیا: کش موجب اش موجب پر نہ جانا۔ میں جو اپنی والی پر آؤں، کشی کو خبر بھی نہ ہو

خدا بخش: یا اللہ معلوم تو ہو کس ترکیب سے؟ کاہے سے؟ تم ہو بھئی چالاک، عقل دار آدمی

نجبنیا: بس ایک بات کی انتجاری ہے۔ مکان تم تالاش کر دو، پھر یہاں کھڑے پیساب بھی نجبن کا نہ دیکھو گے۔ مگر ہاں اتنا کرنا۔ دس گیارہ بجے رات کو ڈیوڑھی کے پھاٹک باہر کسی کونے میں راستے گلی میں لیٹے رہنا۔ ہم چادر موجہ کیے نکلیں گے، اس تم فورون آموزود ہونا پھر وہاں سے جو بندوبست ہو سکے۔ چاہے پاؤں پاؤں ساتھ چلیں۔ نہیں آگے بڑھ کر ڈولی کر لینا۔ تم ساتھ ہونا، کشی مکان میں جا کر اتار دینا

خدا بخش: اچھا، مگر یہ بھی تو کہو، جاتے جاتے کھانے پینے کا کیا بندوبست ہو گا۔

بندہ بشر ٹھہرا۔ ارے ہاں، پھر تو جو بندوبست ہو گا، اپنے سو بیتے ہی سے ہو گا۔

نجبنیا: ہم کیا جانیں۔ یہ شب باتیں تمہارے کرنے کی ہیں۔ ہاں شاتھ اپنی گٹھری جوٹوم چھلا مل سکا یا موکع چلا تو ادھر ادھر کی پڑی گری بچ جو لوگوں کی نظر سے بچی، ساتھ ہو گی، بگل میں یا چلتے وخت ہاتھ میں آئے۔ باکی چھریدہ دم نغد جس میں کوئی الجھاؤ، روک ٹوک نہ ہو شکے۔ رہ گیا ڈیوڑھی بان، اس کو چیتے یار بنالیا ہے۔ ایک تو شوتا بن جائے گا اور اگر کچھ کن منایا بھی تو روک ٹوک کرے کیا مزال

خدا بخش: اچھا لے اب پکی ہو گئی۔ لانا ہاتھ چوڑی والا۔ واللہ کیا سوچی ہے، مانتا

ہوں استاد

نجبنیا: چل ہٹ (نخرہ کر کے) تیری انہیں باتوں سے ہم گھبراتے ہیں۔ لے اب جاتے ہیں، باتوں باتوں میں بڑی دیر ہوگئی، ایشانہ ہو کوئی چرچے۔ جانو مگلانی ایک کی پچھلی پائی۔ نٹ کھٹ، کھڑی گائے میں کیڑے ڈالتی ہے، خدا گارت بھی نہیں کرتا۔ ارے ہم کو کیا، ہم تو جاتے ہی ہیں، اپنی قسمت کو جھیکیں

خدا بخش: اچھا لے خدا حافظ، امام ضامن کے حوالے۔ لے اب کل کا وعدہ یاد رکھنا۔ میں صبح منہ اندھیرے سے مکان کہیں نہ کہیں پیدا کر کے رہوں گا۔

ساتواں باب

خدا بخش: (ایک اکہ والے سے) کیوں یار اکہ کرائے پر کرو گے؟

ہم کو کوئی آٹھ نو بجے رات کو سواریوں کے واسطے ایک اکہ درکار ہوگا۔ اگر جو تم سے طے ہو جائے تو اس سے بہتر کیا۔ بس اس چوراھے پر تمہارا اکہ ملنا چاہیے، ہم کو دآ کے لے جائیں گے۔ خالی تم کو اتنا کرنا ہوگا، یہاں موجود رہو، تمہارا نمبر کیا ہے اور یار تمہارا نام کیا ہے؟

اکہ والا: ہاں کریں گے۔ کرایہ کیا ہوگا؟ جہاں کہو وہاں کھڑا کریں اور جو محلے کا پتا بتا دو تو وہیں پر آن موجود ہوں۔ پیٹ بھر کھانے کو ملے۔ ارے ہاں نہیں کہتے ہیں۔ گھوڑا گھاس سے یاری کرے گا تو کھائے گا کیا؟ ہم کو کیا، ایک آنہ تک حلال کا ہے، باکی تو مالک کا ہے

خدا بخش: ارے میاں خوش کر دیے جاؤ گے۔ تمہارا گھوڑا بھی کھائے، مالک کا بھی پیٹ بھرے اور تم بھی مزے اڑاؤ۔ کچھ نشہ پانی سے شوق ہے تو اس کے واسطے بھی موجود ہیں۔ بھئی ہم کام لیتے ہیں تو خوش کر کے۔ پیسہ دو پیسہ کی کوئی بات نہیں ہے، ہاتھ کا میل ہے

اکہ والا: ہم ہر طرح سے آپ کے نوکر ہیں۔ ایسی سواریاں ہر ہفتے تو ملتی نہیں۔ ایسا تیج پہنچاویں گے، طبیعت اندر سے خوش ہو جائے۔ ابھی اس دن سوندھی ٹولہ کے ایک مہاجن کو لادا۔ عالم نگر، خیال کرو اور چار بھاگ کا اسٹیشن ریل چھوٹ گئی تھی۔ کسم جوانی کی ریل اسٹیشن پر آنے سے دس منٹ پہلے کھٹ سے سواری پٹکی۔ لالہ کھوس ہو گئے۔ بے مانگ جیب سے ایک چونی ہاتھ دھری اور چھ آنہ کرایہ گھاتے میں

خدا بخش: اچھا نام تو بتاؤ۔ آخر کس پتے سے تم کو یہاں ڈھونڈ ہیں

اکہ والا: جی نام ہمارا تو دھلو ہے۔ اکے کا نمبر یہ دیکھیے (پگڑی دکھا کر) بس گراٹو

ہے۔ہم کھودا انتظاری میں ہوں گے۔بس نو بجے سے آپ جب چاہیں آئیں،ہم کو یہیں پایئے گا اور جو نہ ملیں تو سامنے والی ساکن کے یہاں چلم اڑانے ہوں گے۔ کھدا سلامت رکھے، رات دن کی محنت ٹھہری، جو اتنا نسہ پانی نہ کریں تو پھر رات دن کیوں کر کام کر سکتے ہیں۔اور ہاں حضور! یہ بھی بتلایئے کہاں جانا ہوگا؟

خدا بخش: ارے میاں جانا کہاں، یہیں دو قدم پر۔ یہاں سے بڑھ کے یہ جو سیدھی سڑک ہے، آگے بڑھ کے نکڑ ہے حلوائی کی دکان ہے۔بس موڑ سے دھنی طرف اکہ گھمالیا، اس سے آگے چل کر کلیا ہے، سب وہاں سواری تم اوتار دینا۔ایک بھلے آدمی اشراف ہیں، کہیں کے منشی ہیں کچہری میں، باہر کے رہنے والے، بال بچے بھی ہیں۔ان کو ایک انا درکار ہے، بس انہیں کو سوار کر کے پہنچا دینا ہے۔اللہ اللہ خیر سلا۔بس جو مانگو دیں گے۔مگر بھئی ایک بات ہے، جلدی ان کو بڑی ہے، آج تین دن سے لڑکے نے دودھ نہیں پیا۔

اکہ والا: لے بس اب سب سمجھ گئے۔اب ہم آپ کا رستہ دیکھیں گے، سو کام چھوڑ کے۔اگر کوئی سو روپیہ بھی دے گا، پیشاپ کرتے ہیں۔کسی آدمی اسراف کو دھوکہ دینا کون ایمان دھرم کی بات ہے۔کھالی ایک روپیہ دے دیجئے گا۔

(میاں خدا بخش مع نجبنیا کے 10 بجے رات کو آئے اور سوار کر کے مکان تک جا پہنچے۔اکے والے کو جیب سے نکال کے روپیہ دے دیا اور اپنی طرف سے چار آنے انعام دے دلا کر رخصت کر دیا)

نجبنیا: (مکان میں اتر کے) ماج اللہ، کتنی دور ہے۔موئے اکہ نے زان ہلکان کر ڈالی، پھلیندوں کی طرح بگھار کے رکھ دیا۔آدمی کا پیساب نکل جائے۔تم بھی اکہ میں بیٹھے تھے، نہیں تو کہیں راستے میں گر گئے ہوتے۔اور موئے اکہ پر چڑھنا اترنا زان زوکھم ہے۔وہ تو کہو ھمک کے ہم چڑھ گئے پھر بگل میں یہ گٹھری اپنی طرف تمہاری زان لوگی ہوئی، مارے ہچکولوں کے کچومر نکلا جاتا تھا۔کون لوگ سوار ہوتے

ہوں گے۔ سارے پنڈے سے دریاؤ کی طرح پسینہ بہتا تھا۔ سب کپڑے شرابور ہو گئے (مسکرا کے) ایسا معلوم ہوتا تھا کسی بچے نے پیساب کر دیا۔

خدا بخش: اجی یہ کیوں کہتی ہو۔ لے بس اوٹھو، نہا ڈالو۔ ہم سمجھ گئے۔

نجبنیا: (قہقہہ مار کے) واہ! کھوب سمجھنا ہے آپ کا۔ نہائیں ہمارے دسمن یہ تم نے گھر کیا لیا ہے۔ موئے کیدی کھانے میں کید کیا۔ نہ کہیں پلنگ نہ پیڑھی۔ اندھیری گھر میں کیسے رہنا ہو گا۔ مجھے تو خفگان ہوت ہے، لے اب پانی کہاں سے پئیں۔ ارے تم نے ایک گھرا بھی نہ بھر رکھا۔

خدا بخش: لے اب تو رات کی رات سو رہو، کل دیکھا جائے گا۔

نجبنیا: کیا شونا، یہاں اپنی زان کو پڑی ہے بھلا کھیال تو کرو۔ آدمی کے رہنے کا مکان ہے؟ کوٹھریوں سے چڑیلیں نکل رہی ہیں، دلان کے در میں یہ بڑا بھوت سر نکالے جھانک رہا ہے

خدا بخش: اچھا ذرا دل مضبوط کرو، میں ابھی کہیں سے تیل دیا سلائی لاتا ہوں

نجبنیا: یہاں پیاش کے مارے دم پر بنی ہے، اچھی خاصی کربلا ہے۔ اور تم کو کیا کہوں۔ اچھا جو اگر گئے بھی تو اس گھر میں ہم ٹھہریں گے؟ لو صاحب یہ اکیلا چھوڑ کر بازار جائیں گے

خدا بخش: میں کہتا ہوں تم کو ہو کیا گیا۔ کوئی چڑیل تو سر پر نہیں آ گئی ہے؟ خود ہی کہتی ہو اندھیرے میں جی گھبراتا ہے، پیاس کے مارے دشمنوں کا برا حال ہے۔ اچھا اب تمہیں بتاؤ اور یہ تو ہو نا نہیں، دو اندھوں میں ایک پیسہ کہتے ہوئے بازار میں نکلیں

نجبنیا: خدا نہ کرے، دسمن، مدعی مل اتنا کہوں گی، ہو تم بڑے عکل دان یہ جو تم نے گھر تلاش کیا، رکھو اس میں اپنی چڑیل کو۔ میں تو زوتی بھی پیساب کرنے نہ آئے۔

(یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ پڑوس سے ستار کی آواز اور درباری کی تان کان میں

پہنچی۔ بی نجبنیا اچک کے ٹوٹی دیوار پر ہو رہیں۔ وہاں دس پانچ زد دوزی بنانے والے گنڈے رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ میاں بخشو کو جو مہلت ملی، جھٹ دروازے کے باہر نکلے بازار کی طرف اور جس طرح بنا، سامان روشنی اور مٹی کی بدھنی میں مسجد سے پانی لے آئی)

نجبنیا: اچھی سزا دی تم نے۔ پہلے منہ چومتے گال کاٹا۔ راج کرے ایسا گھر۔ تمہیں کو یہ گھر مبارک رہے۔ کل سویرے شب شے پہلے مکان بدلو۔ ہم دم بھر ٹھہرنے سے رہے۔ گھر ہے موا بھوت خانہ۔ اور یہ تو بتاؤ تم، غضب خدا کا عورت مانی کو سڑوں ٹوں ڈھنڈھار گھر میں چھوڑ چلے کہاں گئے تھے؟ اگر کوئی نعوج باللہ ہو جاتا؟ ہو نہ ہو گھر گئے ہو گئے

خدا بخش: تمہاری باتوں سے گدھوں کو بھی بخار آتا ہے۔ ارے نادان کچھ سمجھتی بھی ہو (ڈبیا اور دیا سلائی وغیرہ سامنے پھینک کے) اس کے لیے گیا تھا۔ تم تو نہ اس وقت پانی کے اوپر ہو نہ پانی کے نیچے۔ لے بھلا اس مکان میں کوئی آ سکتا ہے؟ دن بھر کی تلاش میں تو گوشے میں مکان لیا، اسی واسطے جس میں کوئی کانوں کان خبر نہ ہو۔ دیکھتی نہیں، محلے میں سناٹا ہے۔ سب لوگ محلے میں سو رہے ہیں۔ کسی کو کیا معلوم، اس وقت کوئی اس محلے میں نیا آدمی بھی ہے۔ اور تم ہو بے فائدہ سہمی جاتی ہو۔

نجبنیا: اچھا چھا، زامے سے باہر کیوں ہوئے جاتے ہو۔ پانی بھی لائے؟ مارے پیاس کے دم پر بنی ہے

خدا بخش: سبھی کچھ ہے۔ گھر میں روشنی تو کرو۔

نجبنیا: لے اب بیٹھیں کہاں؟

خدا بخش: سارا گھر پڑا ہے اور تم کو کہیں جگہ نہیں ملتی کنوئیں کی جگت زری اونچی سی ہے، بس اسی پر بستر الگاؤ

نجبنیا: (ٹھنک کر) نا بابا، ہم سے نہ ہوگا۔ نیند کا معاملہ، شوتا موا برابر۔ کل کدان کو کہیں کروٹ لی، گڑاپ سے اندر واہ! اچھی صلاح بتلائی۔ ہماری کم بخت نیند ایسی شوئے تو مردوں سے شریط باندھ کے تن بدن کا ہوش نہیں۔

خدا بخش: اچھا صاحب، رات تو کسی طرح کٹے، صبح کو سب طرح ٹھیک ٹھاک ہوئی جائے گا۔ بارہ بجے ہوں گے؟

نجبنیا: اف فوہ، رات پہاڑ ہوگئی۔ آج کی رات بھر عمر بھی یاد غار رہے گی

خدا بخش: اجی یہی سوتے جاگتے کٹ جائے گی۔ تمہارے پانی دان میں کوئی پان تو نہ ہوگا؟

نجبنیا: (شانے پر ہلکا سا تھپڑ مار کے) خدا کی سنوار تمہارے پان پر۔ لو صاحب پان کی بڑی فکر تھی۔ اپنی زان لے کر خدا جانے کس جتن سے آئے ہیں اور ان کے لیے گلوریاں چاہیں۔ خدا کل چین سے بٹھائے گا، شب شادمان ہو جائے گا۔ تم نے وہی مثل کی جیسے ایک رشتے میں ایک کنواں تھا۔ اندھیرے میں ایک بنیا گر گیا۔ خدا کی سان کہیں شے تمہارے بھائی افیمی بھی اونگھتے چلے آتے تھے۔ وہ بھی آشی میں آ رہے۔ آنکھ جو کھلی، دیکھتے کیا ہیں ایک جنے اور ہیں۔ ارے بھائی تم کون؟ آش نے کیا بنیا، تو آپ آش شے کیا پوچھتے ہیں، بھائی اش وخت تمہارے پاش تھوڑا شا گر تو نہ ہوگا۔

بش ایسی ہی باتیں تمہاری ہیں۔ لے بھلا پان پتے کا یہاں کیا جکر۔ افیون کی ڈبیہ جیب میں تو رہتی ہے۔ گھولو اور رات بھر جہر مار کرو۔

خدا بخش: اچھا یہ تو ہوتا ہی رہے گا۔ لے اب تھوڑی دیر شو رہیں

(میاں خدا بخش تو کمر سے چادر نکال زمین پر درز ہو رہے، اور بی نجبنیا کو نیند کیوں آنے لگی۔ اس وقت تک دیوار پر بیٹھی جی بلاتی ہمسرو دخانہ ہمسایہ کا لطف اٹھاتی ہیں جب تک وہاں بھی سناٹا ہو گیا۔ تھکی ماندی تو تھی ہی گٹھری کا تکیہ لگا کر یہ بھی دو ایک گھنٹے کے واسطے کہیں پڑ رہیں)

آٹھواں باب

نواب صاحب کا محل خانہ

بی مغلانی: نجنیا! نجنیا! اے لو، بی بنو ابھی آرام خاص سے بیدار نہیں ہوئیں، نماز کا وخت جاتا ہے، ذری مجھے پانی دیتی۔ اری سیوتی تو ہی جگا دے، میری نماز قضا ہوتی ہے۔

سیوتی: نجنیا تو ہے نہیں، حاضر ورگئی ہوگی، تو میں پانی اٹھا کے دیتی ہوں

مغلانی: (انتظار کر کے) لڑکی آج نکلتی ہے نہ کل۔ آج تو اس نے ٹھیکہ لے لیا۔ میری نماز قضا ہو رہی ہے۔ اری سیوتی زری آواز تو دے

سیوتی: کیا اندر سے سنتی نہ ہوگی

مغلانی: یہ تو نئی ہوئی۔ دیکھوں بیگم صاحب بیدار ہوئیں، جا کے ابھی تو کہتی ہوں۔ مجھے ایسی ذرا ذرا سی شکایت کرتے تامل ہوتا ہے۔ میری عادت نہیں، مگر آج تو حد کر دی۔ آج سر منڈرا کے گدھے پر سوار کر کے نکلوا نہ دیا ہو تب میں اپنے نام کی

سیوتی: آپ تکلیف نہ کیجئے، میں خود ہم دم لیے جاتی ہوں

بیگم صاحب: (اچانک آ کے) کیا ہے بی مغلانی؟ تم کو بھی اسی نگوڑی چھوکری کا دکھڑا رہتا ہے۔ ایسا کسی آدمی کو نکو نہیں بناتے۔ کہیں سو گئی ہوگی۔ روز تو تمہارے واسطے وضو کا پانی رکھتی ہی ہے (آواز دے کے)

نجنیا! نجنیا! آئیں، کہاں چلی گئی!

مغلانی: اے حضور! میں کچھ کہتی تھوڑی ہوں، ہوگی کہیں یہ بھی سیوتی کی بات تھی (یہ کہہ کے وضو کرنے لگتی ہے)

(انتظار کر کے)

بیگم صاحب: (کسی قدر اضطراب کے ساتھ) اے جی! اے جی! سنا تم نے، آج نجنیا نہیں بولتی۔ اس کا قاعدہ تھا، کوئی جاگے یا نہ جاگے، وہ کھٹ سے اٹھ بیٹھتی تھی۔

آج تعجب ہے، کہاں پڑی سوتی ہے؟

نواب صاحب: اجی ہوگا بھی۔ تم کو انہیں باتوں کی فکر رہتی ہے۔ اگر مر گئی یا چلی گئی یا شرارت سے نہیں بولتی تو میں کیا کروں۔ تلاش کراؤ جائے گی کم بخت کہاں۔

بی مغلانی: (سلام پھیر کے) اے حضور! میں تو اس چھوکری سے پہلے ہی دن سے کھٹکی ہوئی تھی۔ ہو نہ ہو کسی دن کوئی اوشغلہ ضرور اٹھے گا۔ یہ دس دس بجے رات تک خدا بخشا سے کن پھسکیاں اوپر ہی اوپر جائیں گی؟ بے ادبانہ معاف، ایک ہی چربک چھوکری ہے۔ میں تو اس کی چتون سے کانپتی ہوں۔ یہ کہو میری عادت ہر بات میں کھڑپنچ نکالنے کی نہیں ہے۔ جب موقع ملتا تھا مجھ نگوڑی کی گٹھری پر ہتا صاف کرتی تھی۔ اور طلا دانی پر آئے دن ہتا صاف کرنا تو بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ جب دیکھا ویران پڑی ہوئی ہے۔ میرا تو یہ حال، ایک ایک سوئی جوڑ جوڑ کے جمع کرتی ہوں اور اس کالسوڑھیا ہاتھ جہاں لگا سب کا صفایا۔ نہ معلوم کیا کرتی ہے۔ کچھ نہیں، مجھی کو ستانے کے لیے ادھر سے ادھر نکال کر پھینک دیتی ہے۔ آخر جب سینا پرونا کچھ نہیں تو پوچھو سوئی دھاگے سے کیا کام؟ ابھی اس دن چار پیسے کے الگ جالندھری گولے لیے تھے۔ سینا نہ پرونا، جو بالشت بھر ڈورا میں نے کسی کام میں لگایا ہو تو قسم لے لو۔ کل جو دیکھتی ہوں تو سب کا صفایا۔ رتی بھر آنکھ میں گھس کے لگانے کو نہیں۔ ایک دو ٹانکے لگانا تھے، کیسی حیران ہوئی، میرا ہی دل جانتا ہے۔ جو کچھ کہتی ہوں، بیگم صاحب سے ایک کے چار لگاتی ہے۔ جی مسوس کے رہ گئی۔

سیوتی: نیکی پڑے نجبنیا پر، کہاں غائب ہوگئی۔

بیگم: (متوحش ہو کے) اری سیوتی میرا صندقچہ تو لا۔ اب تو مجھے بھی شک سا ہو گیا۔

(سیوتی سب جگہ ڈھونڈتی ہے، کہیں پتا نہیں)

مغلانی: چلو یہ بھی اس کے کٹے لگا، خوب ہاتھ مارا، اے حضور (نواب صاحب

ہے) ابھی جلدی تک دو کرنا چاہیے، ابھی سویرا ہے

نواب صاحب: لاحول ولا قوۃ بھئی تم لوگوں نے تو ناکدم کر دیا۔ حقے کے دو کش پینا حرام میں کہتا تھا اسی امر کو ایک مدت سے کسی کے بھاویں نہیں، ان نالائقوں کا اعتبار کیا۔ یہ ان کی (بیگم کی طرف اشارہ کر کے) بیوقوفی ہے۔ نہ معلوم ان کے حرکات سے مجھ پر کیا آفتیں نہ آئیں گی۔ ابھی ایک امر ہو چکا تھا، زخم بھرے نہیں۔ خیر وہ تو جس طرح بنا تھمو ہو گیا، بلا ٹلی لیجئے یہ نیا چرکا دیا۔ اسی دن کو میں روتا تھا۔

بیگم: (جھلا کے) لے بس، تم کو کوئی جلی کٹی کا موقع مل جایا کرے۔ کوئی بندوبست تو ہوتا نہیں، سارا نزلہ میری جان پر گرتا ہے۔ لوگو! کیا میں نے تمہاری چھوکری کو بھگا دیا۔ وہ کہتے نہیں، نیکی برباد گنہ لازم۔ ایک تو اپنا نقصان ہو، آرام چین کا آدمی ہاتھ سے جائے، اس پر نکتوڑے اٹھاؤ۔ اچھا جاؤ، جو تم نہیں کرتے، ہم آپ اس کا انتظام کرتے ہیں۔ دیکھو پھر نہ کہنا، پوچھا نہیں۔ اب تم خود ہی ہاتھ پاؤں چھوڑے دیتے ہو۔ سیوتی ذرا ادھر آنا، باہر دیکھ شیخ صاحب آئے ہیں؟ ان سے جا کے سب حال کہو اور ہماری طرف سے کہنا واہ وا! آپ کی لونڈی رات کو اچھی خاصی طرح رہی، کھانا کھایا، سوئی، گھر کا کام دھندا کیا، صبح کو غائب۔ نہیں معلوم پر لگ گئے، ہوا تھی اڑ گئی۔ خیر اور چیز تو لے نہیں گئی مگر ہاں میرا صندوقچہ نہیں ملتا۔ اس کی ایسی عادت تھی نہیں۔ میں اس کو تو کہہ نہیں سکتی مگر ہاں اس وقت ملتا نہیں ہے۔ اس سے بی مغلانی شبہ اسی پر کرتی ہیں۔

بی مغلانی: (آ کے) اے حضور! اس کی گٹھری بھی نہیں۔ میں حیران ہوں کدھر گئی، کہاں گئی؟ اور سلامتی سے بڑے سیتے سے گئی ہیں۔ ہو نہ ہو اس میں کچھ سازش ضرور ہے۔ لازم ہے اب تو اس کی پوری تلاش کی جائے۔ اگر قبر میں جا کے بھی چھپے تو اس گستاخی، نمک حرامی کی سزا یہ ہے، مردہ تک گھسیٹ لائیں۔ لو صاحب! پالا پوسا، پرورش کیا، خاک سے پاک کیا، جب جا کے آدمی بنی، اب پیٹ سے پاؤں

نکالے۔ کیا کوئی کسی کا اعتبار کرے۔ ایسی مال زادیاں کو قیمہ کرے، بوٹیاں چیل کووں کو دے۔ ان کی سزا یہ ہے، بلا کے تھانے والوں کو چوری میں سزا دلوائے، جیل خانے بھیجے، جنم قیدی کرائے، نمک حرامی کا خوب انعام دے۔

صاحب خانہ: اجی بی مغلانی صاحب! آپ کیا کہتی ہیں۔ وہ آپ کے پاس اب بال باندھی چلی ہی تو آتی ہے۔ لیجئے مجھے جوتیاں مار۔ اجی میں ان سب باتوں کو پہلے ہی کہتا تھا۔ ہو نہ ہو انہیں نے اس کو خراب کیا۔ نہیں تو بھلا اس کو کتے نے کاٹا تھا، بھری تھالی میں لات مارتی۔

بی مغلانی: جی حضور، آج کل زمانہ یہی لگا ہے۔ جس میں کھائیں اسی میں چھید کریں۔ جب ہی تو خلقت کو روٹی نہیں نصیب ہوتی، دانے دانے کو محتاج ہے۔

سیوتی: شیخ صاحب ڈیوڑھی پر حاضر ہیں۔ سن کے دنگ ہو گئے۔ کہنے لگے مجھے اس سے امید نہ تھی۔ اس نے اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی ماری اور خیر جو کچھ لے گئی، صدقہ گیا۔ کے دن کھائیں گی۔ خدا نے چاہا قبر میں کیڑے پڑیں۔ اور میں حضور ابھی سے جاتا ہوں تلاش میں۔ جب تک ڈھونڈ نہ نکالوں گا، بائیں ہاتھ کا کھانا حرام ہے۔ جائے گی کہاں، ابھی تو سارے ہندوستان میں تار بھیجتا ہوں جہاں ہوگی اسی طرح گرفتار آئے گی

(نواب صاحب باہر آ کے)

شیخ صاحب: آداب تسلیمات بجالاتا ہوں

نواب صاحب: سنا آپ نے شیخ صاحب! آج دیکھیے نیا گل کھلا۔ بھئی ان عورتوں کے مارے میرا ناک میں دم ہے۔ سونا، جاگنا، کھانا، پینا سب حرام کر دیا۔ ایک تو میں ان جھگڑوں کا آدمی نہیں، میری روح کو ایسی فکروں سے نفرت ہوتی ہے، اور ادبدا کے اسی کا سامنا اب ہوتا ہے بتائیے اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟ مگر ایک بات کا خیال مجھے بار بار آتا ہے۔ اس امر میں کسی کی سازش ضرور ہے۔ گھر کی

رہنے والی چھوکری کہیں آتی جاتی نہیں، پھر آخر کیوں کر اس کو ایسی ہمت ہو سکتی ہے۔ ہو نہ ہو کوئی مرشد ہیں ضرور۔ یہ ساری کارستانیاں انہیں کی ہوں گی۔ اور بھئی میں تم سے کہوں، میرا دل یہی گواہی دیتا ہے، یہ خدا بخش جو ہے، اس میں شریک ضرور ہے۔ مگر بھئی اپنے ہی تک رکھیے گا۔ کیا معنی، ابھی اس کو برطرف نہیں کیا گیا، صرف شبہ ہی شبہ ہے۔ کسی نے اس کو دیکھا نہیں۔ ہاں یہ ہوا تھا، ایک روز اس کی جورو نے شکایت کی تھی۔ جس زمانے میں وہ چھوکری اس کے یہاں رہتی تھی، اس زمانے کی باتیں عجیب وغریب کرتی تھی۔ اور ہاں ایک دفعہ میں نے بھی اس کے شانے پر چھوکری کو ہاتھ رکھے دیکھا تھا۔ نہیں معلوم کیا بات تھی۔ ممکن ہے چھوکری کو اچھی طرح رکھنے کی تاکید جو یہاں سے کی گئی ہو، بخشو کی جورو جلاپے میں کچھ اور سمجھی ہو۔ اور بھئی شانے پر ہاتھ رکھنے والی بات کا کچھ مجھے خود اعتبار نہیں۔ میری نظر سے غلطی کی ہو، کہیں ککڑی کا چور گردن مارا جاتا ہے؟ بھئی انصاف کے معنی یہ ہیں، اچھی طرح تحقیقات کر لی جائے، تب سزا دی جائے۔ یوں تو آپ کا نوکر ہے، ہر وقت خطاوار، جب جی چاہے برطرف کر دیجئے مگر ایسا نہ ہو اس کے بال بچے بد دعا دیں۔ غرض کہ بھئی اس میں میری عقل حیران ہے۔

شیخ صاحب: خداوند نعمت! بجا ارشاد ہوا۔ اس کی فکر تو ابھی کیے دیتا ہے غلام (چٹکی بجا کر) یوں ابھی لیجئے حضور کے اقبال سے کوئی بڑی بات نہیں۔ ہاں صرف کوشش اور دوڑ دھوپ کی ضرورت ہے۔ اب صرف رہ گیا سازش کا معاملہ، سو جس وقت سب پتا چل گیا، وہ خود ہی آئینہ ہو جائے گا۔ حضور کی رائے اس کی نسبت یہ تو ممکن ہی نہیں غلط ہو۔ بخدا لایزال کیا بات نکالی ہے، اے سبحان اللہ!

(اتنے میں مرزا صاحب بھی آ گئے اور تسلیم کر کے بیٹھ گئے۔ پورا واقعہ شیخ صاحب نے ان سے بھی دھرایا)

مرزا صاحب: کچھ تردد کی بات نہیں ہے۔ حضور کا نمک ایسے بے ایمانوں کو خود ہی

مارے گا۔ مجھے بخشو کا نام سن کے تعجب ہوا۔ (دانت میں انگلی دبا کے) کوئی ایسی حرکت کرتا ہے، ہا! ایسی سرکار میں اگر واقعی ایسی بات ہے تو ضرور سزا ملنا چاہیے۔ مگر جیسا حضور نے فرمایا تحقیق کر کے، تا کہ بعد کو افسوس نہ ہو۔ چاہے ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، آدمی خیر خواہ، نیک مزاج، مستعد، آرام و راحت دینے والا مشکل سے ملتا ہے۔ ایک دفعہ ہاتھ سے کھونے پر برسوں افسوس رہتا ہے۔

صاحب خانہ: یہی خیال مجھے بھی بار بار آتا ہے۔ اچھا بھئی جو مناسب سمجھو تم لوگ کرو۔

شیخ صاحب: حضور صلاح ہوتی ہے، تھانے پر رپٹ کر دی جائے۔ پھر وہ خود ہی چھان بنان کر کے سب طرح کی ٹوہ لے کر کھوج لگا لیں گے۔ جائیں گی کہاں اگر ہزار کوٹھری میں بند ہو گی، سراغ لگا لیں گے۔ ہے اجازت تو ابھی جا کے رپٹ لکھاتا ہے غلام۔ غضب خدا کا، اس کو کس امر کی تکلیف تھی۔ ہر بات میں اس کی خاطر داری کی جاتی تھی۔ کچھ نہیں، اس کو کم بختی نے گھیرا۔ مگر اتنا کہوں گا، وہ اس طرح کی نہیں تھی۔ نہیں معلوم کس نے کیا چکمہ فریب دیا؟

(بعد تھوڑی دیر کے واپس آ کے)

حضور! غلام سیدھا یہاں سے گیا تھانے پر۔ پولیس والے تو آپ جانیے ہر بات میں ہندی کی چندی نکالتے ہیں۔ بات پونچھیں، بات کی جڑ پونچھیں۔ ذرا سی پھنسی کو لے کر یہ بڑا پھوڑا بنا دیں۔ لگے پوچھنے، کس وقت بھاگی؟ کب بھاگی؟ کس کے سامنے بھاگی؟ آخر اور نوکر چاکر تھے یا نہیں؟ کسی نے کچھ روکا ٹوکا یا سیدھی چلی گئی؟

صاحب خانہ: پھر آپ نے کہہ نہیں دیا، گھر بھر میں اندر باہر کسی کو خبر نہیں تھی کہ یہ امر ہو گا۔

مرزا: حضور! اصل بات یہ ہے، اتفاق سے اس وقت کچھ نہ تھا۔ یوں ہی خالی ہاتھ چلے گئے تھے، اور ان کتوں کا حال حضور پر روشن ہے۔ کچھ مٹھی گرما دی جاتی، چلیے

سب کام بن جاتا۔

صاحب خانہ: منشا میں سمجھا۔ اچھا کچھ دے دلا دو۔ کسی طرح معاملہ تو روبراہ ہو۔

مرزا صاحب: اے حضور! کوئی بڑی بات تو ہے نہیں۔ یہی پندرہ بیس روپیہ اگر ایسی باتوں کا خیال کیا جائے، شروع ہی سے معاملہ بگاڑ دیں گے۔ اور کچھ تعجب نہیں رپورٹ ہی نہ کریں، اس وقت البتہ قباحت کی بات ہے۔

صاحب خانہ: خدانخواستہ اس کی نوبت کیوں آنے لگی۔ کسی بات میں اپنی جانب سے کمی نہ ہو۔

مرزا: حضور تو پھر یہ بھی لکھانا چاہیے کہ نہیں، کہ کچھ مال لے گئی ہے یا نہیں؟

صاحب خانہ: ارے بھئی مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ جو جی میں آئے لکھا دو۔ دیکھو کوئی بات جا بے جا نہ ہونے پائے

مرزا: حضور! کچھ تردد کی جگہ نہیں۔ ہاں ایک بات پوچھنے کو رہ گئی۔ اگر پولیس میں پونچھا جائے، کسی پر شبہ تو نہیں ہے، تو ان سے کیا کہا جائے؟ اگر اجازت ہو تو بخشو کا نام لے دیا جائے؟

صاحب خانہ: نہیں نہیں، دیکھو اس کا لحاظ رکھنا۔ کسی کا صبر نہ سمیٹنا چاہیے۔ نہیں معلوم الٹی پڑے، سیدھی پڑے۔ اگر نہ ثبوت دے سکے تو مفت میں جھوٹے بنے۔ الٹی آنتیں گلے پڑیں۔

مرزا: اور حلف دروغی کا مقدمہ الگ قائم ہو

صاحب خانہ: بھئی میری صلاح تو یہ ہے، اس بات کو گول ہی کر جانا۔ اچھا میں ذری گھر میں پوچھ لوں۔

(اندر جا کے)

صاحب خانہ: کیوں صاحب! تھانے پر رپٹ کر دی جائے نا؟

بیگم: بولو بی مغلانی، کیا کہتی ہو؟

مغلانی: حضور شرع میں کیا شرم۔ رپٹ کی جائے، بلکن میری تو صلاح ہے اس کو پکڑ بلوایا جائے۔ وہ کس کی بیٹی ہے، ابھی تو ٹنڈیاں کس جائیں گی، بال باندھے حاضر ہوگی۔ ضرور سزا دینی چاہیے اور بلا کے دہ تسمہ دہ تسمہ۔ اس قدر کو بہ کاری ہو، ہڈی چمڑا الگ ہو جائے۔ لو صاحب کھلا پلا کے جوان جہان کیا اسی واسطے۔ پال پال میرے جی کا کالا اس تمام جانفشانی محنت کا یہی سلوک تھا؟ نیک بخت! رہنے کو تیرا جی نہیں چاہتا تھا، ہنسی خوشی چلی گئی ہو۔ ہم کو خود ایسی پچھل پائیوں کو رکھنا منظور نہیں۔ کیا کہوں، نہوئی اس وقت، نہیں میں تو ڈیڑھ چلو لہو پی لیتی۔

صاحب خانہ: اجی یہ باتیں تو رہیں گی، اب صلاح کیا ہے؟

بیگم: لے میں کیا جانوں؟ اس پر کم بختی سوار ہوئی، بھری تھالی میں لات ماری

نواں باب

خدا بخش: لے آکے دیکھو۔ یہ چیزیں جو کچھ یاروں کے حصے میں پڑی ہیں، میں دام دام وصول کرلایا۔ تم کو سب معلوم ہے، کے شریک دار تھے۔ وہ تو کہو تحقیقات تالاش، پکڑ دھکڑ کے ڈر سے سب مال یوں ہی امت رکھا رہا، کسو کا ہاتھ لگنے نہیں پایا۔ آج میں کھیر والایا، پکڑا کیا، بھئی اپنا اپنا حصہ نجرا کرلو۔ اونے پونے کوڑے کرنے چاہیے کہیں گاڑ رکھیے مگر آج اس جھنجھٹ کا توڑ ہونا چاہیے۔ ارے ہاں اور کیا۔ لے اب آؤ، سب چیزیں سہار لو، دیکھو، جو جو تمہاری چیزیں تھیں، وہ سب آگئیں نہیں؟

نجبیا: لاؤ میں دیکھوں تو سہی۔ ہاں روشن کی زوڑی تو وہی ہے۔ نو نگے بھی تو ہیں، اور وہ انگوٹھی چلے کہاں ہیں؟ مجھے ان کے نگینے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ہاں اے لو وہ گلے میں پہننے کی چیز تو معلوم ہی نہیں ہوتی۔ اس میں تو بہت سے ٹکڑے ٹکڑے ہیں اور ڈورے میں گندھی ہوئی تھی۔

بخشو: اجی اچھی طرح دیکھو تو سہی۔ بچلوی کو کہتی ہوگی۔ اس کی تو لڑی ہوتی ہیں

نجبیا: ہاں ہاں، جس میں نگینے جڑے ہوتے ہیں

بخشو: ارے تو پھر چمپا کلی کہو۔ وہ تو میں بڑے طول کلام سے دیبی کے ہاتھ سے چھین کے لایا ہوں۔ وہ دیتا تھوڑی تھا، وہ تو میں بڑا کھیر والایا۔ میں نے کہا، کسم بارہ آنے کی، ابھی بگڑا ہوگا۔ ہم نے پہلے سے کہہ دیا تھا، یہ چیز ہماری ہے۔ چار آدمیوں نے تو تھمبو کر دیا۔ کچھ ڈبڑو گھسڑ و بنایا، ابھی جا کے مخبری کرتا ہوں، تھانے والے ٹوہ میں لگے ہوئے ہیں، لا کے سب کو سر پہ نہ کھڑا کر دیا ہو تو یہ موچھیں پیشاب سے منڈوا ڈالوں۔ دیکھو، بھائی بات یہ ہے، پانچ پنچ مل کیجیے کاج، ہارے جیتے آئے نہ لاج، پانچے میر پچا سے ٹھا کر۔ اور غضب خدا کا ہمارے ہی سب پاپڑ بیلے اور ہمیں گھاٹے میں۔ یہ لو اپنا پان دان، لوٹا یہ بھی تم نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا۔ اور باقی چیزوں کا حصہ لگ گیا اور مال سب ایک جگہ رکھ دیا گیا ہے۔ جس وقت سو بیتے سے

بکے گا، سرتا بھرتا ہوگا۔ اس وقت نغد کر کے سب حصہ لیں گے، جو جس کی بہری میں پڑے گا۔ اس کی ہم کو جلدی بھی نہیں ہے۔ اچھا لے اب ہم تو جاتے ہیں۔ آٹا، دال، تیل تو سب لا دیا، اب صرف گوشت مصالحہ رہ گیا، وہ ابھی لاتا ہوں۔ آج میٹھے چاولوں کا جی چاہتا ہے، ضرور پکانا۔ دیکھو کوئی وقت سرکار سے مہلت ملے تو احیا گنج سے پتیلیاں لا دیں گے۔

نجبیا: (زیور پہنتی جات ہے) اے دیکھو، یہ انگوٹھیاں انگلیوں میں کیسی بھرپور بیٹھ گئیں، جیسے موئے سنار نے ناپ کی بنائی ہوں۔ دیکھو! دھاگا میلہ ہے، یہ چمپا کلی کے دانے دو ہی ایک دن میں بکھر جائیں گے۔ کسی جانب کارپٹوے سے زلدی گندھوا دینا۔ اور ہاں! پان دان کا سب سامان درست چاہیے۔ کل سے پان کے بگیر بڑی حیرانی ہوتی ہے۔ مگلانی پر علی کی سنوار، ان کی صحبت میں تماخو کی عادت پڑ گئی۔ اور دیکھو! ہاں کھوب یاد آیا۔ بجار جانا تو عطر پان دان کی ڈبیا میں لیتے آنا، اور تو کوئی سے نہیں باکی۔ اور ہاں یہ تو بتاؤ، ڈیوڑھی پر تم گئے تھے؟ وہاں تو لوگ چرچتے ہوں گے۔ دیکھو کھبر دار، کھبر دار! یہاں کی ٹوہ کسی کو نہ لگے۔ کچھ کسی کی لونڈی باندی تو ہیں نہیں، ڈرکا ہے کا۔ اپنی کھوسی کی بات، نہ بنی، چلے آئے۔ اس بات پر کوئی کل (پھانسی) تو دینے سے رہا، یہ تو کھوسی کا سودا۔

بخشو: اجی وہ تو بڑا طول کلام ہے۔ محل میں تو بڑا اھلڑ ہوا، مگر کوئی کر ہی کیا سکتا تھا۔ باہر نواب صاحب شیخ صاحب سے کچھ تھانے کی رپٹ کا ذکر ہوا مگر بات گھم رہی۔ میں صبح اٹھ کے منہ اندھیرے تمہارے پاس سے گیا، تم جانو اس چڑیل کی خبر لینا تھی۔ اس نیک بخت نے محلّہ بھر میں رات بھر حشرات برپا کر رکھی تھی، تالو سے جو زبان لگی ہو کیا مجال، خانخواہ کو ننھی کو بحق کو اتنا مارا، سارا کان لہولہان ہو گیا۔ صبح جو جاتا ہوں، بھری بیٹھی تو تھی ہی، رات بھر کی جھانج مجھ پر اتاری۔ چھوٹتے ہی ٹنگوی لی، سچ سچ بتاؤ؟ رات کو تم کہاں رہے تھے، ہزاروں گالیاں کوسنے پر اتارو ہو گئی۔

محلے والے کانوں میں انگلیاں دیتے تھے۔ لاکھ کہتا ہوں، ارے تو سڑن ہوگئی ہے، اپنے ہوش میں ہے، کل ایک دوست کی برات میں لوگ لے گئے تھے، ساری رات مجھے آنے نہیں دیا۔ صبح سویرے جب لوگ ذری سو گئے تو میں سر پاؤں رکھ کے بھاگا۔ تم جانو وہی میرا سونے کا وقت ہے۔ جب تم دس دفعہ جاجگاتی ہو تب تو خدا خدا کر کے گرتا پڑتا جلدی سرکار میں جاتا ہوں۔ چسکی بھی وہیں جا کے پیتا ہوں۔

نجبنیا: اچھا ہم نہیں جانتے۔ یہ نکھرہ آئے دن تمہاری زان کے ساتھ لگا ہے۔ اب تم کو ہماری آرام آسائش کا پہلے بندوبشت کرنا ہوگا اور جو تمہاری طاقت سے باہر ہو تو صاف صاف کہہ دو، کوئی اپنا دوسرا بندوبشت کریں۔ شخی سے سوم بھلا (سخی سے شوم بھلا) زلدی سے دے زواب (جلدی سے دے جواب) اے ہاں نہ ھگیں نہ راستہ چھوڑیں۔

بخشو: تم تو عجب باتیں کرتی ہو۔ کچھ مصلحت بھی سوچتی ہو؟ جو منہ میں آیا بک دیا۔ ابھی یہ گرما گرمی ہے، ذری بات ٹھنڈی پڑ جائے پھر سب ہی کچھ ہو جائے گا۔ اور طاقت کی جو تم نے کہی، یہ بھلا تمہارے کہنے کی بات ہے۔ ایسی باتیں خدانخواستہ کہیں بھلے آدمی میں ہوتی ہیں۔ وہ اور ہوتے ہوں گے جو منجدھار میں چھوڑتے ہوں گے (موچھوں پر تاؤ دے کے) جان جائے پر بات نہ جائے۔ ہماری کیا کم بختی ہے جو تم ایسا آدمی ہاتھ سے جانے دیں۔ یہ سب تمہارے واسطے تو جتن کیے گئے اور تمہیں ایسا امر زبان سے نکالتی ہو۔ وہی موت کا چلو ہاتھ میں۔ جو اگر تم چاہو گی تو ہر حل میں مزے سے کٹ جائے گی۔ اور ہم کو تم سے امید بھی ہے؟ کیا معنے، جس دن سے سامنا ہوا ہے خدا کی عنایت سے آج تک کوئی امر ایسا نہیں ہوا، اور یوں تو دو برتن جب ایک پاس ہوتے ہیں ٹھیس لگ ہی جاتی ہے۔

نجبنیا: یہ چنا چنی تو سنتے نہیں۔ اب تم کو ہماری آرام کا سب ٹھیک بندوبشت کر دینا پڑے گا۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ باجار سے شودے شلف کی بات چیت ہے۔ جو تم

چار پیسے کماتے ہو، اس چڑیل کو جا کر دینا جو شوت بن کے بیٹھی ہے۔ تم تو ٹھہرے چونٹی بھرے کباب۔ ہمارے تمہارے خدا درمیان ہے۔ کوئی دعویٰ تو ہے نہیں، خالی ایمان کا سودا ہے، کھریدار کھدا، باجار مصطفیٰ ہم عورت بانی کہتے ہیں، اگر جو تمہاری نظر ٹیڑھی نہ ہوئی تو اللہ نے چاہا، اسی گھر میں عمر کاٹ دی ہو۔ جب ہی تم کہنا کوئی بڑی بچاتی تھی۔ ارے ہم تو وہ ہیں، آدمی کی آبرو دنیا میں درست کر دیں۔ قربان اس کے، کسی بات کی کوئی طمع نہیں۔ یہی جو کچھ اس نے ہاتھ گلے میں دیا ہے، یہی موا کیا کم ہے۔ ہاں اس محلے میں مکان بیچیں تو لے لیا جاوے۔ مال کا مال ہے، کوئی ٹوہ بھی نہیں پا سکت۔ اگر کوئی اندیشہ ہو تو اٹھ چلو۔ کسی اور گلی میں مزے سے چین سے رہیں۔ تم کو موکع ملے آجایا کرنا۔ ہم اپنے گھر میں کواڑ بند کیے بیٹھے رہیں گے۔

بخشو: واہ واہ! تمہاری باتوں نے تو شیخ چلی چلیوں کو مات کیا۔ خوب، پہلے سے تم چھٹی کے دھان کوٹتی ہو، ابھی دو چار روز ٹھہرو تو سہی، دیکھا جائے گا، بھاگڑ کیا پڑی ہے۔ اس بات پر پڑھے لکھوں نے کہا ہے جلدی کا کام شیطان کا دھیرا کام رحمان کا ابھی اپنے روزگار کی تو خیریت منالیں۔ وہ کم بخت ریٹ کا جھگڑا ختم ہو۔ حواس کہاں ہیں تم یقین نہ مانو گی جلے پاؤں کی بلی ہو رہا ہوں۔ دم لینے کی مہلت نہیں۔ جو امر کرنا چاہیے، سوچ کے سمجھ کر کرنا چاہیے۔ کیا اسی مکان میں نال گڑی ہے۔ ابھی تو یوں ہی چلنے دو۔ اور تم کو میں دیکھتا ہوں اس کی بڑی فکر ہے۔ اجی پڑا بھی رہنے دو۔ کئی ایک بچے ہو گئے ہیں۔ مجھے بعض دفعہ غصہ آتا ہے۔ جی چاہتا ہے پکڑ کے اس کے جھونٹے نکال باہر کروں۔ گلیوں گلیوں بھیک مانگتی پھرے۔ پھر جی میں کہتا ہوں، ان بچوں نے کیا خطا کی ہے، فاقے مر جائیں گے، دنیا میں اپنی ناموسی ہو گی، نہیں میرے دل میں رتی برابر جو اس کی جگہ ہو۔ دل ٹھہرا تو ایک ہی، اس میں دو دو کی سمائی کہاں۔ بس جس کو دیا، اس کو دیا۔ اب تو جو چاہیے سو ہو جائے، تمہاری محبت کے پانی میں تو یار لوگ غرقاب ہو گئے۔ رات دن سوائے تمہارے خیال کس یزید کو کوئی دوسرا خیال

ہوتا ہو۔ واللہ بار بار یہی جی چاہتا ہے۔ دنیا کو چھوڑ کے تمہارے پاس بیٹھا رہوں۔ یقین مانو یا نہ مانو اپنے دل کا تو یہ حال ہے، تمہارے خیال میں بعضی بعضی دفعہ کم بخت چسکی تک بھول جاتا ہوں۔ تمہاری صحبت کا ایسا دھواں دھار نشہ ہے، کچھ سوجھتا ہی نہیں۔

نجبنیا: لے چلو ہٹو، بہت نہ بناؤ تم نے اڑائیں تو ہم نے بھی بھون بھون کھائیں۔ یہ چونچلے انہیں اپنی بھینا کے واسطے تہ کر رکھو۔ میں بے طاری کیا۔ لونڈی نہیں کہیں میکا نہ سسرال۔ ایک تمہیں اندھے کی لکڑی ہو، جس کل بٹھاؤ بیٹھوں گی، جس کل اٹھاؤ گے اٹھوں گی۔ آج تک کسی دوسرے کا منہ نہیں دیکھا۔ پھر آج کل وہ زمانہ برا لگا ہے، جس کے پاس چار پیسہ ہوئے، کسی نہ کسی جتن سے لوٹ کھسوٹ کے کھا گئے۔ بڑی بڑائی گھر میں کسی کو رکھ لیا، کوا کہنی بنے گھر بچایا کرو، اور نہیں دھتا بتائی۔ خدا وہ دن نہ لائے۔ قسمت نے چار پیسے دیے ہیں، کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا نہ پڑیں گے۔ میاں جو خدا تمہارا سیدھا ہوگا، دیر سبیر میں کھڑے تڑے بات پوچھ لینا۔ کوئی مرتا ہے جیتا ہے، یہی مہربانی ہے

بخشو: یہ سب باتیں تو رہیں گی۔ مگر اتنا اس وقت کعبہ کی طرف منہ کر کے تم سے کہے دیتے ہیں، آج تو تم ہماری جان مال کی مالک ہو۔ واللہ اگر جان دینے کا موقع ہو، منہ پھیرے تو اپنے باپ کا جنا نہیں۔

نجبنیا: لے اچھا۔ اب تم تو دم بھر میں چلے جاؤ گے، پانی وانی کا بندوبست ٹھیک کر لو۔ اور ہاں کسی بہو کو لگ جاؤ اور بہشتا کو مکان بتاتے جاؤ۔ دیکھو جتا کے کہہ دینا، کپڑا ڈال کے گھر میں آئیں گے، اور جو شاید کوئی پوچھنے آیا تو کیا بتایا جائے گا؟ صلاح کر لو، جس میں جو تم کہو وہی کہیں۔

بخشو: ہاں یہ بات تم نے ٹھیک کہی۔ کسی کو کیا پڑی ہے۔ ہم نے کہہ دیا ہے جو کوئی ایسا ہی بجد ہو تو کہہ دینا تمہارے گھر والے نوکری پر گئے ہیں۔ رات کو آتے ہیں، ان

سے سب پوچھ لینا۔

نجبنیا: جو کہیں کہاں نوکر ہیں؟

بخشو: کہہ دینا کچہری میں وہدہ اہدہ جو پوچھیں، کہنا ہم کو معلوم نہیں

نجبنیا: اچھا لے خدا حافظ، سدھارو، اصل خیر سے، مل دیکھو سیرے آنا۔ ہم اکیلے ہیں اور چار پیسہ کی چیز ہاتھ گلے میں

(بخشو کے جانے کے بعد)

نجبنیا: (دیوار کے پاس آواز دے کے) بی ہمسائی! اے بی ہمسائی! اے کوئی ہے اس گھر میں؟ اوئی، کیا سانپ سونگھ گیا سب کو؟ کوئی منکتا تک نہیں

ایک جوان: کون ہے؟ بھئی کون؟ ذری سامنے وار کو آؤ

دیدار مے نمائی و پرہیز می کنی

نجبنیا: ایں ارے یہ تو جناب کی آواز معلوم ہوت ہے

نوجوان: پڑوس میں پریاں بھی ہیں

نجبنیا: جاؤ، ہم تم سے نہیں بولتے

نوجوان: اوہو (مٹک کے) دیکھو، واللہ ایسا نہ کرنا۔ نہیں ایک آدھا کا خون ہی ہو جائے گا۔ خدا کے لیے ذری صورت تو دکھا دو۔ آواز ہی پر زخمی ہو گئے، دیدار سے زخم پر مرحم رکھو دیوار کی طرف بلائیں لے کے اور کلیجے کی طرف ہاتھ مار کر واللہ زیادہ بیتاب نہ کرو۔

نجبنیا: یہ فصل خیر سے تو کٹ جانے دو۔ فصد لو فصد۔ طبیعت کی خیریت نہیں

نوجوان: اجی خیریت کہاں خیریت تو تمہارے دوپٹے کے آنچل میں بندھی ہے اب تو تمہارے اختیار میں ہے، مارو یا جلاؤ۔

نجبنیا: ابھی عمر ہی کیا، جی کے ارمان نکال تو لینے دو

نوجوان: (آہ سرد بھر کے) بس ایک ارمان ہے، اس کو تمہیں جانتی ہو

(گا کے)----------------

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا

تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

نجبیا: (قہقہہ لگا کے) لو صاحب نئے چاہنے والے پیدا ہوئے۔ خدا جیتا رکھے، ابھی تو دودھ چھوٹا ہے۔

نوجوان: اجی دودھار گائے کی دولاتیں بھلی

مگر میگئی بھرا نہ ہو

نجبیا: یہ لال بیگی کون بولا

لڑکا: اجی مہتر سب سے بہتر

نجبیا: جھاڑو پنجہ اور ہی کہیں لے جاؤ۔ جا کے کسی کرانچی پر نوکری کرو۔ وہ دیکھو پولس کے جمعدار پکار رہے ہیں۔

نوجوان: واللہ کس ستھرائی سے جواب دیتی ہو۔ قربان اس زبان کے۔ اسی بات پر جی چاہتا ہے منہ چوم لے

نجبیا: منہ بنواؤ جا کے

(دوبارہ جھانک کے اور کان کا زیور دکھا کے)

نوجوان: (گا کے)------------------

رات وہ یوں ہم کو تڑپاتے رہے

بجلیاں کانوں کی دکھلاتے رہے

نجبیا: یہ رات کو تمہیں گاتے تھے؟

نوجوان: خدا وہ دن تو کرے، گلے ملول کی ٹھہرے

نجبیا: جیوڑا عجب مزیدار ہے۔ سلامتی سے نیکی اترے۔ اب کیا ذری ہاں وہی تان پھر

نوجوان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اشعار

زیر دیوار ذرا جھانک کے تم دیکھ تو لو
ناتواں کرتے ہیں دل تھام کے آہیں کیونکر

شرم سے آنکھ ملاتے نہیں دیکھا ان کو
پار ہوتی ہیں کلیجے سے نگاہیں کیونکر

جب وہ آنکھوں میں سمائے مرے دل میں آئے
بندھوں ناصح نا فہم یہ راہیں کیونکر

وہی انداز ذرا پھر تو دکھا دو مجھ کو
تم نے ڈالی تھیں گلے میں مرے باہیں کیونکر

چاہ کے نام جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو
وہ طریقہ تو بتا دو تمہیں چاہیں کیونکر

نجبیا: (قہقہہ لگا کے) زوا ایسے بھولے ہیں، پھر گھر سے انا کی گود میں کیوں نہ آئے۔ لو صاحب ان کو کوئی اللہ کا بندہ بتا دے، عزت مجھے کی باتیں ہیں

نوجوان: تم سمجھیں بھی؟

نجبیا: لو بھلا سمجھنے کی بات ہے۔ کوئی شیکھ کے چھپتا ہے کیا۔ کس کی بنائی ہے یہ ٹھمری کہو پڑے ہو کے آپ آجائے گا۔

نوجوان: طریقہ وریقہ کیا؟ علم تو ہے نہیں۔ جسے چاہا زائے (جائے) چاہو۔ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ جو بات بن سکے، کوئی بتانے والی بات ہے

نوجوان: اچھا نہ بتائیے صاحب

نجبیا: وہی تو میں نے کہا کسی آنیلے کی بات ہے۔ دنیا میں پوچھ پوچھ کے چھپنے والے نکلے۔ ناچ نہ آئے آنگن ٹیڑھا۔ اچھنے آئے۔ کوئی اور ٹھمری گاؤ۔

نوجوان: جو تم بتاؤ اب

نجبنیا: اے دیکھو وہ چڑیا والی

نوجوان: وہ یاد نہیں

نجبنیا: اچھا ناؤ والی اس کی واہ اچھی ہے اجی وہی چڑیا اپنا آسنا لے جا۔ اے دیکھو، وہ بے گن کی پار لگاوے ناؤ

نوجوان: (چونک کے) اھاھاھا

(کہو بلبل سے لے جائے چمن سے آشیاں اپنا)

اور وہ بیگن کی نیا پار لگاوے

نجبنیا: ہاں ہاں، وہی وہی

(نوجوان گاتا ہے)

نجبنیا: واہ واہ سبحان اللہ! نام کیا ہوگا

نوجوان: عاشق

نجبنیا: چل جھوٹے، بڑے عاشق بنے ہیں۔ کبھی عاشقی کی ہے، نام ہی سن لیا؟ ابھی عمر ہی کیا ہے۔ پھر اماں باوا سر پر ہاتھ رکھ کر روئیں گے

نوجوان: یاں کھیل بھی کھیلے ہیں تو بس عشق صنم کا

نجبنیا: لے اب جاتے ہیں

نوجوان: خدا کے لیے ایسا تو نہ کہو

کچھ آپ میرے دل کو بھی سمجھائے جاتے ہیں آپ اگر جائیں گی تو میرا کیا حال ہوگا

نجبنیا: پڑے بکا کرو

(نجبنیا اور بخشو

بخشو: (کنڈی کھڑکا کے) کھولو، کھولو

نجبنیا: اچھا! اچھا! سنا ہے، آتے ہیں جی

بخشو: (اندر آ کے) سب چیزیں لے اب تو ہم جاتے ہیں، تم ہمارا انتظار نہ کرنا، کھانا کھالینا، ہمارا کوئی ٹھیک نہیں ہے۔ آج کل ایسی چاروں طرف سے فکریں سر پر ہیں۔ آج کئی مہینے سے اپنا دل اوچاٹ دیکھ رہا ہوں۔ بہت کٹ گئی تھوڑی رہی۔ کیا ضرورت کوئی امر اپنی طرف سے زیادتی کا ہو۔ ہم کو خدا کا دیا سب کچھ ہے، خدا رزاق ہے۔

نجبنیا: اجی ہم کو خود تمہاری نوکری منظور نہیں۔ خدا نے کھانے کو بہت دیا ہے۔ تین روپلی اور وہ بھی سوکھے ہیں کیا پیچ۔ بڑی بڑائی دو چار آنے دستوری بٹے بزار کے سودے میں مل گئے۔ سو وہ بی کبھی کبھی، ہر ہتھے رکھے نہیں ہیں۔ کہیں مہینہ بیس دن میں جا کے قسمت نے ایسا ہی زور کیا تو بھیٹ بھی ہوگئی۔ حقیقت ہی کیا، اتنا تو پان پتے میں روج اٹھ جاتا ہے۔

بخشو: لے اب صلاح بتاؤ، کسی بہانے سے اس کتے خسی سے چھٹیں، روز کا عذاب چھوٹے۔ آج کیا ہے صاحب دیر کو کیوں آئے؟ کل بزار میں سودے کو دیر کیوں لگی؟ دن دن بھر دم لینے کو بیٹھتا ہوں تو قسم لے لو۔ وہاں کسی کے بھاویں نہیں، وہی موت کا چلو ہاتھ میں۔ انہیں باتوں سے جی کھٹکا ہوگا۔ ہم تو اسی دن سمجھ گئے تھے میاں خدا بخش، یہ جگہ رہنے کی نہیں۔ رات دن ہڈی پسلی توڑو، سر کا پسینہ ایڑی کو آئے۔ وہ حرام زادی جھوٹ موٹ آ کے محل میں ٹسوئے بہا جائے۔ اس کی بات کا اقین ہو اور ہم اتنے دن کے نوکر جھوٹے ٹھہرے۔ کہو یہ بھی وقت کی بات ہے۔ دوسری سرکار ہوتی، گھر میں گھسنے نہ پاتی۔ جو کچھ جھوٹ سچ بات کہتی، اس کی تحقیقات کی جاتی۔

نجبنیا: اچھا اب اس کا جکرا (ذکر) کیا سارے پنڈے کی سوئیاں نکل گئی ہیں، اکیلی آنکھوں کی باکی ہیں۔ گھبراؤ نہیں، دیکھو تو خدا کیا دکھاتا ہے! ان نینوں کا یہ بسیکھ۔ ہاں اب یہ بتاؤ ہمارے آنے پر سیک صاحب، مرجا صاحب نے کیا کیا۔

بیگم تو ہم کو بہت یاد کرتی ہوں گی۔ مگلانی ایک ہی کنگالا ہے۔

غل (گل) گئے غلسن گئے زگ (جگ) میں ڈھتورے رہ گئے

باج گئے، ھما گئے، الو کے پٹھے رہ گئے

تم کو وہاں مارے جہاں پانی نہ ملے۔ اسی سے کھٹکا ہے کئی دفعہ شہر میں ہیضہ آیا مل اس ڈھڈو کو نہیں پوچھا۔

بخشو: اجی لعنت بھیجو۔ وہ کر ہی کیا سکتی ہے۔ ان کے فرشتوں تک کو خبر نہیں۔ میں نے یہ بھی سن گن پائی ہے، نواب صاحب بھی کچھ بھرے معلوم ہوتے ہیں۔ بھلا پوچھو ہمارا کیا قصور

نجبیا: ہماری کھوسی، ہمارا جی، اپنے چلے آئے۔ کیا دنیا زہان میں کہیں ہمارا ٹھکانا نہیں۔ ابھی اپنی والی پر آؤں، بیگم بن کے دکھا دوں۔ جیسے آدمی کا بچہ وہ ویسے سب خالی خدا کی مہربانی چاہیے۔ وہ نہ پھرا ہوا چاہے۔ ابھی کے راتیں کٹیں، کے دن کٹے۔ کہیں ایک جگہ جم کے بیٹھ لیں، اجی اور کچھ نہیں، انا گیری تو کہیں گئی نہیں ہے۔ دس سے کم نہ ہو گی۔ پھر کھانا، پینا اور پھر سارا گھر الٹا تابعداری کو مہزود۔ محے سے ایک دفعہ پلاؤ۔ پا چین سے لیٹ بیٹھی رہو، کوئی کام کیا۔ نہیں تو چار آدمی اور رکھدمت کو آٹھواں پر ہاں جو ھانجو لے۔ تم کو خدا مہلت دے آج کل اناؤں کی بڑی مانگ ہے۔ اپنا لہو چوسانا بڑا کام ہے۔

بخشو: تم نے بھی کمال کیا۔ چھٹی کے دھان ابھی سے کٹنے لگے۔

نجبیا: میں نے بات کہی۔ دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کے سرکاریں پڑی ہیں۔ خدا رجاق ہمارا بھی ہے۔ چار کو دے کے تو ہم آپ کھا سکتے ہیں۔ بولو دو آدمیوں کا کھرچ ہی کیا۔ سیر بھر کل پکایا تھا، ساری روٹیاں اسی طنوں رکھی ہیں۔ آج تھاک تھاک بھوکو اٹھا دیا۔ تمہارے لیے چاول بہت تھے۔ سالن ایسی محنت سے تو پکایا، ایک بوٹی کی تو گنہگار رہوں، اسی طریوں اٹھا کے رکھ دیا۔ ہاں کوئی بچاری گریب

بھوکی ٹوٹی مل جائے، رکھوا دو۔ بعضے وقت ہاتھ خالی نہیں ہوتا، اوپر کے کام کاز کے واسطے اور باکی مجے سے بیٹھی رہے گی۔ پیٹ بھر کھانا دیں گے، پھٹا پرانا بھی دے دیں۔

بخشو: اجی ان باتوں کی فقر تو مجھے خود ہے۔ یوں نہ ملے تو روپیہ بارہ آنے تک مہنگی نہیں۔ لے اچھا اب یار لوگ چلتے ہیں۔

(خدا بخش جاتا ہے)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved
©2002-2006

دسواں باب

(پیٹ سے پاؤں)

نجبنیا: (دیوار کے قریب جا کے) بی ہمسائی! اے بی ہمسائی! کے چپ شاہ کی بانکی بنی ہو؟ آج بالکل ہی سناٹا ہے۔

ایک آواز (گا کے)

نہیں روزن جو قصر یار میں پروا نہیں ہم کو
نگاہ شوخ رخنہ کرتی ہے دیوار آہن میں

زیر دیوار ذرا جھانک کے تم دیکھ تو لو
ناتواں کرتے ہیں دل تھام کے آہیں کیوں کر

نجبنیا: ہاں! ہاں، کوئی بولتا تو ہے مگر نہیں

نوجوان: اجی واہ

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

(ایک تان)

پیت تو ایسی کریے گوریا جیسے لوٹیا ڈور
اپن گلا پھنسائے کے جو دور سے لاوے بور

(دوسری تان)

ہمری تمری عمر برابر چل اری کے کھیت

(تیسری تان)

کہو بلبل سے لے جائے چمن سے آشیاں اپنا

نجبنیا: یہ پرکٹی اپنے ہی تک رکھیے۔ وہ کہتے نہیں، یہ منہ اور چار چنگلی لاسا (سر اٹھا کے جھانکتی ہے اور چار آنکھیں ہوتی ہیں)

نوجوان: ایں! کدھر سے آفتاب نکل آیا۔ (زیور کی چمک دیکھ کے سمجھتا ہے مالدار شکار ہے) اف فوہ تیر مارا، دل نشانہ ہو گیا۔ (کلیجہ پکڑ کے) لے اب دن بھر کام ہو چکا۔ کوئی دم میں کاریگر آتے ہوں گے (ہاتھ جوڑ کے) خدا کے واسطے پھر صورت تو دکھاؤ، جینے کا سہارا ہو جائے، اسی سہارے سے زندگی کاٹیں گے۔ ایسی نوکری؟ بڑی قسمت کے دھنی ہوں گے جن پر آپ کی مہربانی کی نظر ہو گی۔ لے اب ہماری تو خیریت نہیں۔

نجبنیا: (جی میں خوش ہو کے) اچھا تو ڑوا ایسے کیوں ہو گئے؟ کوئی آتا نہ ہو۔ دل ٹھکانے رکھو۔ موقع ہوا کرے، اشارہ کر دیا کرو۔ اے ہاتھ خالی ہو گا آجایا کریں گے۔ دیکھو دل قابو میں رکھنا۔

نوجوان: اچھا اب کہی بدی ہو گئی۔ اس وعدے کا دھیان رکھنا۔ دیوار کے پاس آ کے جب ہم اینٹ سے تین دفعہ کھٹ کھٹ کریں تو تم سمجھ جانا۔

نجبنیا: (اپنا چہرہ، گلے اور کانوں کا زیور دکھا کے) اچھا، اچھا، لے اب جاتے ہیں، اچھے رہنا۔

نوجوان: اجی ذرا ٹھہرو تو سہی۔ میں جی بھر کے بلائیں تو لے لوں

نجبنیا: ابھی آتے ہیں، تم یہیں کھڑے رہنا۔

(نجبنیا لپ چھپ پاندان کھول کے گلوری بناتی ہے اور دو تین الاچیاں مسلم ڈالتی ہے)

نجبنیا: (گلوری دکھا کے) یہ لیتے جاؤ، دیکھو! وہ جو سکس ہے، بڑا جالم ہے، عجب سکی کے پھندے میں پھنسے میں ہے۔ بو نہ پھوٹنے پائے، بس ہمیں تم جانیں۔

چھپے چوری ہے الفت کی صنم زانے کہ ہم جانیں
نہ واکف ہو فرستہ بھی صنم زانے کہ ہم جانیں

لے اب جاتے ہیں، پھر ملیں گے۔ اچھی طرح صلاح ہو گی۔

(کارخانہ، کاریگر، استاد)

کاریگر: لے ننھے مرزا، لے بھئی مال دو۔ سب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ آخر آج تم نے پہلے سے پہلے کیوں نہ نکال رکھا۔ تارکشی کا لونڈا بھی بیکار کو بیٹھا ہے۔ مفت خدا حقے کا ستیاناس کر رکھا اور وہ اڈے کہاں ہیں لوگوں کے آگے رکھو۔

ننھے مرزا: اجی تو کیا سب میرے ہی سر ہے۔ اٹھا کیوں نہیں لیتے۔ اگر ننھے مرزا نہ ہو تو کام ہی نہ چلے۔ شام کو پیسے گنانے کے واسطے سب ہیں، کام کے واسطے نہیں۔

دوسرا کاریگر: آپ کے ہاتھ کا کام تھا، روز آپ ہی دیتے تھے۔ اس مارے کہتے ہیں، نہیں کسی کام میں نیر ہیں، لے آج سے نہ کہیں گے۔ تم استاد سے کہہ دو جو آئے اپنا اپنا کام کرنے لگے۔ کاہے کو تمہارا راستہ دیکھے۔

ننھے مرزا: اجی جو کوئی اور نیر نہیں تو ہم ایسے کیا گئے گذرے ہیں۔ آپ دباؤ کس پر ڈالتے ہیں۔ یہاں اویسی کسی کی پروا بھی نہیں۔ آیئے! مقابلہ کر لیجیے نکل جائیں جب ہی کہو۔ ایسے کارخانے کو میں سمجھتا کیا ہوں۔

استاد: ننھے مرزا! یہ تم کیا اول فول بکتے ہو۔ تم اپنے حواس میں رہو۔

ننھے مرزا: استاد دیکھیے میں آپ کا بہت منہ کرتا ہوں۔ آپ بھی انہیں کی سی کہتے ہیں، بات سمجھتے ہی نہیں۔ ننھے مرزا کا اس میں کیا قصور، خانخاہ کو بے نحق چھیڑ خانی کرتے ہیں۔ جب سے آئے ہیں، انسان کا دل ہے، کسو وقت طبیعت قابو میں ہے کسو وقت نہیں۔ ان لوگوں کا یہ حال ہے، ہر وقت چھیڑ خانی کیے جاتے ہیں۔ کسو سے کیوں دب کے رہنے لگے۔

استاد: میں بہت طرح دیے جاتا ہوں، تو ہے ماش کے آٹے کی طرح اینٹھتا ہی جاتا ہے۔ کون بات برا لگنے کی تھی۔ نو روز نے تو یہی کہا تھا، سب کاریگر بیٹھے ہیں، پھر اب بتاؤ، اس کا ہرجا کون دے گا؟ کارخانے ہی پر تو یہ لنگر پڑے گا۔ کس میں بوتا ہے گھر وا ہے سے نکال کر دے۔

ننھے مرزا: ہمارا جانے حقا

استاد: لے اب تم بہت بڑھ چلے۔ میں بہت طرح دیے جاتا ہوں۔ چپ رہ مردود۔ پالا پوسا، اتنا بڑا کیا تجھ کو تمیز تو تھی نہیں، سرے سے سب کام سکھائے، سب سے واقف کار بنایا، سوئی پکڑنا تو آتا نہ تھا۔ یہ ہماری جوتیوں کے صدقے سے آج تو اس قابل ہوا۔ ہر طرح کے کام تجھ سے لیے۔ خدا کی مہربانی سے قسم جناب امیر کی اگر اپنی اولاد ہوتی، تب بھی اس کے ساتھ اتنی ہی محنت کی جاتی، اور پھر دیکھو تو غرے، ڈبے بتانے کو طیار۔ سب کارخانے کا اختیار دے دیا، جو چاہو، دھرو، اٹھاؤ، کام لو، مال مصلاح تمہارے قبضے میں، چیز دو، مال سکھارو، مہاجنوں کے یہاں جانا، مال کا حساب کرنا، فرمائشوں کا پہنچانا، سب تمہارے ہاتھ میں کر دیا۔ میں تو برائے بودم ہوں اور تمہارا یہ حال کسی بات کی پروا نہیں، جیسے غیر آدمی آ کے بیٹھ گیا۔ سارا جھنجھٹ اور فکر پر بھی میرے سر پڑی۔ اگر آج اپنے نطفے سے بھی کوئی حرام زادہ ہوتا تو کھڑے کھڑے نکال باہر کیا ہوتا۔ یہاں مانگے بھیک تو ملے گی نہیں۔ اگر آج کان پکڑ کے نکال باہر کروں تو کوڑی کے تین تین ہو جاؤ۔ ہر کام کے قابل بنایا، چار پیسہ کے کمانے کے لائق ہو گئے، پھر بھی ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ ابھی تم کو کسی امر کی تمیز تو ہے نہیں۔ دنیا میں چلنا اور چار پیسہ کمانا ٹیڑھی کھیر ہے۔ آج کون ایسا مائی کا لال ہے، تم کو آنکھ بند کر کے اپنا روپیہ ٹھنڈے جی سے دے دے گا۔ ارے یہاں برسوں ریاض کرتے ہیں۔ چلموں پر آگ رکھتے ہیں، چٹکیاں جل جل جاتی ہیں۔ جوتی سیدھی کرتے کرتے ایک عمر گذرتی ہے، تب جا کے اگر کچھ آ گیا تو غنیمت سمجھتے ہیں۔ ابھی صاحب زادے ہو، تم کو آتا ہی کیا ہے؟

ننھے مرزا: چلیے ہم بھیک مانگیں گے، آپ کی بلا سے۔ آپ کے دروازے پر آئیں دس جوتیاں ماریے گا۔ آپ بڑے خدا ہی تو بن کے آئے ہیں۔ ابھی بمبئی چلا جاؤں تو تیس چالیس کی کہیں نہیں گئی۔

استاد: جانکل جا۔ مردود، ہٹ جا میرے سامنے سے۔ وہ جھاڑ دوں گا، ابھی منہ چرخا ہو جائے گا۔ مجھے خیال آتا ہے، کل کے لونڈے پر کیا ہاتھ چلاؤں۔ جتنا طرح دیتا جاتا ہوں اتنا تو سر چڑھتا جاتا ہے (اٹھ کھڑے ہونے اور ننھے مرزا بھی بھپر بیٹھا)

کارخانے کے کئی کاریگر: جانے دیجیے استاد، جانے دیجیے! اپنی طرف خیال کیجیے، غصہ تھوک ڈالیے۔ یہ بڑے نالائق ہیں۔ استاد باپ سے بڑھ کر ہوتا ہے، ان کی نادانی ہے،

استاد: نہیں، یہ یوں نہ مانے گا، آج جوتے سے خبر لوں گا۔ میں آج کئی دن سے طرح دے رہا ہوں۔ چیونٹی کو پر لگے ہیں۔ خدا کی قدرت، ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن کی عمر! ایسے لونڈے میں نے بیسیوں چرا کے پھینک دیے۔ میں دیکھتا ہوں، ان کو بڑا زعم ہو گیا ہے۔ نہ معلوم اپنے تئیں کو کیا سمجھے ہوئے ہے۔ اونٹ جب تک پہاڑ کے نیچے نہیں آتا، اپنے سے کسی کو بڑا نہیں سمجھتا۔

ننھے مرزا: استاد! دیکھیے دیکھیے آپ بہت بڑھے جاتے ہیں اور میں کچھ نہیں کہتا۔ کل سے جو اس کارخانے پر پیشاپ بھی کرنے آئے وہ اپنے باپ سے نہیں۔ آپ آج اپنا سب کچھ سمجھ لیں۔ خدا مالک ہے۔ دن رات یہیں مرو، سڑو، پڑے رہو، حفاظت کرو اور اس کی قدر دانی یہ ہو۔ کیا کچھ لنگڑے لولے ہیں؟ جہاں ہاتھ پاؤں چلائیں گے، کھانے بھر کو مل ہی جائے گا۔ آج سمجھیے جو کام اپنے ہاتھ میں پڑا ہے، اس کا پوچھنے والا نہیں بھی ہے تو ڈلیا ڈھونا، مزدوری کرنا تو نہیں کہیں گیا ہے۔ نہ کہیں ملے گی کسی کا اکہ ہانکیں گے، کھجوے کی مٹی کھودیں گے، بیسہ گدھا لگا دیں گے، ہر صورت میں چار پیسہ پیدا کر دیں گے۔ آج تو ہم کسی کو نہیں دیکھتے، بے ہاتھ پاؤں ہلائے ایک دن تو کھانے کو دے دے۔ جب کسی کا کام آٹھ پیسے کا کرتے ہیں تب مسا کر کے چار پیسہ سے بھینٹ ہوتی ہے۔ بڑا استاد تو ہم جب جانتے، کوئی دن بے

کار مفت میں دھیلی پاؤ لا پکڑا دیا ہوتا، لو بازار میں مٹھائی کھاؤ۔ یہ نہیں صبح سیرے سے منہ اندھیرا تک دیدار ریزی کرو، جان کھپاؤ، کاریگروں سے جھائیں جھائیں کرو تب جاکے روکھی سوکھی نصیبت ہو۔

کارخانے کے کاریگر: اجی جانے بھی دو، تم بھی صاحبزادہ بن کرتے ہو۔ استاد ہیں، اگر ایک بات بے جا بھی کہی تو جا سے ہے۔ اور جانے آنے کا کیا ذکر، بھلا لگی روزی کوئی بھی چھوڑتا ہے

(غرض کہ دونوں جانب تو تھمبو ہو گئی)

رات کا وقت 10 بجے، نجبنیا کا مکان

آواز: کھول دو!

نجبنیا: کون ہے؟

بخشو: ہم ہیں جی اور کون ہوگا۔ کیا سوتی تھیں؟

نجبنیا: آنکھ لگ گئی تھی، آواج نہیں پہنچاتی۔ اس وقت اکیلی پھرٹروں ٹوں، نہ کوئی آنے والا، نہ جانے والا، تمہارا آج دن بھر پتا نہ چلا۔ دیکھو، ہم ایک بات کہتے ہیں، تم روز آیا کرو تو جری سیرے آزایا کرو، پھر حقہ پان کھا پی کے رات گئے اپنے گھر زایا کرو۔ بات یہ ہے، وہ بڑی کنکالہ ہے، کہیں ایسا نہ ہو، سن گن پائے اور چڑھ دوڑے سرکار میں۔ وہ کہتے نہیں ہیں، دشمن کہاں بغل میں سب باتوں میں ہوسیاری چاہیے، ہر طرح چوکسی رہے۔ اور دیکھو دن کو جو بہستی مسک لے کے آتا ہے، دروازے پر کھڑا ہوتا ہے دڑاڑوں سے صاف دکھائی دیتا ہے، کوئی آڑ نہیں۔ بعضے وخت گلی کے لونڈے دوڑتے نکل جاتے ہیں۔۔ بھدر بھدر کرتے ہوئے، کلیجہ دھک سے رہ جاتا ہے۔ ہزار طریوں کے حلال جادے حرام جادے ہوتے ہیں۔

بخشو: اچھا تو تم ایک کام کرو، کوئی چادر وادر دروازے پر ڈال دو۔ اور میں بھی سوچتا ہوں، کسی طرح کوئی سن گن نہ پائے۔ اندھیرے اوجالے ادھر ہو لکا کروں،

دن دوپہر یہاں آنا جانا اچھا نہیں۔ زیادہ لوگ مجھے دیکھیں گے، چرچیں گے۔ تم جو اکیلی ہو بڑا خیال رہتا ہے۔ جوانی قسم یقین مانو، جان میری ہر وقت اسی محلے میں رہتی ہے اور جو کام کاج ہیں، سب مارے باندھے کے ہیں، خدا نے کھانے بھر کو دیا ہے، اب ہل کے پانی پینے کو جی نہیں چاہتا ہے۔ نوکری چاکری اب دوبھر معلوم ہوتی ہے۔

نجبنیا: ہاں ایک بات میں کہتی ہوں۔ حصہ بخرا سب کر لینا چاہیے۔ یہ تو کہو میری زور ازوری سے دو تین باتیں نکل آئیں، نہیں تو تم تو ایسے ست اپاہج ہو، آج کل آجکل کرتے کرتے برسوں کاٹ دیے۔

بخشو: اجی گھبراتی کیوں ہو۔ لینے کو کہو، ابھی تو کھڑی کھڑے بائیں ہاتھ سے رکھوا لوں گا۔ کون ایسا دھنا سیٹھ ہے جو مال دبائے گا۔ مگر کام کرنا چاہیے۔ سہولت کے ساتھ، سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے۔ تم ابھی دیکھو تو سہی، کیوں کر اس امر کو کرتا ہوں، تیل دیکھیے تیل کی دھار دیکھیے۔ تم جلد باز ہو، اس سے کام نہیں نکلتا۔ ایک ادنی سی بات میں تم سے کہوں، سب مال رکھا ہوا تو ان کے پیٹ میں ہے۔ اگر کل کدان کو نیت بدل جائے تو کس کی ماں کو ماں پکاریں گے۔ جوتے کا گھاؤ میاں جانے یا جوتا۔ خدا نہ کرے، کلیجہ مسوس کے رہ جائیں۔ مگر وہ لوگ ایسے نہیں ہیں۔ پورا بھروسہ ہے ان پر۔ اگر آج لاکھ روپیہ ہو تو کھڑے پیشاب نہ کرے، آپس میں اس پر قول قرار ہو چکا ہے۔ تم کو یہ نہیں معلوم ہے، آپس میں اگر ایسی باتیں نہ ہو لیں تو اتنی بڑی بات میں کوئی کسی کو ساتھ کیوں لے۔ چاہے گردن تک کٹ جائے کیا معنی کوئی بے موجب بات زبان سے نکلے۔

نجبنیا: اچھا، یہ تو خیر۔ باوا مریں گے تب بیل بٹیں گے۔ دو چار چیزوں کی ہم کو بڑی جرورت ہے، بڑا ٹھہر رہے۔

بخشو: کہو ابھی سامان کر دوں؟ بس اتنی دیر ہے، تنخواہ مل لے تو پھر میں بادشاہ

ہوں۔ہم کوڑی پیسہ کا منہ نہیں دیکھتے، ہاتھ کا میل ہے۔تمہاری فرمائش اور اس میں ہچر مچر۔جوانی قسم، نہ ہوا اس وقت میرے پاس روپیہ تم کو مکان میں بیگم بنا کے بٹھا دیا ہوتا۔اور آج ہو ہی بیگم، کلام س کو ہے۔قسم جناب امیر، کی چہرے مہرے میں سیکڑوں بیگموں کو مات کرتی ہو۔ماشے اللہ سے حوریں شرماتی ہیں۔عمر بھی ویسی ہی ہے۔کسی بات میں رتی بھر جو کمی ہو۔تمیز داری، عقل وندی، کوئی تم سے سیکھ جائے۔بات سمجھ کے، ہر بات سمجھ داری کی کرتی ہو۔

نجبنیا: لے یہ چو چلے اپنے تہ کر رکھیے۔یہ وہیں اپنی چڑیل خانم کو سنایئے گا (مسکرا کے) لے آج ہمارا ایک کام کرنا ہے۔ضرور ہو، سو کام چھوڑ کے۔ہم نہیں جانتے، چاہے مہلت ہو یا نہ ہو، ہمارا کام کرنا چاہیے (ٹھنک کے) اللہ پھر اور کس سے کہیں؟

بخشو: (گلے میں باہیں ڈال کر) کہو کہو، کچھ تکلف نہ کرو۔اجی تمہارے واسطے تو جان حاضر ہے۔اگر تمہارا ہی کام نہ کیا تو کس کا کریں گے۔جوانی قسم مجھے تمہارے کام کرنے میں وہ مزا ملتا ہے۔

نجبنیا: (جھیپ کے) چلو ہٹو بھی

بخشو: اوہ ہوے (گردن کو ہلا کے) قتل کرتی ہو، واللہ قتل تمہارا مارا پانی مانگ نہیں سکتا ہے، جیتی رہو، واللہ جی خوش کر دیتی ہو۔

نجبنیا: جیتے تم رہو۔ابھی تم کو بہت سے کام کرنا ہیں اس مالجادی کا گوڑ گڑھا کرنا ہے۔وہ کہتے نہیں ہیں، قبر میں جا کے رکھنا ہے۔ابھی تم نے دنیا کی ہوا ہی کیا کھائی ہے، جمعہ جمعہ آٹھ دن۔

بخشو: اجی ہم تو مدت سے مر چکے ہیں

نجبنیا: مگر مرتے نہیں دیکھا، کہتے سب کو سنا

بخشو: یہ نہ کہو ابھی اس دن کی بات ہے، ایک ہمارا یار اتنی سی بات پر اپنے معشوق کے سامنے چھتو سے گردن کاٹ کے مر گیا اور پھر اسی امین آباد میں

خوشی سے کاٹ لے دل دار گردن

بلکن اسی دن سے سرکار نے مناھی کر دی، خبر دار! شہر میں یہ غزل کوئی نہ گائے۔ بس ایسے ہوتے ہیں مرنے والے۔ ایک دن دیکھ لینا، ہماری جان کی خیریت نہیں۔ بس جی چاہتا ہے، تم پر صدقے ہو جائیں۔ خدا نہ کرے جی سے لگی ہو، بے تمہارے ایک ایک گھڑی پہاڑ معلوم ہوتی ہے

نجبنیا: ہم کو نین سکھلا دو

بخشو: کیا کرو گی؟

نجبنیا: کرنا کیا ہے، پائزامے بنائیں گے۔ موا پنڈا ہر وقت جلتا رہتا ہے، رانوں میں دانے پڑ گئے ہیں۔ اب ہم سے یہ موئے بالش بھر کے پہنچے نہیں پہنے جاتے۔ مسی بھی لیتے آنا۔ باجار تو جاؤ گے، کھسبو دار سرمیہ بھی لیتے آنا اور اسگر علی کے یہاں سے بہت بہت خوسبو دار تیل اور عطر لیتے آنا۔

بخشو: اچھا یہ تو بتاؤ، کتنے کتنے کا چاہیے؟ عطر تو کوئی دو آنے کا بہت ہو گا اور دو ہی آنے کا تیل اور دو ہی آنے کا سرمہ اور دو ہی آنے کی مسی بھی چاہیے۔ کون بار بار منگائے۔ اور بتاؤ؟

نجبنیا: اور کیا، بس

بخشو: اور نین سکھ تو رہ گیا

نجبنیا: اے، لو ہاں (مسکرا کے) کیا بھلکو ہوں۔ بس تم سے تو کہہ دیا، پائزامے کے واسطے

بخشو: یا اللہ کچھ معلوم تو ہو، کے پائے جاموں کا؟ کن داموں کا کتنا در کار ہو گا؟

نجبنیا: یہ ہم کیا جانیں۔ کم سے کم کوئی بھلا چار پائزامے تو ہو جائیں۔

بخشو: پھر بھی نہ بتانا، کتنا چاہیے

نجبنیا: کتنا کیا، جتنے میں بنتے ہوں ہماری زانے بلا

بخشو: آخر بار میں کیا جا کے کہیں گے؟

نجبنیا: بڑے پنچے کے پیزامے کوئی میں جانتی ہوں پچاس گج میں ہوتے ہوں گے۔ دیکھو اچھے خاصے ہوں۔ کپڑا کھنگے نہیں، نہیں میں پھاڑ کے پھینک دوں گی۔

بخشو: اف اوہ، تو آپ کو بزار کی ساری دکان چاہیے۔ ماذ اللہ کی جاھے۔ یہ پائجامہ ہوگا؟ یہ ایک اچھا خاصہ ڈیرا۔

(ہنس کے)

نجبنیا: اچھا تمہیں بتاؤ

بخشو: اجی ہمارے گھر میں تو چھ گز نین سکھ میں ایک پائجامہ بنتا ہے۔ تم بہت کرو بارہ گز میں بناؤ۔

نجبنیا: (بگڑ کے) چھ گز اور بارہ گز رکھو کفن کے واسطے غضب خدا کا، ہم اس ٹکر گدی سفتل کے برابر ہو گئے۔ دیکھو صاحب! نہیں کہتے ہیں، مگلانی کو ہم نے دیکھا ہے، بیگم صاحب کے لیے اتنا بڑا پاجامہ بناتی تھیں، مہینوں سینے میں لگتے ہیں اچھا صاحب معلوم ہوا، جو تم کو ہمارا سودا لانا برا لگتا ہے۔ جانے دو، اللہ ننگا بھوکا نہ رکھے گا۔ کوئی دن گلی میں گاڑھے دھوتر والا نکلے گا اس سے ہم لے لیں گے۔ چلو اس سے بھی تم کو چھٹی ہوئی۔

بخشو: (دھیرے ہو کے) تم تو نہ جانے کیسی بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ ارے بھئی میں کسی امر میں انکار تھوڑ کرتا ہوں لا دینے کو خوشی خوشی حاضر ہوں۔ بات تو سمجھ لو، تم تو ذرا سی بات پر بگڑ جاتی ہو (آنکھوں میں آنسو بھر کے) اس وقت بڑا صدمہ دیا تم نے دل کو۔ واللہ دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ جان دے دینا بڑی بات نہیں، کچھ کھا کے سو رہتا۔ پھر کہتا ہوں، پتھر تلے ہاتھ ہے۔ ارے نادان! جب جان ہی نہ رہے گی، یہ مزے کون اٹھائے گا۔ اجی بس میں تم سے کہوں، اب جو جیتے ہیں تو تمہارے ہی ناز اٹھانے کے سہارے، یہ سارے زمانے کی باتیں ہیں۔ بھلا آپ

ہشیار سمجھ دار آدمی اور یہ باتیں۔ مگر تم کیا کرو، مزاج ہی معشوق کا خدا نے دیا ہے۔

نجبنیا: اچھا جانے دو یہ باتیں، تم کو برا لگا۔ میں نے ہنسی سے کہی تھی۔ تم سے نہ کہیں تو کس سے کہیں۔ کوئی اور یہاں بیٹھا ہے۔ عمر بھر اللہ یوں کاٹ دے۔ بی مگلانی کہا کرتی تھی لڑنی رات کرے، بچھڑنی رات نہ کرے۔

بخشو: نہیں واللہ مجھے اس کا خیال نہیں۔ اسی پر تو میں خوش ہوں ایسے معشوق کے ناز اٹھانے کے واسطے تو ہم زندہ ہیں۔ نہیں آج کل دنیا میں کون کس کا ہوتا ہے۔ جی دو دن مزے کر کے آنکھ پھیر لی۔

ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا
آپ سے میل ہی نہ تھا گویا

کسی کی عزت آبرو لی، پیزار کی نوک سے، بانہہ گئے لاج کرنا۔ جب تک دم میں دم ہے تب تک نباھنا بڑے مردوں کا کام ہے۔ یہاں یہی عیب ہے۔ عمر بھر اسی میں برباد رہے۔ واللہ جوانی قسم، اسی نے ایسا ایسا ڈبویا ہے، دوسرا ہوتا، تھاہ نہ پاتا۔

نجبنیا: (گلوکاری دے کے) لو، پان لو، مدار یہ بٹھا لاؤں، لے ہاں اب کہو، یہ چیجیں کب لاؤ گے؟

بخشو: آج ہی لو خالی بات یہ ہے، آج کل ذری بے خرچ ہو رہے ہیں۔ سرکار سے طلب بھی نہیں ملی۔ آج کل معاملہ ایسا نازک ہو رہا ہے، اپنی طرف سے مانگ بھی نہیں سکتے۔ عجب کتیا کے چھنالے میں جان پڑی ہے۔ مثل ہے، بندھا خوب مار کھاتا ہے۔ اپنی طرف سے کوئی چھیڑ خانی نہ ہونے پائے۔

نجبنیا: کھرچ کی کیا فکر، ہم دیں گے۔ لے بھلا تین روپیہ میں کیا ہو سکتا ہے۔ ننگی کیا نہائے گی کیا نچوڑے گی۔ تین روپلیاں تو نون تیل میں چٹر پٹر اوٹھ جائیں گے۔ بیاہ نہیں کیا، برات تو دیکھی ہے۔ ایسی ہی فروھی ملے گی۔ اپنے دے دلا دینا۔ ابھی میں ہاتھ گلے کی کوئی چیج اتار کر دوں، بردوں کے لیے بہت ہو۔

بخشو: اچھا جو تمہاری خوشی میں تمہاری بات کو کاٹتا نہیں۔ مگر تمہیں کسی طرح کی تکلیف ہو، زوف ہے اس زندگی پر میں نا احسان مند نہیں ہوں۔ اپنا باپ ہو، تب بھی خدا لگتی کہیں گے، لاکھوں کی دولت تو تم ملیں۔

بجنیا: جڑاؤ پتے پاندان میں رکھے ہیں۔ کانوں میں تو یہی پانچ پانچ آتے ہیں۔ نہ ہو تو ایک پتہ لے جاؤ، بزار میں دکھاؤ، جو دام اٹھیں، جدا کر ڈالو اور وہیں سے یہی چیزیں لیتے چلے آؤ۔

بخشو: (دھیمی آواز سے) اچھا تو دے دو۔ آج ہو سکا تو کسی وقت آج ہی اور نہیں تو کل سب چیزیں یہیں لو (جیب میں پتا رکھ کے) اچھا اب جاتے ہیں، کھانے کا انتظار نہ کرنا۔

(خدا بخش جاتا ہے)

گیارہواں باب

نجبنیا: (کنکری ہمسایے میں پھینکتی ہے)

نوجوان: (دیوار کے اس پار) کہو موقع ہے؟

نجبنیا: (دیوار پر اوچک کے) کہو، اچھے تو رہے؟ کیا کرتے تھے؟

نوجوان: اجی اچھے کیا، تمہاری محبت کی آزار میں گرفتار ہیں۔ سسکتے ہیں پڑے عاشق نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں خالی بیٹھے تھے۔ ہم نے کہا جب تک دو چار مڑی کر ڈالیں۔ اسی طرح اٹھے چلے آئے، کپڑے بھی نہیں پہنے۔

نجبنیا: ہاں وہی میں کہتی ہوں۔ ننگ دھڑنگ، برہنہ پیر کا بانکا کون نکل آیا، (شوق کی نظر سے نوجوان کو دیکھ کے) تم پر یہ شال باف کی غرقی کیا زوبن دیتی ہے، بھبوت تو سونے میں سہاگہ، ڈنڈ کیوں کر کرتے ہیں؟

نوجوان: (اپنے ڈنڈ بھجے دیکھ کے) واللہ، کیا بناتی ہو، یہ تو مٹی اوپر سے لگاء ہے، فائدہ کرتی ہے۔ کیا کہیں ڈنڈ تم کو دکھاتے، لیکن عورتوں کے سامنے کسرت کرنا منع ہے، خیر اچھا، خدا وہ دن لائے

نجبنیا: یہ مکان تو تمہارا ہی ہوگا؟

نوجوان: اجی یہ مگان تو ہماری کسرت کرنے کا ہے، یہاں اور کوئی آنے جانے نہیں پاتا۔ اس کے اس پار ہمارا کارخانہ ہے اس میں کاریگر لوگ بیٹھتے ہیں۔

نجبنیا: ہاں جب ہی میں کہتی ہوں، یہ اوجار پجار کیسا پڑا رہتا ہے، کھالی ایک طرف چھپر

نوجوان: ہاں، کونے میں کھڑکی لگا دی ہے، بس اسی سے آتے جاتے ہیں۔ اور زیادہ بنواتے اس مارے نہیں، خامخواہ کو لوگ گھسے رہیں گے۔ ایک بات آپ سے کہنا تھی۔

نجبنیا: کہو، کہو، کوئی ہے تو نہیں؟

نوجوان: (قریب آ کے) بھلا کوئی موقع ملنے کا ہو سکتا ہے؟

نجبنیا: پاک محبت دور ہی سے اچھی، اس میں بڑا مجا ہے کھڑے رہنا، میں گلوری بنا لاؤں

(گلوری لا کے دیتی ہے)

نجبنیا: لو، مگر ہاتھوں میں تمہارے مٹی بھری ہے، منہ میں لے لو۔

نوجوان: کیسے پونچھیں؟

نجبنیا: تلے کچھ رکھ لو

نوجوان: بھلا ایسی کون چیز اس وقت ملے، مگر ٹھہر جاؤ

(نیم کی ڈالی پکڑ کے ہلکی سی زقند بھرتا ہے)

نجبنیا: ہاں، ہاں درخت ہلے گا۔ گلی میں کوئی دیکھ نہ لے

(ھنوز یہ جملہ تمام نہ ہوا تھا کہ دیوار پر نوجوان آ گیا)

نجبنیا: دیکھو، پاؤں سنبھال کے رکھنا، دیوال بودی ہے

نوجوان: ہم تو بودے نہیں ہیں۔ اگر کہو تو جھم سے تمہارے گھر میں کود پڑوں

نجبنیا: (ہٹ کے) لے بیٹھ جاؤ، جھپاک سے، لو یہ پان منہ میں لو

نوجوان: واہ واہ بکری نے دودھ دیا تو میگنی بھرا بائیں ہاتھ سے تو پان ہرگز نہ لیں گے

نجبنیا: یہ کیوں، لو بھئی حیران نہ کرو

نوجوان: بھلائی کوئی بائیں ہاتھ سے دیتا ہے، آب دست کا ہاتھ

نجبنیا: (اپنی بے تمیزی پر جھیپ کر) اے ہاں بھول گئی۔ (داہنے ہاتھ میں پان لے کے) لو اب تو لو گے، راضی ہوئے؟

نوجوان: ہاں اس کا مضائقہ نہیں۔ مگر اس کا مزا تو یہ نہیں ہے۔ رہنے دو اپنا پان، وقت پر کام آئے گا، کیوں خون کراتی ہو۔

نجبنیا: لوصاحب الٹے ہمیں سے کھفا ہو گئے۔ سبحان اللہ! پہلے منہ چومتے گال کاٹا

نوجوان: واہ قربان آپ کی سمجھ کے معلوم ہوا آدمی ہو بڑی پونچھ کے

نجبنیا: (قہقہہ لگا کے)

سب صورت لنگور کی فقط دم کی کسر ہے

کیا کیا کھوب دیوال پر بیٹھے ہونا۔ خدا کے لیے نیم پرا چک جانا۔

نوجوان: (جھیپ کے) اجی اس کا مزا یہ ہے، پان اپنے منہ میں لے کے یاروں کو کھلاؤ۔ جو آدمی مہربانی کرے تو پوری، اور یہ کیا بھیک کی طرح ہاتھ اٹھا کے دے دیا۔

نجبنیا: معاج اللہ! کیا باتیں بنا آتی ہیں۔ اچھا لو تمہاری خوشی ہے تو جہاں (یہاں) انکار نہیں

نجبنیا: (دانت میں پان دبا کے نوجوان کی طرف رخ کرتی ہے)

نوجوان: (بے تکلفی کر کے چٹاک سے) بھلا سیب کو چھوڑ کے پتے کس نے کھلائے ہیں

نجبنیا: (گلوری داہنے ہاتھ میں لے کے) ہو تم پورے لنگورے کے، گالوں کو کھراب کیا، لے اب پان لیتے ہو یا پھینک دیں

نوجوان: اچھا اچھا لاؤ۔ میوہ کھا کے پان کھاتے ہیں

نجبنیا: ہو تم بڑے نٹ کھٹ آج کیسا کیسا حیران کیا مجھ کو دیکھوں تو سہی دوپٹے میں مٹی تو نہیں بھر گئی، ذری ہٹ کے سڑو، اوئی نوج

نوجوان: تمہارے واسطے اگر آج دنیا کی چاہے کالک لگ جائے، جو ہو سو ہو

نجبنیا: یہ تو سہی، اب بتاؤ کیوں کر ملیں گے۔ مگر دیکھو یہ کہے دیتے ہیں، یہ کانوں کان کوئی نہ سنے نہیں بہت ہی برا ہو گا۔ ارے تم مرد ذات ٹھہرے، تمہیں کیا، اپنے یار دوستوں میں بیٹھ کے ڈینگ مارو گے۔ آبرو میں جس کی بن جائے گی اس کی بن

جائے گی۔ ہم تو کہیں منہ دکھانے کے لائک نہ رہیں گے (آنکھوں میں آنسو بھر کے) آج تک کسی امر سے واکف نہیں۔ تکم کو دیکھ کے جی چاہا دو باتیں کر لیں تمہاری بھولی بھولی صورت پر پیار آیا۔ تم ایک ہی چھٹے لنگارے نکلے۔ اسی کے ہاتھ آبرو ہے۔

نوجوان: اجی اس پر نہ جائیے۔ بڑے بڑے نواب زادے شاہزادے کیا ہوں گے۔ ہاں تمہارا دل مضبوط چاہیے۔ مگر تم ٹھہریں دوسرے کے بس میں

نجبنیا: اس کا تو کھیال نہ کرو۔ یہ تو دل کا سودا ہے۔ اپنی کھوشی کی بات ہے کچھ کشی کی لونڈی باندی نہیں۔

نوجوان: تم تو پری ہو پری۔ نہ معلوم کس دیو کے پھندی میں پھنس گئی۔

نجبنیا: دیوا یو کون ہے۔ وہی مثل ہے، مانو تو دیو نہیں پتھل آج زی چاہے اوٹھ کھڑے ہوں۔ یہ شخص ہمارے مکان کے پاش رہتا تھا۔ گھر میں ایسی ہی بات ہوئی اٹھ کھڑے ہوئے۔ کھانے پینے کی کمی نی تھی۔ ابا ہماری سوداگری کرتے ہیں۔ لاکھوں کا اشباب ہے۔ دس نوکر چاکر آگے ہیں۔ ایک بات ہوئی، مجاز کو ناغوار گذری، بھری تھالی میں لات مار کر اوٹھ کھڑے ہوئے۔ کھدا رجاک ہے، جو ہے مجھے جندگی بھر کو بہت ہے۔

نوجوان: (زیور کو بھانپ کر) تمہاری باتوں سے طبیعت بے چین ہوتی ہے۔ اب یہ بتاؤ ہماری زندگی کی کیا صورت ہوگی۔ اس کی بھی فکر ہے تم کو؟

نجبنیا: (ہنس کے) چہ کھوش حواش درست کرو۔ کیا منہ کا نوالہ سمجھے ہیں۔ ٹھہرا جرا دم لو، دیکھو اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔ کیا ابھی جلدی پڑی ہے، کاتا اور لے دوڑی ابھی کے دن ہوئے، کے راتیں ایسے کا اعتبار کیا۔ ہر دیگی چمچا

نوجوان: اجی آپ یوں ہی باتیں بنائیے گا۔ یہاں دل کا یہ حال ہے، ایک لمحہ آپے میں نہیں آتا۔ امام حسینؑ کو اپنے ہاتھ سے شہید کرے جو جھوٹ کہے۔ کل یہ

کس کافر سے کھانا کھایا گیا ہو۔ رات آنکھوں میں کٹی، کروٹیں لیتے لیتے پسلیاں دکھ گئیں، کام میں جدا جی نہیں لگتا۔ تمہارے کارن کل استار سے بھی الجھن ہوگئی۔ دنیا اندھیر معلوم ہوتی ہے۔ معلوم کیا موہنی منتر تم نے پھونک دیا۔ تن بدن کی خبر نہیں۔ بعضے وقت تو ایسا غرقاب ہو جاتا ہوں، جی چاہتا ہے پر لگ جائیں اور تمہارے پاس پہنچ جاؤں۔ بیٹھے بیٹھے جی ایسا الجھتا ہے، کپڑے پھاڑ کے نکل جانے کو چاہتا ہے۔ یہ بات تو آج تک کبھی ہوئی نہ تھی۔ بعضے وقت جی ایسا کلفت ہوتا ہے، کسی کا بولنا چالنا زہر لگتا ہے۔ چڑیا بولی، جیسے کسی نے تیر مارا۔ یہ کیا کر دیا تم نے ہم تو کسی کام کے نہیں رہے۔ اب جو کچھ دھن ہے۔ یہی تم کسی طرح مل جاؤ۔ واللہ کھانا کھاتا ہوں حلق سے نوالہ نہیں اترتا۔ معلوم ہوتا ہے حلق تک پیٹ بھرا ہوا ہے۔ کیا کہوں، جن پر گذری ہوگی وہی جانتے ہوں گے۔ پہلے پہل ایک دفعہ اسی لکھنو میں ٹھیڑ آیا تھا، بس جو ساں اس میں دیکھا تھا وہی ہر وقت آنکھوں تلے پھرا کرتا ہے۔ تم کو کیا، مزے سے گھر میں بیٹھی ہو۔ ارے ظالم گذرتی تو ہے ہم ایسوں پر۔ تمہارا حکم ہے، کسی پر یہ بوچھوٹنے نہ پائے۔ اور اپنے تئیں بھی خیال ہے، ایسا کوئی امر نہ ہو جس سے دین دنیا سے جائیں۔

نجبنیا: ارے سنا ہے ایسا بہت

نوجوان: تو کیوں صاحب، ہمارا بھی ایسا ہی دکھ ہے، اچھا پھر سنانے سے فائدہ کیا۔ اندھے کے آگے روئے اپنے دیدے کھوئے

نجبنیا: ہاں صاحب، ہم ایسے ہی ہیں۔ پھر کوئی ایسا کوئی دیوانہ ہو، ہم سے بدتر، نکھتر حد بھر برے۔ دنیا اپنا رونا روتی ہے اور جو کسی پر گجرتی ہے، اس کی کیا جانے زوتی تم کو باتیں بنانا خوب آتی ہیں۔ سمجھ لیا ہے یہ نادان احمق ہے، کھوب بتاؤ۔ جو ہم پر بیت رہی ہے کھدا دشمن پر بھی نہ ڈالے۔ بھلا دل میں کچھ منشی کرو اگر جو کوئی بات نہ ہوتی تو ہم کاہے کو ملتے۔ سچ کہو تم نے ہماری ٹوہ لگائی یا ہم نے؟ مل ہم کو یہ

بات منہ سے نکالنا نہ چاہیے تھی، تم اور بھی پھول جاؤ گے۔ مگر کھیر اب زو کہی سو کہی۔

نوجوان: دیکھو! اس وقت کی بات کا دھیان رکھنا۔ ایسا نہ ہو کسی وقت بھول جاؤ۔ تم نے تو دل لگی کی مگر یہاں مارے کم بختی کے دل لگ گیا ہے۔ خیر اور کچھ تو کہتے نہیں، اتنی بات کی فرمائش ہے۔ کبھی کسی وقت رات دن میں یہ خیال کر لیجئے گا، کوئی آپ پر جان دینے والا بھی ہے۔ لے اب جاتے ہیں، خدا حافظ، مگر مایوس جاتے ہیں، آپ کا کچھ گرہ سے خرچ نہیں ہوتا۔

نجبیا: (جی میں خوش ہو کے) واہ اچھی کہی۔ ان کے لیکھے کچھ خرچ ہی نہیں ہوتا۔ ارے یہ تو عجت (عزت) آبرو کی باتیں ہیں۔ موتی کی سی آبرو اتر جاتی ہے، پھر آدمی میں رہتا ہی کیا ہے۔ دیکھو بہت گھبراؤ نا، بہت مٹھائی میں کیڑے پڑتے ہیں۔ دل کابو میں لاؤ، پھر کسو دن دیکھا جائے گا۔ پھر یہ تو ہم سمجھے بیٹھے ہیں، وہی ہوتا ہے، ہم یاد کرتے ہیں، گھر میں تڑپتے ہوں گے، تمہاری بلا کو اتنی فقیر بھی نہ ہو گی، کون بلا ہے جو ہمارے پیچھے دیوانی ہے۔ بے وفائی تو مردوں کا حصہ ہے۔ تم کیوں اس سے خالی ہونے لگے۔ منہ دیکھی باتیں ہیں۔

نوجوان: اچھا لے اب جاتے ہیں، خدا حافظ، کیا کہیں تمہارے پاس سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔ استاد آتے ہوں گے، ان کے نکتوڑے الگ، تمہارا فراق جدا، ایک بات ہو تو کہیں، زندگی اجیرن ہے۔

نجبیا: اچھا لے خدا حافج۔ اب کسی وقت موکع ملے، ہل یہ سمجھ لینا، ہم تو دن بھر گھر میں اکیلے بیٹھے رہتے ہیں، کوئی بات کرنے والا نہیں، ہر دم تمہارا ہی دھیان رہا چاہے۔ ہاں تو یہ کہو یہ کارکھانہ تمہارا ہی ہے؟

نوجوان: ہمارا کیا ہے، تم اپنا ہی سمجھو

(نوجوان نیچے اتر جاتا ہے اور نجبیا دیوار کے پاس سے ہٹ جاتی ہے)

بخشو اور نجبیا

بخشو: یہ لو آج تو بالکل پست ہو گئے۔ ایک ایک چیز ڈھونڈ تے آندھی روگ آ گیا۔ پھر لاؤ لاؤ، چوک سے کالے کوسوں، بالکل پسینے میں شرابور ہو گئے، اور پھر کئی ایک چیزیں نہیں ملتیں۔ مسی والے کی دکان بند تھی نہیں معلوم اس کا ہیضہ ہو گیا یا کون آفت آئی۔ مفت خدا اس کی تلاش کی رپڑ پڑی۔

نجبنیا: یہ تو کہو وہ کتے کو گئی؟

بخشو: تہ دلی سے بیٹھنے تو دو، سب بتاتے ہیں، گھبرائی کیوں جاتی ہو، بھئی تمہاری جلد بازی ہاتھ پاؤں پھلائے دیتی ہے۔ لے پہلے یاروں کو حقہ تو پلوائیو۔ جوانی قسم راستے میں جو کہیں دم بھر ٹھہرے ہوں۔ مارا مار چلے آتے ہیں۔ رستے میں گول دروازے پر رزاق ککڑوالے نے لاکھ لاکھ کہا، کیا تو آ رہا ہے، دو پھونک پیتے جاؤ۔ بہت جی چاہا مگر ہم نے کہا بہتر دیر ہوئی۔ تم بیٹھی راہ دیکھتی ہو گی۔ ایک ایک دم لاکھوں برس کے برابر ہے۔ یار بخشو ان باتوں میں جو پھنسے رہے، یہیں ایک کان بہرا، ایک کان گونگا کیا، پڑے پکارا کرو، بلا سنتی ہے۔ یہاں تاؤ ہی اور تھا۔ تم میری عادت جانتی ہو، کوئی کام ہو، جب تک جی پر نہیں رکھا نہیں رکھا، اس میں جتنی چاہے دیر ہو، جب کوئی امر محنت اور مشقت کا اٹھ لیا، پھر بے کیے لمحہ بھر چین نہیں۔ جب تک نہ کریں گے کھانا پینا حرام۔ غلام حسین کے پل پر چاء کی دوکان پر ہماری غنی کے لنگوٹیا یار میر صاحب ملے، چسکی پیتے جاؤ۔ میں نے کہا بھائی صاحب معاف رکھو۔ اس وقت میں بڑے کام میں ہوں، دم لینے کی مہلت نہیں، مجھے کوئی انکار نہیں، پھر کسی دن دیکھا جائے گا، ایک دن کے سو ساٹھ دن، کہیں تم بھاگے جاتے ہو یا ہم۔ بھئی تم جانتے ہو کبھی میں نے انکار کیا ہے، جانے دو، آج نہ سہی کسی اور دن دیکھ لیا جائے گا۔

نجبنیا: ارے یہ تا نتا پنواڑا ہوتا رہے گا۔ موئی بات نہ ہوئی، شیطان کی آنت ہوئی، ہونے نہیں آتی۔ کیا تمہاری بری خو ہے۔ زبان ہے موئی رانڈ کا چرکھا۔ مطلب کی

بات بارہ بارہ چوبیس کوس نہیں ۔ یہ سب کصہ دھرا گئے، حال نہ معلوم ہوا، پچ گئی کتے کی؟

بخشو: اجی چیز کو کیا پوچھتی ہو؟ سب روپیہ، ریز گاری اور ٹکے ملائے، کوئی پونے بارہ آنے کو پڑی۔ اچھا اب اپنا حساب سمجھ لو، چھبیس کا نین سکھ، پورا تھان ہے۔ سات کا یہی ہو گیا۔ اس کم بخت کو اٹھائے اٹھائے ہاتھ جھول گیا۔ اف اوہ! معلوم ہوتا ہے سیسہ پلایا ہوا ہے اور کہنے کو تو صاحب سوت ہے۔ یہ عطر اور تیل لو۔ دیکھو سنبھال کے رکھنا، شیشی ٹوٹ نہ جائے۔ دو آنے کا تیل، چار آنے کا عطر نہیں ملتا اور جو ملتا بھی ہے دو ایک پھریریاں ملتی ہیں۔ ہم نے کہا یہ تو جاتے ہی جاتے اڑ جائے گا، کہاں رکھیں گے۔ لو یہ پونے چار روپیہ بچے ہیں، ان کی مالک ہو

نجبنیا: نین سکھ تو کچھ اچھا نہیں۔ نہ معلوم تم کہاں سے اٹھا لائے؟ بیگم صاحب کے پائجامے کے واسطے تو بڑا چکنا آتا تھا، جیسے کیلے کا گابھا۔ یہ تو موا موٹا کھدھڑ کس سے پہنا جاوے گا۔ تمام رانیں چھل جائیں گی۔ اسی مارے ہم نے کہا تھا، صوفیا نہ کپڑا ہلکا ہلکا گھر میں اچھا ہو گا۔ اور ہاں ایک بات تم بھول ہی گئے، رنگ کی پڑیا تو تم لائے نہیں۔

بخشو: اجی جو تم بتایا وہ لے آئے۔ کیا علم غیب ہے۔ لے تمہارے دل کا حال کسی کو کیا معلوم

نجبنیا: اچھا اگر زو ہم بھول گئے تو تم کو کیوں نہ یاد آیا۔ تم کو کھدا نے اتنی سمجھ نہیں دی یہ نہ سمجھے، آخر کیا سفید پائجامہ پہنیں گی، یہ رنڈ سالہ تمہاری پچھل پائی کو مارق رہے، یہاں دشمن، مدعی، نوج کھدا نہ کرے۔

بخشو: اجی تم بات بھی سنتی ہو۔ میں جو کہتا ہوں، رنگ کی کوئی بات نہیں۔ ابھی اتنی رات کو پیسہ دو پیسہ کی پڑیا لا دوں۔ اس میں برا ماننے کی کون بات۔ ہمارے جیتے جی تم کیوں رنڈ سالہ پہننے لگیں۔ اسی کو تم جتنا چاہو ہو کوس لو، مگر یہ تو خیال کرو، آخر کس

کے مرنے پر وہ رانڈ ہوگی۔ یہ گویا ہمیں کو کوسنا ٹھہرا۔

نجبنیا: ہم کیا جانیں۔ زو ہمارے شاتھ جیشا ہوگا ویسے ہی ہم بھی ہوں گے۔ مفت میرا صبر سمیٹتے ہو۔ تم کو میں نے کون بات کہی۔ تم اپنے گھر گئے ہوگے۔ میں نہ مانوں گی۔ بش اس پچھل پائی کی جھانجھا تارتے ہو۔ آج جری سے محنت کرنا پڑی، چیں بول گئے۔ پھر کس برتے پر تتا پانی معلوم ہوگیا، دل میں ہماری طرف سے کتنی جگہ ہے۔ شاری ہانڈی میں ایک چانول ٹٹولا جاتا ہے۔ بش میاں جی تانت باجی راگ بوجھا۔ سچ بھی ہے، ایک منمناشی جان، کیا کرے کیا نہ کرے۔ بہت مار میں آدمی تو بہ بھول جاتا ہے۔ اش شے تو بہتر ہے صاف جواب دو۔ ہمارا بھئی رجاک ہے تمہاری بھی زان چھوٹے ہماری بھی زان چھوٹے۔ سچی سے سوم بھلا جو جلدی دے جواب

بخشو: اجی خالی پیسے کی پڑیا پر یہ ملولہ ہے۔ لاؤ اسی وقت میں لائے دیتا ہوں، حقہ پھر آ کے پیوں گا۔ واللہ تمہاری اس وقت کی باتوں پر بہت ہی رنج ہوا ہم کو

نجبنیا: نہیں نہیں رہنے دو۔ گلی میں کئی ایک مسی سرمہ والے نکلتے ہیں، میں آپ پکار لوں گی، اور بھی کئی چیجیں لینا ہیں۔

بخشو: نہیں واللہ اگر رنج سے کہتی ہو تو میں لانے کو طیار ہوں، لے دو پیسے

نجبنیا: نہیں میں نے تو ہنسی سے کہی تھی، تم نے برا مانا۔ جانے دو، للہ معاف کرو۔ تم بھی کیسی بچوں کی سی باتیں کرتے ہو ارے نہ (دیر نہ) آدمی ہو کے۔ اچھا لے اب دیر ہوتی ہے، رات کو تم کو سونا ہے، دن بھر تھکے ماندے رہے ہو۔ مگر دیکھو شچ (صبح) کو جب ڈیوڑھی پر جانا، ادھر ہوتے جانا۔ اور ہاں یہ تو بتاؤ اس پچھل پائی نے سن گن تو نہیں پائی۔ ڈیوڑھی پر تو ہمارا جکرا نہیں ہوتا بھلا ڈیوڑھی کے پیسے ڈولی کے فاشلے پر ہوگی۔

بخشو: کوئی دو آنہ ڈولی کا فاصلہ یہاں سے اور ڈیوڑھی سے ہوگا۔ گلی میں مکان

ٹھہرا، ٹوہ لگنا ممکن نہیں۔ تم نشا خاطر رہو، مزے سے گھر میں بیٹھو، کسی بات کی فکر نہ کرو۔ جب تک بخشو کے دم میں دم ہے کسی کی مجال نہیں۔ سمجھ بوجھ کے سب کام کرتے ہیں، کچھ کیا انیلے ہیں۔ آخر اتنی عمر آئی، اسی تمہارے نکھلو امیں چپہ چپہ چھانا پڑا ہے۔ بھلا ہماری چھپائی چیز آج کوئی ڈھونڈ تو نکالے۔

نجبنیا: لے اب جاؤ، میں کنڈی بند کرلوں، نیند آتی ہے

نجبنیا: (بخشو جاتا ہے، غنغناتی ہے)

کبھی آیا کرو کبھی جایا کرو
نینوں سے نینا لڑایا کرو
کوٹھے پر پنزرا (پنجرا) بنایا کرو
چھوٹی مینا سے لال لڑایا کرو

نجبنیا: اے جی! اے جی! کیا ابھی تک سوتے ہو؟

نوجوان: (آواز سن کے، غرقی باندھے سامنے آکھڑا ہوتا ہے) اجی سونا، کھانا پینا تو تمہارے نذر کرچکے، ہر وقت اسی طرف کان لگے رہتے ہیں

نجبنیا: جری ھیاں (یہاں) آنا، دھوپ میں کھڑے کیوں ہو

نوجوان: (گاکے)

دھوپ میں ہم کو خراب و خوار رہنے دیجیے
آپ اپنا سایہ دیوار رہنے دیجیے

بھئی پاس آتے ڈرتے ہیں۔ اچھا ایک وعدہ کرو، جو ہم کہیں کروگی؟

نجبنیا: واہ! جو نہ کرنے کی بات ہو؟

نوجوان: بھلا وہ کون ایسی بات ہے جو ہماری اور تمہارے معاملے میں کرنے کی نہیں۔ محبت میں تو سب ہی کچھ کرتے ہیں۔ دل پر رکھو، سب کچھ ہوسکتا ہے۔ کہنے کو تو پہلے لوگ کہی گئے ہیں

تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

نجبنیا: (مسکرا کر) اچھا یہ گلوری تو لو

نوجوان: (گلوری لے کے) ایک ترکیب رات کو سوچی ہے، جو تم بھی پسند کرو۔

نجبنیا: کہو کہو، اچھا کہو کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو

نوجوان: بھئی یوں دیوار کی بات چیت ٹھیک نہیں۔ ہمارے دالان میں کوٹھری ہے، اس کی دیوار تمہارے دالان کی دیوار سے ملی ہوئی ہے، وہاں موکھا بنائیں۔ وقت بے وقت جب جی چاہا کرے، اپنے مزے سے بات چیت ہو جایا کرے۔

نجبنیا: (سوچ کے) ہاں ہے تو ٹھیک ہی۔ بھلا تم لگا لگاؤ گے یا ہم اینٹیں ہٹا چلیں۔ کوئی بات کھل تو نہ جائے گی؟ ایسا ہوا تو بڑی خرابی ہوگی ہمارے تمہارے لیے

نوجوان: اس کی طرف سے بے فکر رہو۔ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہوگی۔ سوائے ہمارے اس کوٹھری میں آنے والا ہی کون ہے۔ ہاں جو ہو سکے، تم اپنی طرف سے مضبوطی کر لو۔ پرائے گھر کا حال کسی کو کیا معلوم؟

نجبنیا: اچھی بات ہے یہاں کون ہے، ابھی تو اکیلے ہم ہیں۔ وہ وقت بے وقت آئے، دو چار باتیں کیں، چلے گئے۔ کیا پڑی ہے کونا کونا جھانکتے پڑے پھریں۔ ہم بھی کوئی آڑ لگا دیں گے۔ بھلا ایسا نہیں ہو سکتا؟ ہم ادھر سے کھودیں اور تم ادھر سے؟

نوجوان: ہاں بھئی بات تو مزے دار ہے

دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

مگر کیا خرابی ہے ہم نہ معلوم کہاں سے کھود چلیں، تم نہ معلوم کدھر سے لگا لگاؤ

نجبنیا: اچھا تو اس سے کیا، ہمیں لگا لگاتے ہیں۔ بھلا تمہارے یہاں کچھ اینٹیں ہٹانے کو ہوگا؟

نوجوان: اچھا ٹھہرا جاؤ، ڈھونڈھیں، دیتے ہیں

(نجبنیا سروتے اور پنکھیا کی ڈنڈی سے کھٹ کھٹ کرنے لگی۔ کچھ دیر کی محنت میں

اینٹ جوذری ڈھیلی گلی تھی، ہٹالی)

نوجوان: اس وقت اس مکان میں اور تو مل نہ سکا، لو یہ ایک کیل مل گئی ہے

نجبنیا: (کوٹھری سے باہر نکل کے) اجی ہم نے لگا بھی لگائے دیا، ایک اینٹ بھی کھینچ لی۔ لاؤ رکھ لیں، شاید کوئی وقت اس سے بھی کام نکلے

(دن بھر میں اچھا خاصہ موکھا بن گیا)

نوجوان: واہ، وا! یہ تو خوب راستہ بن گیا

بخشو: کھولو کھولو، (کنڈی کھٹکھٹا کے) ارے کیا سو گئیں؟

نجبنیا: (موکھے کے سامنے بچھونا اور جھلنگا پلنگ سے آ کر کے کوٹھری سے جلدی نکل کر) معاج اللہ، کیا ذلری مجاز میں ہے۔ آمی کے ہاتھ پاؤں پھلائے دیتے ہو، میں نے کہا سب چیجیں گھر میں تتر بتر پڑی ہیں، لاؤ ٹھکانے سے رکھ دوں۔ موئی ہلکان ہو گئی۔ دوسرا آدمی بھی نہیں ملتا، بلا سے ہاتھ بٹائے، آپ ہی بی بی آپ ہی باندی

بخشو: کیا ہے کیا آج تم نے بڑی دیر لگائی۔ کیا سو گئیں تھیں یا کچھ پکاتی تھیں؟

نجبنیا: آرام چین تو موئے بخشو کے کٹے لگا۔ لو صاحب، ہم تو جان ہلکان کریں، جرا دم بھر کی دیر ہو گئی، جامے سے باہر ہو گئے، یہ تو نہ پوچھا، مرتی ہو جیتی ہو، پتھر ڈھوتی ہو؟ کہنے لگے کیا آرام کرتی ہو؟ واہ، وا! دیکھی آپ کی کدردانی کوئی اپنا لہو پانی ایک کرے! تمہارے پیجار کی نوک سے

بخشو: یا اللہ میں تمہیں کچھ کہتا ہوں۔ آج تو تم ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو۔ اگر گھر کے کام دھندے میں پھنسی تھی تو اپنا گھر ہے۔ اس میں ہتھے پر سے اکھڑے کی کون بات ہے۔ اس وقت ہم سودے کو ادھر آئے تھے، ہم نے کہا لاؤ دیکھتے چلیں۔

نجبنیا: دیکھنا کیا ہے۔ گھر میں ٹٹروں ٹوں کیلے پڑے رہو، کوئی بات چیت کرنے والا نہیں۔ رات کو کیا مصیبت زان پر رہی۔ کل ذری پنڈا دھویا تھا، تم جانو پانی ہو گیا ختم، بہت ٹاپتی پھری، ایک بوند میسر نہ آیا، حلکوم میں کانٹے پڑ گئے۔ پیاس کا یہ

حال، لاکھ پان پر پان کھاتی ہوں، آز بجھتی ہے نہ کل۔ پڑوس میں کسی سے بوند پانی بھی نہیں مانگ سکتی۔ عجب جنگل میدان میں لا کر تم نے ڈال دیا ہے۔ جو آدمی مر بھی جائے، کوئی بوند بھر پانی بھی نہ دے۔ کوئی آفت پڑے، کسی کو پکار بھی نہیں سکتی۔ وہی میاں بہشتا وخت پر پانی دے جائیں تو جندگی ہو۔ کہو کھدا نے تمہارے دل میں نیکی ڈال دی، ادھر ہو نکلے نہیں تو یونہیں مچھلی کی طرح تڑپ تڑپ کے مر جاتے۔ اب لیے کوئی دوسرا مکان آباد ان محلّہ میں

بخشو: تو کیا رات کو کٹورا بھر پانی نہ تھا؟ کیا کہوں اس مکان میں کنواں نہیں، نہیں تو یہ دقت نہ پڑتی، خیر گھبراتی کیوں ہو، اب کوئی اچھا سا مکان لیں گے جس میں سب طرح کا آرام ہو۔ اور اس وقت تو میں گھڑے، صراحیاں، آنجورے لائے دیتا ہوں، بھروا رکھنا

نجبنیا: ایک مٹکا تیر در لانا

(بخشو سب چیزیں لا دیتا ہے)

نجبنیا: پانی بھر گیا؟ یہ تو بتاؤ، یہ سب برتن انوا سے کس نے؟

بخشو: تمہارے بھی شک کی عجب عادت ہے، اجی اسی بہشتی نے

نجبنیا: تم کھڑے دیکھا کیے؟

بخشو: اور نہیں میں کیا کرتا

نجبنیا: اجی قلمہ پڑھ کے پاک کرتے۔ کیا معلوم اس نے قلمہ بھی پڑھا تھا یا نہیں ہم ہوتے آپ ہی پاک کرتے۔ بس تمہاری یہی باتیں تو مجھے خار لگتی ہیں۔ سب گھڑے مٹکے نجس ہو گئے۔ ان سے رتی بھر پانی پینا ہمارے لیکھے سور مردار ہے۔

بخشو: مسافرت میں یہ باتیں نہیں چلتیں۔ لے اب ان باتوں کو میں کہاں تک خیال کروں رات بھر سے تو پیاسی تھیں، اب انوا سنے کا جھگڑا نکالا۔

نجبنیا: نہیں تو یہ کام کے نہیں، اپنے تمہیں کو مبارک سب بیکار اب تہ دلی سے اور

برتن مجھے لا دو۔

بخشو: لے اب تم نے بھی وہ جھگڑا نکالا۔ دن بھر میں اسی کتے خسی کا ہوا۔ دنیا میں کوئی دوسرا کام دھندا نہیں

نجبنیا: ہمارے کام میں یونہیں آندھی روگ آتا ہے۔ تم کو ہمارا کام ایسا ہی برا لگتا ہے نہ کرو صاحب، کیا کوئی جبر دستی ہے، کہتے ہیں کوئی آدمی لا دو، تمہارے کیے نہیں ہوتا، پھر یہ کڑک، محلے میں کسی سے بولو چالو نہیں۔ پھر جندہ زان، کیوں کر کام چلے۔ سچ کہا ہے بندھا کھوب مار کھاتا ہے (رونے لگی)

بخشو: (گھبرا کے) اس میں خفا ہونے کی کون بات ہے تم کو اتنی سی بات پر رنج ہوا۔ میں ابھی دوسرے گھڑے لائے دیتا ہوں۔ یہ ساری سوختی بہشتی کی ہمارے ساتھ نکالتی ہو۔ اس میں میرا کیا قصور۔ آدمی میں کیا پیدا کر دوں، ملتے ملتے ملے گا۔ تم تو چاہتی ہو ہتھیلی پر سرسوں جم جائے۔ اجنبی کو گھر میں بلا بھی نہیں سکتے۔ نیکی ہے، بدی ہے، ہزار باتیں ہیں۔ نہیں اس میں میرا کیا فائدہ ہے۔ خیر یہ بھی وقت کی بات ہے، تم اپنا دل چھوٹا نہ کرو، دیکھو تو خدا کیا کرتا ہے۔

نجبنیا: نہیں، تم اب میرے کام سے گھبراتے بہت ہو۔ یا تو زھاں ڈیوڑھی پر آئے، کوئی بات کہی، چاہے کسی کی سنو نہ سنو، مگر میرے کام سے جی نہ چراتے تھے۔ میں اب ادنیٰ اعلیٰ سب باتیں تمہیں سے کہوں۔ کب تک تم کر سکتے ہو، دل ہی کی تو بات ہے۔ اس میں جبر دشتی کیا۔ اب وہ دل ہی نہیں رہا۔ گھر میں پڑی رہو۔ مرگی زان سے گئی، خانے والوں کو سوا دنہ ملا۔ تمہارے شر نہ پڑے تو کاہے کو ازیرن ہوتے۔ ہم نے اپنے پاؤں کلہاڑی ماری، کوئی گلہ نہیں کرتے، اپنا کیا اپنے آگے آتا ہے۔

بخشو: لے اچھا جاتے ہیں۔ ہو سکے گا، کوئی وقت آ جائیں گے۔ تم کھانا پکا کے ہمارا انتظار نہ کیا کرو۔

نجبنیا: اچھا رات کو کس وقت آؤ گے؟ ساری رات آنکھوں میں کٹتی ہے، مچھر، کھٹمل

موئے الگ ستاتے ہیں۔ کھٹکے کے مارے سو نہیں سکتے۔ سو یا مو یا برابر ہے پھر کھٹمل، مچھر الگ ستایا کرتے ہیں۔ بندی نہیں چونکتی

بخشو: دیکھو مہلت مل گئی، ضرور آ جاؤں گا۔ مگر آج وہ مہمان جانے والی ہیں۔ اگر چلی گئیں تو گھر چھوڑ کے نہیں آ سکتا۔ دس بجے تک تم انتظار کرنا نہیں تو دروازہ زنجیر کر کے سو رہنا۔

(یہ کہہ کے بخشو چلا گیا)

نجبنیا: (موکھے سے) اے جی، اے جی! کیا کرتے ہو؟

نوجوان: ابھی کارخانے کے لوگوں کو چھوٹی ہوئی، مال مسالہ سکھار کے رکھ آیا ہوں۔ لے اب نچنت ہو کے باتیں کریں گے۔ کہو تمہارے مزاج تو اچھے ہیں؟ کیا رنگ ڈھنگ ہیں؟

نجبنیا: ارے ہم بے چاروں کے کیا رنگ ڈھنگ کید میں پڑے سڑتے ہیں۔ جرا جرا سی بچ کو دن بھر حیران ہیں۔ کوئی اتنا نہیں پیسے کے پان لا دے۔ کل چھالیہ نہ تھی، دن بھر منہ میں شابون گھلا رہا۔ موئی تماخو کی ایسی بری لت پڑ گئی، زھاں جرا سی دیر ہوئی زماھیاں آتے آتے باچھیں پھٹی جاتی ہیں۔

نوجوان: یہ تکلیفیں ہمارے ہوتے کیوں اٹھاتی ہو، ادنی سا اشارہ کافی تھا۔ یہ سارا کارخانہ تمہارا ہی ہے۔ جس وقت جس کام کو کہہ دو، فوراً حاضر

نجبنیا: لے ہم کو کیا معلوم آ زکئی دن سے پیسے کی مسی منگوائی ہے، آز آتی ہے نہ کل۔ تیل جو آیا خوسبو دار نہیں۔ نہ معلوم کہاں سے میٹھا تیل اٹھا لائے، جرا جو خوسبو ہو۔ زمیع باتیں سمجھو۔ لے جب سے یہاں آئے ہیں پھولوں کے ہار کو ترس گئے۔ عادت تھی، چاہے کوئی خانے کو نہ دے، ایک اچھا سا موٹا ہار شرھانے کے تقیے کے پاس ضرور ہو۔

نوجوان: یہ کون بڑی بات ہے، آج ہی لو۔ مگر یہ تو بتاؤ، ان ہاروں اور عطر کا

سونگھنے والا کون ہے۔ مسی کی دھڑی کون دیکھے گا۔ تم روز آج کل آج کل پر ٹالتی ہو۔ واللہ بے دودھ لڑکا رکھنا اسی کو کہتے ہیں۔

نجبنیا: کیا بھولی بھالی باتیں ہیں۔ ابھی کھیلو کھاؤ۔ ارے نادان یہ ٹیڑھی کھیر ہے

نوجوان: آپ کی جوتی سے یہاں تو جان پر بنی ہے، وہاں آپ نصیحت نامہ کھول کے بیٹھی ہیں۔

نجبنیا: اچھا پھر کیا جلدی ہے۔ کون دن موکا ہو، اب تو موکھا ہو گیا ہے، سمجھو ہم تمہارے گھر میں، تم ہمارے گھر میں

نوجوان: تم نے پان نہ معلوم کیا دیا تھا، ہمارا دل خود قابو میں نہیں، رات کروٹ بدلتے کٹتی ہے۔ اچھا یہ ٹالے بالے روز ہی رہیں گے۔ واللہ آج تو اگر چاہو مل سکتے ہیں۔ جو یونہیں آج کل رہے گا تو کل دیکھ لینا ہم نہ ہوں گے

نجبنیا: اے ہے، ایسی بات نہ کرنا، تمہیں ہماری قسم، ایسا امر کوئی کرتا ہے؟ سمجھ دار ہو کے ایسی نادانی کسی نے کی ہے؟

نوجوان: اجی روز کا جھگڑا چھوٹے۔ ہم کو یقین ہو گیا، ہماری جان کی خیریت نہیں (آبدیدہ ہو کے) ہم تو رات دن تمہاری محبت میں جلتے بھنتے رہتے ہیں، تم تو آج کل پر ڈالتی ہو۔ دیکھو میں سچ کہتا ہوں، کوئی وقت مجھے اپنے ہی گھر سمجھو۔ باشد، ہرچہ، بادا باد دل کی ہوس تو جیتے جی نکال لیں۔ اور یہ تو دیکھا نہیں جاتا، ہم تو یہاں پڑے جلا کریں اور آپ مزے سے گھر میں چین سے رہیں

نجبنیا: دیکھو ٹھہرو، سنبھلو ایسی دیوانے کی سی باتیں نہیں کرتے۔ جو ایسی ہی بے تابی ہے، تمہارے بس کی بات ہے ہم نے تو کہہ دیا ہر وقت تم اپنے ہی پاس سمجھو۔ کہیں موکع ہوتا ہم تم ایک پاس رہتے ہوتے۔

نوجوان: یہ کون بڑی بات ہے اگر کہو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو، لے چلیں کسی مکان میں اجی کہیں ٹھکانا نہیں، سرا تو کہیں نہیں گئی ہے

بنجنیا: پھر یہی کھیال ہے۔ اس گھر سے جا کے پھر یہاں کبھی نہ آئیں گے۔ کسی کے بس میں تو ہیں نہیں۔ اپنی خوسی خوان ہیں۔ جہاں چاہیں وہاں بیٹھیں۔ کشی کی بہو بیٹی نہیں۔

نوجوان: اچھا یہ کون تم کو یہاں لایا اور یہاں کیوں کر رہتی ہو؟

بنجنیا: کوئی بھی نہیں، منہ بولے بھائی ہیں، پھر بھائی نہ بھائی ہم کو جو فقر ہے، ہمارے شاتھ کی چیزیں سہولت سے ہمارے شاتھ چلیں جائیں۔ سب طرح کی آرام آسائش اسی میں ہے۔

نوجوان: یہ تو کوئی بڑی دقت نہیں۔ اگر کہو تو اسی وقت ممکن ہے۔ تم اپنا دل مضبوط کرلو۔ کاہے سے ایک شخص ہے جس کے ساتھ اس محلے میں تم آئی ہو۔ اگر اس کی طرف سے مضبوطی ہے تو ہر وقت ممکن ہے، کوئی الجھن بھی نہیں

(دن بھر میں شہر کے سرے پر ایک کچا پکا مکان سستے کرائے کو لیا اور غیر محلے کے کہار بلا کے لائے)

نوجوان: لے سب ٹھیک ہے۔ مکان وغیرہ سب ٹھہرا ہوا ہے۔ ڈولی بھی ساتھ ہی لیتے آئے ہیں، اور جو کوئی مزدور ٹھیلہ درکار ہو، وہ بھی آ سکتا ہے

بنجنیا: اس زگڑے کی کیا ضروت ہے، پھیر دو۔ ہماری سنو، اسباب تو ہے نہیں، یہی ایک آدھ گٹھری، پان دان ہم تم اندھیرے اجالے لے لیں گے۔ اس گلی سے نکل کے پھر کوئی اواری سواری کر لیں گے۔ کوئی گھر سے نکلتے کانوں کان جانے بھی نہیں۔ وہ آئیں گے ضرور۔ کیا ضرور ہے کوئی جاتے وقت دیکھ لے۔ جہاں تک ہو سکے وہاں تک چھپائے

نوجوان: ہاں واللہ، یہ تو ٹھیک کہی لانا چوڑی والا ہاتھ کہاروں کو دو پیسے دے کے رخصت ہوتا ہوں۔ تو اب گیارہ بجے کا وعدہ ٹھہرا۔ مکان میں قلف تو دے ہی آئے ہیں۔ یہاں سے نکل کے ڈولی یکہ کر لیں گے

نجبنیا: ہاں دیکھو ایک ہی سواری پر لگا تار چلے جانا بھی ٹھیک نہیں۔ جیسے پہلے اکہ کیا، تھوڑی دور چل کے ڈولی کی، جب آگے بڑھے اور کوئی شواری کر لی، اشی طرح نہیں تھوڑی دور پیدل چلے اور اشل کھیر سے گھر میں پہنچ گئے۔

نوجوان: اچھا جو تم کہو گی کیا جائے گا۔ آج ہم اپنے گھر میں ایک دوست کی شادی میں جانے کا بہانہ کریں گے۔ دیر سبیر میں پچھلے کو آئیں گے۔

نجبنیا: اچھا وہ تو آئیں گے نہیں، سب کھانے وانے کا بندوبشت کر لیں، پھر نچنت ہو کے بیٹھیں

(گیارہ بجنے کے بعد)

نجبنیا: اے جی اے جی! سنتے ہو، لے وخت ہے

نوجوان: سب تم نکال رکھو اور تم بھی طیار رہو رہو

نجبنیا: شب ٹھیک ہے۔ بش تمہارے آنے ہی کی کسر ہے۔ یہاں جھگڑا ہی کیا نہنگ لاڈلے درجی کا کیا کوچ کیا مکام

نوجوان: (دروازے پر آ کے آہستہ سے) لے کھولو

نجبنیا: یہ لو گٹھری بغل میں لیں گے، اوپر سے دو لائی۔ یہ پاندان تم ہاتھ میں لے لینا۔ یہ لوٹا کٹورا ہے۔ دوشرے ہاتھ میں بس نکل چلو ارے یہ بچھونے کی دری رہ گئی

نوجوان: اجی اس کی کیا فکر، کاندھے پر ڈال لیں گے۔ لے بسم اللہ کرو

(راستے میں)

نوجوان: ارے میاں اکہ والے ہوت! کرایہ کرو گے؟ کے پیسے لو گے؟

اکہ والا: جائے گا کہاں؟

نوجوان: ارماں وہیں تک وہ جو اکبری ہے نہیں وہیں پرا تار دینا دو سواریاں ہیں

اکہ والا: کچھ اسباب بھی ہیں؟

نوجوان: ارماں اسباب کیا یہی پاندان

اکہ والا: دوآنے دیجیے گا؟

(سوار ہو کے اکبری دروازے پہنچتے ہیں)

نوجوان: (کہاروں کے اڈے پر پہنچ کے) ارے بھئی مہرا کوئی ڈولی ہے؟

مہرا: ہاں حجور کہاں سواری پہنچانا ہوگی؟

نوجوان: ارماں یہیں نوازگنج تک جلدی بولو، کیاں لوگے؟

مہرا: چھ پیسے دینا پڑیں گے۔ کہاں سواری اترے گی؟ ابھی تو ہوا کی طرح پہنچاتے ہیں

نوجوان: اچھا لے آؤ جھٹ پٹ ڈولی۔ یہ دولائی اوپر ڈال دینا

(ڈولی نوازگنج پہنچتی ہے)

نوجوان: لے بس یہیں اتار دو۔ یہ تو مکان ہے، اب پیدل چلے جائیں گے، یہ چھ پیسے اپنے لو

(دونوں پیدل جاتے ہیں)

کانسٹبل: بھلا جوان بھلا ارے کو جات ہے؟

نوجوان: ہم ہیں مجلس میں جاتے ہیں ماتم کر کے چلے آئیں گے

کانسٹبل: اور یو ہاتھ میں کا ہے؟

نوجوان: ہے کیا، پاندان ہے دیکھ لو

کانسٹبل: لے اتنی بریا میاں لوگ نکست ہو۔ بیگموں صاحب ساتھ تھانے پر جائی چاہے۔ حکم نکلنے کا کوؤ کا نہیں۔

نوجوان: ارماں اپنا کام کرو۔ کیوں راستہ کھوٹا کرتے ہو۔ وہاں ماتم ہو چکے گا۔ ان سے لاکھ کہتے رہے سویرے چلو، اسی مارے کہا ہے عورتوں کا جھگڑا واہیات ہے

(دوانی نکال کے چپکے سے ہاتھ پر دھری)

نجبنیا: (آگے بڑھ کے) میری تو ازن نکل گئی۔ واللہ خوب چقمہ دیا۔ میری تو گھگی

بندھ جاتی۔ اچھا ہو تم ساتھ تھے۔

نوجوان: اب پہنچ گئے۔ وہ دیکھو نکڑے کے ہاں مکان بھی ہے

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

بارھواں باب

بخشو: ارے گھر میں کوئی نہیں؟ (باہر نکل کے اہل محلّہ سے)

کیوں صاحب! اس میں سو جو سواریاں رہتی تھیں، کہاں گئیں؟

ایک لڑکا: ہم کو نہیں معلوم، کہیں ہوں گی

بخشو: اس محلے کی بھنگن کہاں رہتی ہے؟

لڑکا: کیا کلو کی ماں کو پوچھتے ہو؟ وہ تو کہیں دور سے آتی ہے کماتی ہمارے یہاں ہے کیا تم سے اور اس سے ملاقات ہے؟

بخشو: ارے بھئی نہیں وہ تو سب جانتی ہو گی۔ تم کو کچھ نہیں معلوم تمہارا گھر یہاں کس جگہ ہے؟

لڑکا: ہمارا گھر دور ہے، ہم تو کھیلنے نکل آئے۔ وہ کون ہیں جن کو تم پوچھتے ہو؟

بخشو: اجی تم کو اس سے کیا کام تم یہاں کسی کو جانتے ہو؟

لڑکا: ہاں ہمارا بھائی کارخانے میں کام کرتا ہے

بخشو: کارخانہ کہاں ہے؟

لڑکا: یہی گوٹے کا، تیزآں ہ روز پاتا ہے۔ شام کو چھٹی ملتی ہے، ہمارے لیے پونڈا لے جاتا ہے۔ اماں کھیر پکاتی ہے، دوپہر کو ہم کھانا لاتے ہیں ہم بھی چار برس میں تین آنے پائیں گے۔ ہماری بجیا کہتی تھیں پھر شادی کریں گے، بڑی دور سے برات جائے گی

بخشو: اچھا یہاں کسی کو جانتے بھی ہو؟

لڑکا: استاد کو، چلو ان کے پاس چلو

بخشو: (استاد سے) حضرت سلام علیک معاف فرمایئے گا، اس محلے میں آپ کے زیر سایہ ایک نیک بخت رہتی تھیں، وہ کہاں اٹھ گئیں؟

زردوز: حضت معلوم نہیں محلے میں بیسیوں آتے جاتے ہیں۔ کس طرف رہتی تھیں

؟ کب سے رہتی تھیں؟ ان کے یہاں کوئی مردانہ تھا؟

بخشو: اس آپ کے کارخانے کے کوئی دو مکان آتے

زردوز: وہاں تو مرزا مستا بیگ رہتے ہیں۔ کیا وہ اٹھ گئے؟ ابھی کل تو ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ کچھ جانے والے کا ذکر نہیں کیا۔ وہ تو مدت سے اسی مکان میں رہتے ہیں۔ مکان انہیں کا ہے آپ کو دھوکا ہوا ہوگا۔

بخشو: نہیں میں سچ کہتا ہوں، مجھے خوب معلوم ہے، بلکہ کبھی کبھی ایک آدھ دفعہ دن میں میں خود آیا جایا کرتا تھا، بلکہ وہ مکان ہمارے پاس کرایہ کو تھا، بلکہ بھنگی بہشتی بھی ہمیں نے لگایا تھا، بلکہ کرایہ پیشگی ہمیں نے دیا تھا، بلکہ سودا سلف بھی لا دیا کرتے تھے۔

زردوز: نہ معلوم آپ کیا کہتے ہیں یہ تو کارخانہ ہے۔ اس کے بغل میں ایک خالی مکان ہے جو اسی کے متعلق ہے۔ داہنی جانب ایک اور صاحب رہتے ہیں آگے چل کے مرزا مستا بیگ کا مکان ہے۔ بائیں جانب کو آپ کہتے ہوں تو تعجب نہیں۔ اسی خالی مکان کے بائیں جانب البتہ ایک مکان عرصے سے خالی تھا۔ بھلا کتنے دن ہوئے آپ کو کرایہ پر لیے ہوئے؟

بخشو: ہاں، ہاں، وہی وہی خدا آپ کا بھلا کرے۔ کوئی کم وبیش یہی پندرہ بیس دن ہوئے ہوں گے۔

زردوز: حضت، اس کا حال مجھے نہیں معلوم، دیکھیے لڑکے کو بلاتا ہوں۔ ننھے مرزا! ننھے مرزا ذرا ادھر تو آنا۔ معلوم ہے کوئی صاحب یہاں رہتے تھے؟ آپ ان کے پاس جایا چاہتے ہیں

ننھے مرزا: نہیں معلوم آپ (بخشو سے) کہیں باہر سے تشریف لائے ہیں؟

زردوز: اس سے تم کو کیا مطلب؟ اس میں کوئی صاحب رہتے تھے، آپ ان کو پوچھتے تھے۔ اب وہ نہیں ہیں؟

ننھے مرزا: نہیں معلوم، ہیں یا چلے گئے۔ میری ان سے ملاقات نہ تھی

بخشو: ارے صاحب! وہ مکان ہمارے پاس کرایہ کو تھا اس کے رہنے والے کہیں چلے گئے، ہم کو خبر نہیں

ننھے مرزا: ہم نے آپ کو تو دیکھا نہیں۔ کئی روز سے ایک نواب صاحب کبھی کبھی آیا کرتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے انہیں کا مکان لیا ہوا ہے

بخشو: (بھیا نک ہو کے) تو کیوں حضت! آپ ان کو جانتے ہیں؟ کیسی صورت تھی، بھلا وہ کہاں رہتے ہیں؟

ننھے مرزا: آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ ہم کیا جانیں کون بلا تھے۔ کوئی نواب تھے۔ چوٹے تھے، ہوں گے کوئی ہم اپنے کام میں پھنسے رہتے ہیں۔ کیا ان سے دوستی تھی؟

بخشو: ہاں صاحب، آپ بھی بجا فرماتے ہیں میں سمجھا، آپ انہیں اچھی طرح جانتے ہوں گے

ننھے مرزا: اچھا اس میں رہتے کون لوگ تھے؟ کیا آپ کے بال بچے رہتے تھے؟

بخشو: نہیں بھائی یہ بات نہیں ہے بلکہ ایک معاملہ ایسا ہی تھا۔ اسی محلے میں مکان لے دیا تھا، وہ لوگ رہتے تھے سمجھے تھے بھلے آدمیوں شریفوں کا محلّہ ہے۔

ننھے مرزا: تو کیا آپ کے نہ سمجھنے سے کیا بدمعاشوں کا محلّہ ہو گیا۔ یہاں سب عزت اور آبرو دار رہتے ہیں۔ بدمعاش لچوں کو دم بھر کھڑا نہیں ہونے دیتے۔

بخشو: بجا ہے۔ تو آپ کو ان لوگوں کا حال نہیں معلوم (استاد سے) تو حضت جاتے ہیں ہم کچھ پتا نہ چلا

استاد: خدا حافظ

بخشو: (بھنگن سے مل کر) اجی بی خاکروبن! اجی بی خاکروبن! تم کو کچھ معلوم ہے؟ تمہیں اس گھر میں کماتی ہو نہ؟ یہ جو رہتی تھیں کہاں گئیں؟

بھنگن: جو رپیے بھی نہ ملے۔ آپ نے ہم کو مکرر کیا تھا، ہم تو آپ کو جانیں۔ آپ مل گئے نہیں ہمارے پیسے بھی گئے تھے، سلامتیاں رہیں

بخشو: اجی پہلے یہ تو بتاؤ وہ گئی کہاں؟

بھنگن: کیا مجھ سے کہہ کے گئیں۔ لے پچاس گھر کے جانے والے ہم ٹھہرے۔ کیا دن بھر ان کے پاس بیٹھے رہتے تھے؟ مل کہیں جانے کا جکرا ہم سے نہیں کیا۔ ہاں لا کلام کپڑے رنگتے ہم نے دیکھا تھا۔

بخشو: اچھا ہم تو یہاں ٹھہرے ہیں، ٹوکرا پھینک کے آؤ اپنے پیسے حساب کر کے لے جاؤ۔ تم کچھ نہیں جانتی ہو، بہشتی آئے اس سے پوچھیں گے

(بھنگن چلی گئی تھوڑی دیر کے بعد سقہ آیا)

بخشو: ارماں بہشتا! پانی آج درکار نہیں۔ آج تک کا حساب کرلو

سقہ: تو یہ مشک کو چھوڑ دینے دیجیے لے اب کہاں جا کے چھوڑیں، اور صاحب کس بات پر آپ ماقوف کرتے ہیں؟

بخشو: ارمان مکان خالی ہو گیا۔ تم کو معلوم ہے یہ نیک بخت جو اس میں رہتی تھیں، کہاں چلی گئیں؟

سقہ: جناب ہم کو آنے جانے کا کچھ حال نہیں معلوم ایک مشک آپ نے مقرر کرائی تھی، وہ دو وقت دے جاتے تھے۔ اتنا کہہ سکتے ہیں، اس گھر میں وہ اکیلے رہتی تھیں کوئی آتا جاتا بھی نہیں دیکھا آگے العلم عنداللہ

بخشو: اچھا یہ لو پیسے

(بخشو چلا جاتا ہے اور دن بھر کی رخصت لے کے پھر اسی محلے میں آ کے خاک ریزی کرتا ہے)

نجنیا اور ننھے مرزا

نجنیا: بازار سے دو چار چیجیں منگانا تھیں

ننھے مرزا: آرام کی سب چیزیں تو پہلے ہی سے جمع کر دی گئیں اور اب جو کچھ بتائیے وہ حاضر کیا جائے

نجبنیا: کچھ نہیں، ایک خوبصورتی سی پلنگڑی نواڑ کی لا دیتے۔ بڑی سی دری، ایک اوغالدان، کھاصدان، اور ہاں ایک منا سا لمٹ، مٹی کا تیل، تیل بھرنے کی کیف اور کوئی کام کرنے والی عورت یہ سب باتیں ہو جاتیں تو اچھی بات تھی۔

ننھے مرزا: اچھا سب ہو جائے گا۔ رفتہ رفتہ سامان کر دیا جائے گا۔

نجبنیا: تو کوئی دس بیس دن میں؟

ننھے مرزا: اجی نہیں، دو ایک دن کی بات ہے تم نے بھی کمال کیا، دس بیس دن کہاں رہتے ہیں؟ میں کہتا ہوں آج کل تک یہ سب سامان لیس لو۔ ایک فقیرنی کو ہم جانتے ہیں، دیکھو اس سے کہیں گے۔ تنخواہ لے، پھر کیا اسے کتے نے کاٹا ہے کام نہ کرے گی۔ وہ نہ سہی ہزاروں نوکری کو ملتے ہیں۔ کسی نہ کسی کو لا دیں گے۔

نجبنیا: اور ہاں ایک بات تو بھول ہی گئی۔ ایک جوڑی اور جغل باڑی، ایک جوڑی بوٹ وہ عورت بھلا کہاں رہتی ہے؟

ننھے مرزا: اچھا اچھا، یہ سب آج ہی لو

نجبنیا: دیکھو کھرچ کی بات نہیں، ہمارے پاس مجود ہے۔ (پاندان سے ایک پتا نکال کے) یہ لو، جو روپیہ نہ ہو اس کو کھڑے کھڑے بازار میں بیچ ڈالنا اور سب لے آنا

ننھے مرزا: اجی اس کی کیا ضرورت ہے؟ تم کو بتانے سے مطلب ہے یہ ہے تو کس کا، وہ ہے تو کس کا

(ننھے مرزا بازار سے سب چیزیں لا دیتا ہے)

ننھے مرزا: لو یہ ہیں سب چیزیں ٹھیک؟ دیکھو تمہارے واسطے ایک کاغذ کی پنکھیا بھی لے آئے ہیں۔ بھئی واللہ کیا کاغذ کے پھول کاٹے ہیں، اور یہ مٹی کے نواب کس آن

بان سے بیٹھے ہیں۔ اور نوید آئینہ بھی لو۔ تم بھول گئیں تھیں، ہم نے کہا یہ تو ہر وقت تمہارے واسطے ضرور ہوگا۔

نجبنیا: ہاں ہاں آئینہ تو پاندان میں ہے مگر وہ ذری چھوٹا ہے۔ صاف نہیں دکھائی دیتا ہے (آئینہ دیکھ کے ٹیڑھا منہ بنا کر) معاج اللہ! کل سے کنگھی نہیں کی، چہرے مکھڑے پر کیسی اداسی برستی ہے۔ آنکھوں کا کاجل بالکل شفا چٹ ہے۔ ارے تو گلوری کی سرخی بھی ہونٹوں پر نہیں آئی۔ جاتے ہیں، ذری منہ تو دھو ڈالیں۔ ہاں ننھے مرزا ایک چیز یاد رکھنا کوئی دن باجار جانا سرکا تیل ایک پکی میں لیتے آنا۔ ہے تو مگر ختم ہو چلا ہے۔ ایسی کھراب عادت ہے، جس دن مگج پر جری سا تیل نہیں لگاتی، شارا دن شر جیسے پھٹا جاتا ہے۔ عادت دیکھو، کل بھی بھول گئی تھی۔ آج کل اپنے حواشوں میں تھوڑے ہیں۔ ہاتھ منہ دھوئیں گے۔ کنگھی کریں گے، تیل لگائیں گے، تب زار کے آدمی ہوں گے۔ اور ہاں وہ ماماں تو رہی گئی۔

ننھے مرزا: کم بخت مجھے ملی نہیں۔ اس کی تلاش میں ہوں۔ کیا کرے اب کوڑی کوڑی محتاج ہوگئی، نہیں اس کا زمانہ تھا، روز دس پانچ روپیہ کھاتی تھی۔ ابھی اچھی طرح یاد ہے کوئی پانچ چھ برس کی بات ہے، دس پانچ آدمی اس کے پوچھنے والے بھی تھے لیکن کہاں اب اوتر گئی۔ کوئی اور آمدنی تو تھی نہیں، اب بے چاری پیٹ کسی طرح پال لیتی ہے۔ جس دن نہ ملا، پیٹ بڑا ظالم ٹھہرا، مگر عورت اپنی ذات سے ہے اچھی۔ کیا کرے بے چاری بازار سے سودا سلف لانا، جیسے گوشت ہے ترکاری ہے، پان ہیں، پھر گھر کا سب کام کاج، برتن جھاڑو بہارو کسی بات میں تامل نہیں۔ صرف ایک وقت روٹی پر اگر ٹھہر گئی تو خیر کچھ مہینہ کر دیں گے۔

نجبنیا: ہاں روٹی میں کچھ لگتا ہی نہیں۔ اے کم سے کم تین چار روپیہ ایک آدمی کے کھانگی میں بیٹھتے ہیں، مگر یہاں کی بات نہ کہو۔ باجار سے پوریاں، مٹھائی، نہاری آ جائے گی، ہمارے تمہارے آگے سے بچے گی، سب اسی کے کھانے میں آئے گی۔

نفع میں ضرور رہے گی۔ میجان پٹ جانے کی بات ہے، چام نہیں پیارا دام پیارا، مرجی کے موافق کے کام کرے گی تو پھٹا پرانا کپڑا دے دیا کریں گے۔ مگر ابھی اعدے نہیں کرتے۔ آئے تو سہی، دیکھا جائے گا مگر دیکھو، گھر کا کام کاج سب بند ہے، ہم کیا کیا کریں؟

ننھے مرزا: اجی تم آج ہی لو۔ کیا کہوں ملی نہیں، میں تو ابھی پکڑ لاتا۔ یہ تمہارے کہنے کی بات ہے؟ مجھے خود خیال ہے۔

نجبنیا: اچھا محلّہ کون ہے؟ کیسا ہے؟ یہاں سے دکانیں نیگچ ہیں؟ سب چیجیں مل جاتی ہیں؟ سبیتا ہو تو ذری مکان صاف کرلیا جائے۔ بھئی مجھ سے ایسے ویسے مکان میں رہنے کو جی نہیں چاہتا۔ بھلا ایسا تو ہو، اپنے لائق ہو، ذری سیر بھی ہو۔

ننھے مرزا: اجی چند روز تو جس طرح ہو کاٹو۔ ابھی ہلٹر مچا ہوا ہے۔ کل تمہارے وہ آئے تھے ہمارے محلے میں۔ عجب آدمی ہیں، کچھ افیمی سے معلوم ہوتے ہیں۔ بد حواسی کی باتیں تھیں۔ محلّہ والوں سے پوچھتے تھے، استاد سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ ہم سے کہتے ہیں، تم جانتے ہو۔ میں نے کہا میں کیا جانوں اور ایسی باتیں کیں۔ پھینک دیتا دنیا کے اس سرے عمر بھر ڈھونڈیں گے پتا نہ پائیں گے۔ لے بھلا ہم ان کو بتا دیں گے۔ ہم نے جی میں کہا جاؤ، عمر بھر پڑے جھینکا کرو۔

دکھلا کے زلف گیسوؤں والا نکل گیا
پیٹا کرو لکیر کہ کالا نکل گیا

نجبنیا: اب ان سے کہو گڑھیا میں منہ دھو رکھیں۔ یہ بھی وقت کی بات تھی۔ بھلا بخشو کی بھی یہ مزال، ہم کو لے کے گھر میں چین سے بیٹھیں۔ نانا ابا کے برابر تو ہونے کو آئے۔ چنڈو افیم نے پورا مچرس بنا دیا، زور و بچوں نے چوس لیا، سیپ لگی ہوئی مینا۔ چلتے میں کدم اٹھانا دسوار۔ موتتے دھار سوجھتی نہیں۔ کسی کی کیا ایسی کھاٹ لگی تھی، اپنی جوانی گارت کرے۔ کیا مر کے پھر جینا ہے۔ یہی دن دنیا کی بہار دیکھنے کے

ہیں۔وہ کوئی اور ہوں گے احمک، اپنی پیس ایسے کے پیچھے اکارت کرے۔نوج دور پار، چھائیں پھوئیں۔ایسے سے تو پاکھانے میں میں تو لوٹا نہ رکھاؤں۔سو اخدمت گار ٹکے کا آدمی۔کوئی عجت آبرو والا نہیں۔کوڑی میاں کے پلے نہیں۔جب ہمیں اپنے پاس سے بیچ نکال کے دیں بتب کھرچ چلے۔کھدا کی مہربانی سے کمی نہیں، چار پیسے اٹھا سکتے ہیں۔تمہارا دل تو معلوم ہو گیا، اتنے پانی میں ہو۔بھئی حک (حق) واجبی بات ہے تین روپیہ سوکھے ٹھہرے آمدنی، چار چار چھ چھ مہینے چڑھ جاتے ہیں، کس کس بات کو پورا کریں۔ایک پیٹ سکر سے بھر سکتا ہے، شوکا پیٹ کھاک سے بھی نہیں بھر سکتا۔ان پر کیوں بیٹھنے لگی تھی۔جس کا چاہا ہاتھ پکڑ لیا۔کھود مکھتا رہیں، وہ ہمارے اما باوا نہیں، داعیہ کیا بہت پچتائیں گے، ہمارے پیچھے لگیں گے، بھری کچہری میں کہہ دوں گی، یہ ہوتے کون ہیں۔موئے لنگاڑوں کی صحبت مجھ کو ایسی باتوں سے نفرت۔ان کی اور راہ ہماری اور راہ۔بس وہ اپنی قسمت پتھر لے کے پھوڑیں، اب نجم النسا بندی ان کے ہاتھ لگنے سے رہی۔

ننھے مرزا: بات ٹھیک ہے۔معلوم نہ تھا ذات کا خدمت گار ہے، نہیں میں تو رات بھی نہ رکتا۔وہ ڈانٹ بتاتا، پیشاب نکل جاتا۔چھوٹے آدمی کا دل ہی کتنا۔

نجبنیا: بھلا یہ تو پوچھو، تم لائے کہاں شے؟

ننھے مرزا: اجی بس معلوم ہو گیا۔زیادہ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔اب جو ادھر آ نکلے اور میرا سامنا ہو گیا، ایسے لتے لوں گا، میاں گھر کا راستہ بھول جائیں گے۔جو بہت تڑش کریں گے، آتا ایک کیل کی آنکھوں تلے تارے چھٹک جاتے، ایک ہی لپوٹا دیا ہو۔کہو میں نے استار کا منہ دیکھا، صلاحیت کی باتیں کیں، کم بختی تو آ ہی چکی تھی۔میں نے کہا ننھے مرزا ایسے موقع پر پی جاؤ۔ابھی تو بھانڈا پھوٹتا ہے۔تمہاری فرمائش کی بھی فکر تھی۔

نجبنیا: اس وقت کھانے کو جی چاہتا ہے۔اللہ آج ہم تم شاتھ خانا خاتے۔

ننھے مرزا: جو کہو لا دیں۔ نہاری لا دیں، نہاری پوریاں لا دیں، بالائی لا دیں، ربڑی لا دیں، مٹھائی لا دیں، شیر مال لا دیں، کباب لا دیں؟ کیا لوگی، بولو؟ چوک کی خستہ کچوریاں، کپتان کے کنوئیں کی برفی وہ دانہ دار بکتی ہے کیا بات ہے۔ چوپٹیوں کی گلوری، واللہ جو کہو لا دیں۔

نجبنیا: اچھا مگر تقلیب نہ کرنا

ننھے مرزا: نہیں نہیں، تکلیف کی کوئی بات نہیں۔ جو کہو ابھی حاضر، ملائی کی برف والا بولتا ہے، کہو بلائیں؟

نجبنیا: ہاں ہاں بہت بھاتی ہے، جرور بلاؤ

(دو چار قفلیاں کھا کے اور برف والے کو وہیں بیٹھا چھوڑ کے کھانا لاتے ہیں اور دونوں کھاتے ہیں)

نجبنیا: محلے میں کون کون رہتے ہیں؟

ننھے مرزا: رہتے تو سب ہی طرح کے لوگ ہیں مگر ہم کو کیا۔ خیر یہ مکان تو جلدی میں لے لیا، دیکھو دو ہی ایک روز میں کوئی اچھا سا کمرہ بہار دار گلزار میں لے لیں گے۔ جہاں سب طرح آرام ہو، ہر طرح کے آدمی آتے جاتے ہوں۔ دیکھو مل گیا تو چوک یا نخاس میں۔ پھر زندگی کا لطف اسی میں ہے۔ دس آدمیوں سے ملنا جلنا بھی ہو گا، چار آدمی بھی آ جائیں گے۔ اور یوں کونے میں پڑے پڑے سڑنا مفت میں جان گنوانا ہے۔ یہ بہو بیٹیوں بی بی زنوں کو مبارک رہے۔ کسی بات میں کمی تو ہے نہیں اور پھر لکھنو کا غدار شہر۔ کس رقم کا آدمی یہاں آج موجود نہیں۔ بڑے بڑے شہزادے، نواب زادے، امیر کبیر، دس دس بیس بیس ہزار کا وثیقہ دار تمہارے شہر میں پڑا ہوا ہے۔ ذرا سی بات میں لاکھوں روپیہ اٹھاتے، شاہ خرچ، کنکوا، بٹیر تو ایسا لڑیا، ادنی شہ میں لاکھوں پانی کی طرح بہا دیے۔ میں تم سے کیا کہوں، ایک ایک مہاجن جوہری ایسا ایسا شوقین نکلے گا، یہاں سے لے کے تا بہ لندن جن کا لین دین۔ برابر یہاں کا

مال وہیں کٹتا ہے۔ پھر جو سلیقہ اور تمیز داری وضعداری یہاں کے ادنیٰ بازاری میں ہے، باہر کے کروڑ پتی کو نصیب نہیں۔ اور شہر تو شہر ایک ایک اڑیل تعلق دار، راجہ بابو ایسا، بڑے بڑے راجا مہاراجا آگے جن کی چلموں پر آگ رکھیں۔ بعض دفعہ میں تم سے کیا کہوں، اتنے راجے بابو شہر میں امنڈ پڑتے ہیں کہ ایک ایک دن کی کمائی عمر بھر کھانے کو ہو جاتی ہے۔ ہمارا کارخانہ تو انہیں کی بدولت آج چل رہا ہے۔

نجبنیا: کیا علاقہ؟

ننھے مرزا: علاقہ یہ، ایک ایک فرمائش ایک ایک سرکار سے دس دس بیس بیس ہزار کی مل جاتی ہے۔ یہیں زردوزی کامدانی کا کام ہوتا ہے۔ شہر بھر میں تو کبھی کبھار یہ چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ وہ زمانے گئے، ہمارے ہوش کی تو بات نہیں، مگر ہاں پرانے ریزے جو پڑے پڑائے رہ گئے ہیں، کہا کرتے ہیں، اتنا سونا چاندی گھروں راستوں میں خاک میں پڑا رہتا تھا، ادنیٰ سے بھنگی، جھاڑو بہارو دینے والے جوڑ جوڑ کے یہ بڑے بڑے مکان بناتے۔ شادی غمی، مرنا جینا، بال بچوں کے کام کاج ایسی دھوم دھام سے کرتے تھے، آج بڑوں بڑوں کو نصیب نہیں۔

نجبنیا: ہاں ہم نے بھی سنا ہے۔

ننھے مرزا: ہماری بھی صلاح ہے، کوئی کمرہ ایسا نہیں، ذرا ہمارا والا ہو۔ چار بھلے آدمی آ جا سکیں۔ سامان بھڑک دار جمع کر لیں۔ یہ فرش فروش، دو چار آرائش کی چیزیں، ایک آدمی کام کرنے کے واسطے۔ سو خیر، اللہ نے چاہا، آج ہی کل میں ہوا جاتا ہے۔ جس وقت راستے میں بی جانو مل گئیں، اسی وقت لے آیا۔ سامان اوہ اس کی کچھ فکر نہیں۔ آج چاہو، چٹکی بجاتے موجود۔ اجی ایک دن میں چوک نخاس سے سینکڑوں کا سامان لے لو۔

نجبنیا: ہاں ٹھیک ہے۔ اچھا مشافرانہ اش میں ٹھہرے ہیں۔ کرایہ بھی جتے دن رہیں گے، اٹھتے وقت چکا دیں گے۔

ننھے مرزا: ایک مہینے کا کرایہ تو پیشگی دے ہی چکے ہیں۔ یہاں رہے گا کون۔ ایک اچھا سا جوڑا تیار ہو جائے پیازی گرنٹ کا پائجامہ، گوٹ پر ہلکا سا کار چوبی کام، کامدانی کا ہلکا سا سرمئی رنگ دوپٹہ، اودے رنگ کا چھوٹے کپڑوں کا جوڑ کامدار، مقیش کا بوٹ پھول دار، آگے دیکھا جائے گا۔

بخشو اور یاران طریقت

بخشو: کہو یار چے کریم! کیا خبریں ہیں؟ کہیں آج کل داؤں نہیں پڑتا؟ سنو تو جی سمجھوتا نہ ہوگا۔ جلدی گور کفن چاہے، تم جانو عورتیا کا پیچ ٹھہرا، سب طرح کا ڈر، پہلے پہل کی تو بات ہے، ان باتوں کا جوڈھب ہے، وہ تو بھائی آتے آتے آئے گا۔ وہ انیلی کیا جانیں، اس کو تو یہی جلدی حصہ نجر اہو جائے۔

کریم: ابے تیرے مارے ناک میں دم ہے۔ اب باکی کیا ہے۔ ان کا جتنا مال تھا دے دیا۔ انمتد دیکھ لیں۔ رتی رتی ریزہ ریزہ موجود۔ رہ گیا نگدی کا بھاگ، سو ہم آج اکھاڑے میں کہیں گے، بھئی اس کا بھی چکوتا کر ڈالو، بھائی جو کچھ حصے میں پڑے، لے دے کے انگ کرو۔ کہاں کا جھنجھٹ الگ بھی کرو۔ ہاتھی چھوٹے چھوٹے گھوڑا چھوٹے، ارے ہاں نچنت ہو جائیں۔ نہ اودھو کا لین نہ مادھو کا دین۔، پھر اپنے جب موکع گٹھے گا، یار لوگ پھر مجود۔

بخشو: بھائی صاحب! میں کہتا ہوں، تم سمجھ تو لو۔ اس میں تیکھے ہونے کی بات نہیں۔ ہم نے بھی تم سے چار کپڑے زیادہ پھاڑے ہوں گے۔ لے اب سمجھو، کیا نازک معاملہ، نہ جانے کن چکموں سے اس کو گانٹھا، خدا خدا کر کے اس امر پر وہ نیم راضی ہوئیں پھر تم جانو کام وہ اس نے کیا ہے، آج بڑے ہشیار منجی ہوئی گھائیاں ہوں۔ عمر اسی میں بیتی ہو۔ ان سے تو آج ایکا ایکی چاروں چولوں سے ٹھیک ہو جائے تو یہ مونچھیں (مونچھوں پر ہاتھ پھیر کے) پیشاب سے منڈوا ڈالوں۔ سیتا اسی میں، جو کچھ حصہ نکلے، کوڑی کوڑی جبہ جبہ الگ کر دو، ہم جا کے ان کے ہاتھ رکھ دیں۔

لو یہ بی بی تمہارا حصہ ہے، جو چاہو کرو۔

کریم: ارے تو مرا کیوں جائے ہے۔ کام کرتے ہیں، سمجھ بوجھ کے کرتے ہیں۔ ارے بھئی وخت تو آنے دو۔ بے چار آدمیوں کی صلاح مشورے کو نہ کیا جائے گا۔ دینے کو ہم کچھ نا مکر ہوتے ہیں؟ دیں گے گلے گلے پانی۔ کیا کہیں لیے بھاگے جاتے ہیں۔ بے صبر کیوں ہوئی جاتی ہیں۔ حصہ سمجھو تو دودھ پی رہا ہے۔ کہیں آپس میں پھوٹ ہوتی ہے۔ یہ کچے لوگوں کا کام ہے۔ جان جوکھم سے تو کام کریں اور ذرہ سی بات پر نکل جائیں، کھیل بنا بنایا بگاڑ دیں۔ اجی میں تم سے کہوں، سب ٹھیک ہو چلا ہے، کانوں کان خبر نہیں۔ اب کیا رہا، تھوڑے روز اور سائی چاہیے۔ سارے بدن کی تو سوئیاں نکل گئیں، خالی آنکھوں کی باقی ہیں۔ اور دو چار دن ٹھہر جاؤ۔ پل مارتے وہ بھی گذر جائیں گے۔ پھر آخر تو سبھی میں پھانٹ چاہیے۔

بخشو: یہ تو ہم جانتے ہیں، سکھانے کیا آئے ہو۔ جو ایسا ذرا درمیان نہ ہوتا تو کون نطفے حرام اس امر کو زبان پر لاتا۔ وہ تو مانتی نہیں ہیں، بلکن ایک روز بگڑ گئیں، اگر جو چھر مچر ہو گی تو میں رتی رتی سارا حال کھلے خزانے کہہ دوں گی۔ میں ایک ایک کو جانتی ہوں۔ پھر خدا نے چاہا، تم سبھی دھر لیے جاؤ ہے تو یہی سہی۔ ٹنڈیاں کس جائیں بڑے گھر بھیج دیے جاؤ۔ میں بہت ڈرا سہم ہی گیا۔ میں نے بہت چیتے یار بنایا، پچارا دیا، گھبراتی کیوں ہو، آج اگر کسر مسر ہو، تم کو اختیار ہے، تمہاری ناک چوٹی کی بھی خیر نہیں۔ ہم بھی سسرال جانے کو طیار۔

کریم: ہاں، یہاں تک بات بڑھ گئی تو بھیا اب دے ہی ڈالنا چاہیے۔ ایک بات اور ہے مال اڑایا ہوا خود ان کے پاس برآمد ہوگا، وہ بھی دھری جائیں گی۔ اجی ہم تو وہ ہیں، سب باتیں سمجھے بیٹھے ہیں۔ اپنے ہاتھوں کی کی ہوئیں ہیں۔ نکل کے جائے گی کہاں؟ ہاں البتہ چاہتے ہیں، جہاں تک ہو، بات پر خاک پڑی رہے، اس میں ہم سب کا فائدہ ہے

صاحب خانہ اور مصاحبین

شیخ صاحب: حضور کیا عرض کروں، دن رات اسی فکر میں ہوں، زمین کا گز ہو گیا۔ دن بھر جلے پاؤں کی بلی بنا ابھی اس محلے میں ابھی اس محلے میں، ذرا ٹوہ پائی لپک گیا۔ مگر واللہ کیا شاطر چور تھے۔ بقول شخصے، آنکھوں کا کاجل چرانے والے۔ چپہ چپہ ڈھونڈ ڈالا۔ ایسا الوپ انجن لگایا، زمین کے پردے پر نظر ہی نہیں آتا، نہیں تو ہتھکڑیاں ڈلوا دی ہوتیں۔ جیل خانے میں پڑے پڑے سڑ گئے ہوتے ایک بات عرض کرنا ہے۔ ایک صاحب اتفاقیہ کل ملے یہاں اور چھوکری نکل جانے کا سب حال کہا۔ بہت کچھ انکار کیا۔ آدمی بہت معقول، نیک، فرشتہ خصلت مگر ایک کمال ہے۔ اسم پڑھتے ہیں صبح کو، بھاگے ہوئے آدمی کا حال اس طرح بتا دیتے ہیں جیسے آنکھ کا دیکھا ہوا۔ نام، نشان، کہاں ٹھہرا ہے۔ کس سمت بھاگ گیا ہے، کیا کیا ساتھ لے گیا ہے؟ سب بتا دیتے ہیں۔ آج شام کو ملنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں نے کہا سرکار سے تو پوچھ لوں۔ اجازت ہو ان سے ذکر کروں؟

صاحب خانہ: ہاں میرے نزدیک آپ ضرور جائیے۔ اگر کچھ خرچ کی بھی ضرورت ہو تو بھی کچھ تامل نہیں۔ بہتر ہے بیگم صاحب سے بھی رائے لے لوں۔ میں تو ان باتوں کو شروع ہی سے منع کرتا تھا۔ انہیں کی حماقت نے یہ نتیجے نکالے۔ انہیں کے سر اس کا عذاب ہے

شیخ صاحب: (سیوتی سے) آداب تسلیمات عرض کرو اور کہو ایک بزرگ وارد پہنچے ہوئے ہیں۔ وہ اسم کے زور سے بھاگے ہوئے آدمی یا جانور کا پتا اس طرح بتا دیتے ہیں جیسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہاں ہو گا کسی جگہ یا باہر؟ مع اس کے اس کے گھر کے بتا دیں گے۔ دور دور تک نام ہے۔ اگر حکم دیں تو ان سے سب حال عرض کیا جائے، پھر جا کے گھسیٹ لائیں۔

بیگم صاحب: (سب حال سن کے) ہاں ہاں صاحب، ضرور دنیا کی کوئی بات نہ

اٹھا رکھنا چاہیے۔ لے جانے کو تو کوئی چیز ایسی قیمتی نہیں لے گئے، مگر یہ حرکت تو بری ہے۔

شیخ صاحب: غلام نے یہ سب باتیں طے کر لی ہیں۔ صرف اجازت کی دیر ہے۔ چناں چہ نواب صاحب نے بھی کہا، زیادہ نہیں صرف عامل صاحب سے ادھیا پر معاملہ ہوتا ہے۔

بیگم صاحب: ادھیا کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شیخ صاحب: عامل صاحب کا منشا ہے، جتنے کا مال گیا ہے، اس کی آدھی قیمت حق المحنت میں بطور انعام کے سرکار سے مرحمت ہو۔ ان کا بھی بہت کچھ عمل خوانی میں اپنی گرہ سے خرچ ہو گا۔ حاضرات وغیرہ، موکلوں کو دعوت اور اسی طرح کے سینکڑوں طرح کے اخراجات، پھر سب ہی ترکیبیں کریں گے۔ غرض کہ جس طرح ہو گا پتا لگائیں گے۔ جب تک مال مل نہ جائے گا، تب تک پورا محتانہ تو ہم دینے سے رہے۔

بیگم صاحب: ہاں یہی تو میں بھی کہتی ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو، کھا پی کے بیٹھ رہیں۔ دنیا ٹھہری بے ایمان۔ چھو چھکا والے کھاؤ پیر مشہور

شیخ صاحب: حضور بجا اعتبار کرنا واہیات، غلاموں سے بھاگ کے جائیں گے کہاں۔ پہلے اپنی مضبوطی کر لیں گے، تب لینے دینے کی بات چیت ہو گی۔ سب طرح تلاش کر کے ہار کر چکے ہیں۔ پولیس بھی بہت سر کھپی کر چکا، ان کی بھی بدنامی کی بات ہے نا۔ جب کوئی پتہ نہیں لگتا تو ہمارے درجے کی یہ تدبیر ہے۔ یہ بھی کھیل دیکھ لیں۔ عقل مندوں نے کہا ہے، ساری جاتے دیکھے تو آدھی دیجیے بانٹ۔ بس حضور پر سب روشن ہے۔ ماشاء اللہ سے فہمیدہ ہوشیار کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کس کا اعتبار کیا جائے؟ جو عقل مند ہوں گے ایسا ہی کریں گے۔ مگر اب کیا کیا جائے۔ ہاتھ پتھر کے تلے ہیں۔ جہاں اور کھیل کھیلے، ہر دنگا نہیں کھیلے۔ اپنے مقدر بھر تو کوئی دقیقہ

اٹھا نہ رکھیں گے۔ حضور کے اقبال سے کامیابی ہوگئی تو فہما، گویا لاکھوں کی دولت مل گئی، نمک خوار سرخرو ہوں گے، حق نمک ادا کریں گے۔ بخدا لایزال اگر جان تک کام آئے تو دریغ کرنا شقی کا کام سمجھتا ہے۔ ایسی قدر دان سرکار دوسری ہو تو لے۔ فہمیدہ، عقل مند، جوہر شناس کسی دوسرے کو تو دیکھے نہیں، یہ بھی ہم نمک خواروں کو کلنگ کا ٹیکا لگنا تھا۔ کچھ افسوس نہیں اگر حضور کا ادنیٰ سا اشارہ ہوگا۔ پھر عزت و آبرو ہے، ہمارے نزدیک تو حضور ما حصل زندگی کا یہی ہونا چاہیے، جس سرکار میں اس طرح کی پرورش، قدر دانی ہوئی ہو اس کی خدمت میں جان تک کی پروا نہ کرنا چاہیے۔ ایک دفعہ مر کے پھر تو زندہ ہونے سے رہے۔ بہتر ہے کہ سرکار ہی کے کام میں جان تصدق ہو۔

بیگم صاحب: ہاں شیخ صاحب آپ سچ کہتے ہیں۔ اے کیوں نہ ہو، مدت سے اس سرکار کی خدمت کرتے آتے ہیں اور پھر شریف بھلے آدمی، ایسے ہی لوگ تو وقت پر گردنیں کٹوا ڈالتے ہیں۔ مگر شیخ صاحب وہ بہت مانگتے ہیں، کچھ کم کرو۔

شیخ صاحب: حضور کے فرمانے کی بات ہے۔ غلام نے کیا کوئی بات اٹھا رکھی۔ خرابی یہ ہے، عامل صاحب ٹھہرے ایک سخنے اور سنتا ہوں اسی پر ان کا حکم کوئی موکل تک ٹال نہیں سکتا۔ اگر کام نکل جائے، حضور اجازت دیں تو خبر یہ بھی سہی۔ کچھ خدانخواستہ ایسی طمع تو ہے نہیں، یہ بھی ایک آن کی بات ہے۔ کسی طرح سزا دلوا دی جائے، لاکھوں روپے پائے۔ اچھا جس قدر کم ہوگا، غلام اپنے پاس سے دے گا۔

بیگم صاحب: نہیں میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ اگر جب وہ کسی طرح نہ مانیں تو خیر وہی قبول کر لیجیے گا۔ مگر کب تک معلوم ہوگا حال؟

شیخ صاحب: اے حضور کچھ اور تو کوئی کام ہے نہیں۔ عامل صاحب کو ایک یا دو جمعرات کی مہلت چاہیے۔ وہ چلا کھینچے گے، ہفتہ بھر اس کے لیے اگر خدانخواستہ زیادہ محنت درکار ہوئی تو ایک چلا اور لگے گا۔ ممکن نہیں پٹ پڑے۔ غلام نے بہت

کچھ اس سے کم مہلت کو کہا مگر عمل کا واسطہ ٹھہرا۔ موکلوں سے کام کے واسطے تو مجبوراً جو قاعدہ مقرر ہے، اس سے بال بھر فرق نہیں ہو سکتا نہیں تو کوئی شخص ہفتوں محنت کرنا اپنی خوشی سے کیوں گوارا کرے گا؟ حضور سمجھ دیکھیے۔ کوئی بات حضور سے کہنا فضول ہے۔ حضور ماشاء اللہ خود فہمیدہ روشن ضمیر ہیں۔ یہ تو جاہلوں کے واسطے ہے کہ ذرا سی بات پر الجھتے اور سمجھائے نہیں سمجھتے۔ تو ہے حضور حکم نا؟ غلام جائے وعدہ کر آئے؟ تو پھر سب آج ہی سے اللہ نے چاہا چلے میں لگا لگ جائے۔ واللہ ایک ایک دن ایک ایک سال معلوم ہوتا ہے۔ غلام چاہتا ہے، کسی طرح جلدی پتا لگ جائے۔ جو امنگیں دل میں ہیں غلام جی کھول کے نکال لے۔ حضور کیا عرض کروں، خواب و خور حرام ہو گیا۔

بیگم صاحب: تو جائیے، بسم اللہ کیجیے۔ آپ پر ہر طرح اطمینان ہے۔ جو کچھ آپ مناسب سمجھیں گے، اس میں کوئی بات اٹھا نہ رکھیں گے۔

شیخ صاحب: ایک بات اور عرض کرنے کے قابل رہ گئی۔ اگر سب باتوں کا وعدہ ہو گیا، مضبوطی کے ساتھ انہوں نے کہہ دیا، کام ہو جائے گا، بطور مدد خرچ کے کچھ دینا چاہیے۔ حالانکہ اس کی امید نہیں مگر پھر بھی سوچ لینا چاہیے۔ ان کو بھی اطمینان ہو جائے کہ دنیا کی طرح فقرے باز، چکمے باز نہیں۔ تب تو محنت کریں گے۔ اندھا دیکھے تو پتیائے۔ وہ کچھ بھی نہ کہیں تو دباؤ ڈالنے کو تھوڑا بہت پیشگی چاہیے انہیں امید بھی ہو، خوب جی لگا کے کام کریں۔ اس کی مصلحت حضور سے بڑھ کے کون جان سکتا ہے۔ حضور کو کوئی بات بتانا لقمان کو عقل سکھانا ہے۔

بیگم صاحب: کیا مضائقہ؟ اختیار ہے۔ مگر وہاں سے آ کے پھر خبر کیجیے گا۔ شیخ صاحب سچ کہتی ہوں، قسم جناب امیر کی، رات دن آرام چین دل کا، جب سے یہ بات ہوئی، مجھے نہیں۔ ہر وقت اسی فکر میں رہتی ہوں۔ آپ جس وقت آئیے گا، سیوتی سے کہلا بھیجیے گا۔ اگر آرام میں ہوں تو بیدار کر کے جواب مجھے دے۔

شیخ صاحب: اب غلام رخصت ہوتا ہے آداب عرض ہے

(شیخ صاحب جاتے اور جواب لاتے ہیں)

شیخ صاحب: (سیوتی سے) مبارک باد دو۔ کہنا حضور کا غلام سرخ رو واپس آیا۔ بس فتح جاتی کہاں ہے، جس کام کو گیا خاطر خواہ طے ہو گیا۔ حساب جوڑ کے سب مال اسباب کا تخمینہ لگایا گیا۔ اگلے پچھلے اسباب کی مالیت دس ہزار کی ٹھہری۔ پانچ ہزار تو لاکلام ان کے حق کے ہوئے۔ خیر وہ تو بروقت مال ملنے کے دیے جاویں گے، اس میں گھاٹا ہی کیا۔ آج دوسو روپیہ دے آیا ہوں پیشگی۔ یہ گستاخی اس بنا پر ہوئی کہ حضور نے حکم ہی دیا تھا۔ وہ تو کہیے اس وقت غلام کے پاس اور کچھ تھا نہیں، لالہ رکھی لال سے دوسو روپیہ سودی لیتا گیا تھا۔

بیگم صاحب: (سیوتی سے) شیخ صاحب کو میری طرف سے جا کے کہہ دو، آپ سے مجھے یہی امید تھی، خیر دوسو سو کی کوئی بات نہیں۔ اسی مہینے میں تو سب جھگڑا ہی ختم ہوا جاتا ہے، ادا کر دیے جائیں گے۔ اور خدا نے چاہا آپ کو انعام دیا جائے گا اس کام کے بن جانے پر بھئی عامل ہیں بڑے پہنچے ہوئے۔ روپیہ لے لینے سے اطمینان ہو گیا۔ اگر نہ لیتے کچھ شبہ رہتا۔ نہیں کوئی اس مضبوطی سے کیوں راضی ہو جاتا۔ یہی بات یقین دلاتی ہے، اللہ نے چاہا کام خاطر خواہ ہو گا۔ اب شیخ صاحب سے کہو، بعد اس کام کے عامل صاحب کی دعوت بھی کریں گے۔ دریافت کرو، کوئی خادم بھی ان کا ہے؟ اس کو بھی پانچ روپے بطور انعام کے دیں گے۔ ہمارے نام سے، ہم دیں گے۔ آدمی بڑے اچھے ہیں۔

منے صاحب اور ان کے دوست

منجھو صاحب: بھئی تم سے کیا کہوں، آج کل ٹھیٹھر میں جمگھٹے ہوتے ہیں، تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی۔ بھیڑ سے بھیڑ ہے، خلقت بھی عجب بے فکری ہے۔

منے صاحب: اجی تمہارے پڑوس میں سنا ہے، اچھا جلسہ ہو گیا۔

صادق: ہاں بھئی، ایسا جلسہ تو برسوں میں کبھی نظر آتا ہے۔ سارے شہر کے چنیدہ طائفے جمع تھے۔

منجھو صاحب: ہم بھی تو شریک تھے۔ معلوم ہوتا تھا، اچھا خاصا بندا دینی جلسہ ہے۔ چھوٹی کی رنڈیاں اور گانے بجانے والے سب ہی موجود تھے۔ اجی اور تو اور قاسم علی خاں منے خاں بھی بلوائے گئے تھے۔

منے صاحب: بھئی واللہ بندا دین مزے کرتا ہے۔ جو چھوکری ابھری، پہلے اسی کی خدمت میں

صادق: اور پھر شہر کی قید نہیں۔ دنیا بھر کی باہر والیاں تک کھنچ آتی ہیں۔

منجھو صاحب: بھئی کمال ہی ایسا ہے۔ اس کے ٹکر کا آج کوئی، میں کہتا ہوں، ہندوستان میں دوسرا ہو تو لے۔

صادق: بھئی سوچ تو ہے، بتانا اس کا حق بھی ہے۔ اجی رنڈی میں وہاں تعلیم میں وہ غمزے عشوے آجاتے ہیں کہ بیان سے باہر۔ جہاں چاروں ٹھاٹھ کا اسلوب بتایا، ہستکوں کو سکھایا، بھاؤ کے انداز تعلیم دیے، پھر جو گت دیکھو، رنڈی کیسی گھامڑ، بدگل، بدقوارہ تھمڑا ہو حور کی بچی نظر آتی ہے۔ آج تو ایسا استاد دنیا کے پردے پر کوئی نائکہ کا واقف نہیں۔ اجی جو ناچنا سکھاتا ہے دراصل پوچھو تو چھوکری کو رنڈی بنا دیتا ہے۔ کمال ہے یار۔ اس میں بھی بہنگم، بداسخواں، بے کینڈے باہر سے آئیں، مہینہ بھر کا لکا پرشاد نے تعلیم دی، پھر جو دیکھیے سر سے پاؤں تک بدل گئی۔ وہ تراش خراش آجاتی ہے، اجی اور تو اور وہ صورت ہی نہیں رہتی، کچھ اور کچھ ہو جاتی ہے۔

منجھو: یاد آج کل کیا کہیں تم سے۔ ایک رنڈی باہر سے آئی ہے، شہر اڑے ہوئے ہیں۔ یار لوگوں کا ایک آدھ دفعہ اتفاق ہوا، مزاج بھی برا نہیں، بڑی انسانیت کی معلوم ہوتی ہے۔

صادق: ہاں یہ تو ہے، مگر ہمارے لکھنو کی معشوقیت نہیں ہے، پھیکا شلجم، بھئی مجھ کو تو

ایسی عورت ایک آنکھ نہیں بھاتی، کس کام کی۔ اجی رنڈی ہے ایک مال، نخاس میں ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں، کمرہ لیا ہے۔ عجب چنچل ہے۔ میں تم سے کیا کہوں، بس دیکھنے کے لائق ہے۔ ایک دن بسم اللہ کر کے وہیں ڈھیر ہو گئے۔

منجھو: اجی وہ کیا مال ہے۔ اور شخص ہم نے نخاس کی سڑک پر دیکھا ہے۔ بھئی میں کیا کہوں، عجب بانکی ترچھی عورت ہے۔ ابھی کہیں باہر سے آئی ہے۔ نہیں معلوم کیوں کر ننھے مرزا کے ہاتھ لگ گئی۔ معلوم ہوتا ہے، کہیں سے اڑا لایا ہے۔ زبان تو خیر شہر کی نہیں۔ لیکن صورت دیکھو، دنگ رہ جاؤ۔

منے صاحب: وہ ہے کیسی؟

صادق: کیسی ہے؟ ایسی ہے کہ ملنے کے لائق ابھی مجمع بھی کم ہوتا ہے۔ معلوم ہی کس کو ہے، ابھی تو نکلی ہے۔ شہر کے لوگ آگاہ ہوتے ہوتے ہوں گے۔ نک سک سے ٹھیک رنگت بھی پختہ، سن بھی اچھا ہے، عین شباب کا زمانہ ہے۔ جوانی ہے کہ الٰہی توبہ، پھٹی پڑتی ہے، الست سرشار، ہاتھ پاؤں کی چلت پھرت اس غضب کی ہے کہ ہر ہر ادا پر دل پسا جاتا ہے۔ آنکھ ناک تو خیر اچھی ہے ہی مگر بازو اور گلے گات ایسے بھرے بھرے ہیں کہ جی چاہتا ہے، گلے سے ہر وقت لگائے رہو۔ اس پر چتون اس لگاوٹ کی کہ نظر بھر کے ایک دفعہ دیکھا تھا، ابھی تک آنکھیں لطف اٹھاتی ہیں۔ آنکھیں ایسی بڑی تو نہیں مگر اس چہرے پر بلا کی زیب دیتی ہیں۔ لاکھ زیور ایک طرف اور ایک چتون ایک طرف۔ وہ سوتواں ناک، آفتابی چہرہ، کھنچی کھنچی بھویں، گھونگھر والے بال، بھر بھرے شانے بازو، چہرہ مہرہ صاف صاف، ہونٹ پتلے مسکرانے میں تو وہ بھولا پن ہے کہ بیان سے باہر۔ کمر اور کولے ایسے گول سڈول کہ ہم نے تو اس عمر میں کسی کے دیکھے نہیں۔ میں اس کی کیا کیا بات کہوں، قابل ملاقات کے ہے۔ نہیں معلوم کس طرح ایک بارسٹر صاحب پہنچ گئے ہیں۔ جب دیکھو شام کو بڑی اونچی سی ٹمٹم پر سوار صدر حضرت گنج سے چلے آتے ہیں۔ یار واللہ آدمی ہے خوش قسمت،

سب کوٹ، پتلون، ہشوؤں کی پوشاک، گڈامی بولی چھوڑ چھاڑ ایک پچیس تیس روپے کی مغرق مندیل منڈے سر پر بانکی رکھے ہوئے سبز یا اودی گرنٹ کا گھٹنا ڈانٹے باریک جام دانی کا انگرکھا، پیازی کرتے پر پہنے پکے نواب زادے بنے چلے آتے ہیں۔ آٹھ نو بجے تک ٹھہرتے ہیں۔ سنا ہے پچاس روپے روز دے جاتے ہیں، ننھے مرزا مجھ سے کہتا تھا۔

منے صاحب: اجی یہ سب زیٹ ہے۔ اس کے کہنے کا کیا اعتبار؟ مگر کمپا خوب مارا، دیکھو کہاں جا کے شپا لگایا۔ اور یہ پچاس روپے کی تو ننھے مرزا کی دون ہے۔ آج کل ہندوستانی بارسٹروں کی آمدنی کہاں۔ واللہ دو دو تین تین روپے پر مارے مارے پھرتے ہیں۔ بعضوں کو تو کھانے کو بھی میسر نہیں ہوتا۔ کوٹ پتلون ولایت چلتے وقت جو بنوا لیے تھے، وہی اب تک عدالت میں پہن کے جاتے ہیں۔ بلکہ ایک آدھ بارسٹر کو ہم نے دیکھا ہے، چوتڑوں پر پیوند لگے تھے۔ ایک ایک محرر رکھ لیا ہے، وہ پھانس پھونس کے مقدمہ لے آتے ہیں، پھر بھی کچھ مل جاتا ہے، وہی رنڈی کو دے نکلتے ہوں گے۔ ننھے مرزا اس کو بڑی بات سمجھے۔ صاحب بارسٹر صاحب تک ہمارے یہاں آتے ہیں اور فائدہ کچھ نہیں۔ یہ کیا کم ہے کہ ان کا نام لے کے اور دن میں گرم بازاری ہوگی۔

صادق: رنڈی نہ ٹھہری مقدمہ بازی ٹھہری

منے صاحب: اس کے مقدمے کی پیشیوں میں بھی عدالت کی طرح لاکھوں ہزاروں ایسے گل جاتے ہیں، کسی مسل میں پتا ٹھکانا نہیں لگتا

صادق: گرم بازاری کیسی؟ یہ کہیے بارسٹر کا نام لے کے کھاتے ہیں۔ ہاں واللہ کسی دن اس کے یہاں پہنچنا چاہیے۔ ابھی ابھی باہر سے آئی ہے۔ شہر کے چونچلے چونگے کم سیکھے ہوں گے۔ پھر بارسٹر صاحب بھی ایک ہی جانگلو۔ ان کو تھوڑی دیر گٹ پٹ کرنے کے سوا آتا ہی کیا ہوگا۔ (قہقہہ لگا کے) اس کے مارے وہ کچھ

زیادہ دے نکلتے ہوں گے۔ اونجھ، اس کی کوئی بات نہیں۔ چٹکی بجاتے یوں اکھاڑ دیا ہوگا تب کی سند، قسم جناب امیر کی

منے صاحب: اچھا یار وہاں کے بھی دھاوے ہو جائیں۔ یہ بھی دل میں کیوں رہے۔

صادق: پکی ہوگئی؟ دیکھو واللہ نکل نہ جانا۔ تم یار کچ پیندیے ہو۔ بعض دفعہ ایسی گھاٹ کرتے ہو، تمہاری بات کا اعتبار نہیں رہا۔

منے صاحب: نہیں واللہ قسم حضرت عباس کی، ایک دن چلیں گے ضرور

صادق مرزا: اچھا پھر کس دن؟ دیکھو ایک بات بتاتے ہیں۔ آج ہی کل میں چلو جی، اور نہیں تو کیا ہاتھی چھوٹے گھوڑا چھوٹے۔

منے صاحب: اور بارسٹر چھوٹے، ہاتھ لنا کیا کہی ہے

صادق: (بڑے زور سے ہاتھ پر ہاتھ مار کے اور قہقہہ لگا کر)

واللہ اچھی کہی، خدا کرے

منے صاحب: لے آج تو اس گپ شپ میں دیر ہوگئی، نہیں اسی وقت چلتے۔ یہاں کام ہی کیا اور اس سے بڑھ کے کام ہو ہی کیا سکتا ہے۔ اچھا لے اب کل پر رکھو مگر دیکھو وقت پر آجانا اور سویرے سے چلنا۔

منے صاحب: مگر وہ وقت تو یار جانگلو کے آنے کا ہے وہاں۔ اچھا جو تم تجویز کرو۔ ہم اس گھات میں تھے، اگر موقع ہوا، ان کو بھی ساتھ لیے ادھر سے ادھر ٹھیٹھر چلے جائیں گے۔

صادق: اہا، اہا، اہا یہ بات کہی گر کی۔ منظور کیا تو اسی دن پالا مار لیا۔

منے صاحب: اجی وہ جانگلو کیا مال ہے۔ یاروں کو پنجہ ٹیکنے کی ذری سی جگہ مل جاوے، وہ اڑنگہ لگائے ہو، چاروں شانے چت، وہ بچارے کیا دیں گے۔ آج کوئی مقابلہ کرلے۔ انہیں کمانے میں سر سے زمین کھودنی پڑتی ہے تب جا کے دس روپے

کا منہ دیکھ سکتے ہیں۔ یہاں کیا، لکھ لٹ کا رخانہ، خدا دیتا ہے، لٹاتے ہیں۔ بھلا جو کمانے کی فکر میں رہے گا، اس کا دل گردہ کیا ہو سکتا ہے، بے جگر ہو کے روپیہ اٹھائے۔ ارے خرچ کرنے کو ہمیں ہیں معلوم بھی نہیں ہوتا، کہاں سے آیا، کہاں گیا۔ عیاسی بھلا کیا کریں گے، روپیہ دینے میں جان نکل جاتی ہو گی۔ اس کے لیے دوسرے بندے خدا کے بنائے۔ غیب سے بھیجتا ہے، ویسے ہی غیب سے اٹھاتے ہیں۔ یہ لوگ تم جانو مزدوروں ٹھہرے، ان کی ہمت ہی کیا۔

صادق: ہاں واللہ یہ بات تو تم نے ٹھیک کہی۔ اسی میں تو آج لکھنو کی یہ آبرو بنی ہے، زندگی کا مزا بھی یہی ہے۔ یہی کھیلنے کھانے کے دن ہیں۔ اور یہ جو رونق ہ، ایسے ہی دس پانچ امیروں کے شوق سے ہے۔

منجھو صاحب: ہمارا لکھنوان باتوں میں اس مرمٹے حال پر بھی کسی سے دب کے نہیں رہا۔ اتنا بڑا کلکتہ غدار شہر ہے، صرف مٹیا برج کے صدقے میں۔ نہیں تو وہاں سوا مچھلی بھات کھانے والے، ننگے سر ننگے پاؤں رہنے والے، ایک کرتے ایک دھوتی پر بسر کرنے والے بنگالیوں کی حقیقت ہی کیا۔ یہ مٹیا برج ناک ہے ناک۔ یہاں سے لے کے ولایت تک ایران تو ران میں ڈنکے بج رہے ہیں جہاں پناہ کی عیاشی کے۔ اور پوچھو تو آبادی کیا ہے۔ جنگل جنگل، پھر دوسرے شہر کا کوئی کیا کرے گا۔ اس کے لیے بڑا جگرا چاہیے۔ لاکھوں کے جنگلی جانور چڑیا خانے میں بھر دیے۔

منے صاحب: اجی کہاں کا تا نتا پوا ڑا نکالا۔ وہ بات تو رہ ہی گئی۔ گل چلیں کس وقت؟

صادق: جس وقت جی چاہے۔ ہاں وہ وقت نہ جانگلو کے آنے کا سو وہ بھی پہلی دفعہ، آگے وہاں چل کے ایسا نقشہ جمایا ہو کہ بی صاحب خود ہی گھات بتا دیں۔

منے صاحب: اچھا تو ایک بات کرو نا، ننھے مرزا سے وقت پوچھ لو

صادق: ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ لے اب کل سویرے یہیں آ کے رپٹ بولیں گے

(رخصت)

تیرہواں باب

آخر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(نجبنیا کا کمرہ وقت 10 بجے رات)

ننھے مرزا: (منے صاحب وغیرہ سے) آیئے آیئے، تشریف لایئے۔ حضور بڑی دیر سے انتظار میں تھے۔ میں نے کہا واہ ایسی بات ہے۔ آئیں اور ضرور تشریف لائیں۔ بسم اللہ بسم اللہ۔

منے صاحب: (بیٹھ کے) یار صادق بلاؤ تو بی صاحب کو

صادق: ارماں ننھے مرزا، خبر بھی کر دی ہے؟

ننھے مرزا: جی حضور حاضر ہوتی ہیں۔ ایک دم بھر تشریف رکھیے۔ حقہ ملاحظہ ہو۔ حضور کیا عرض کروں، کیا مزاج پایا ہے، اللہ جیتا رکھے، آج کل کے زمانے میں غنیمت ہیں۔

صادق: ارماں تم بھی کیا آدمی ہو۔ بلاؤ بی صاحب کو جلدی انہوں نے تو ایسا پائینچہ بھاری کیا ہے، آ ہی نہیں چکتیں۔ ہم ادھر آئے تھے، تمہارے وعدے کا خیال آیا، ہم نے کہا ادھر بھی ہوتے چلیں۔ ایک اور جگہ جانا ہے، دیر میں ضرر کا خیال ہے۔

ننھے مرزا: حضور کفش خان ہے۔ کیا عرض کرو۔ دل خوش ہو جائے گا۔ اور تو کچھ نہیں کہتا، وہی مثل ہے، اپنے دہی کو کون کھٹا کہتا ہے۔

اگر انا درکار ہوتی تو اس کا ذکر بھی بے جا نہ ہوتا۔ ہوئی ہیں، میں نے ان سے کہہ دیا ہے۔ حضور گلوریاں ملاحظہ فرمایئے۔ غلام کیا عرض کرے، دن بھر رات بھر دوڑتے دوڑتے مرا جاتا ہے غلام۔ لکھنو کی خلقت کا یہ حال ہے، کوئی نیا آسامی آیا چاہے، بس ایک پر ایک ایک خلقت ٹوٹی پڑتی ہے۔ پھر کیا کریں، یہ کام ہی ایسا ہے۔ سب طرح کے لوگ آتے ہیں۔ ابھی اچھی طرح سے بندوبست نہیں بیٹھا۔

کچھ دن گذرے، خدا نے چاہا، سب ہو جائے گا۔ آپ سے پردہ نہیں، صاف صاف ہے، آپ سے دو چار قدر دان میسر آ جاویں، دام بھر میں ادنیٰ مہربانی خاک سے پاک کرنے کو بہت ہے، سب دلدر دور۔ قسمت کی بات ہے، نہیں تو میں اب سچ عرض کرتا ہوں، کہنے کو تو تین چار جگہ سے روز پیام آتے ہیں۔ ایک سرکار سے اصرار ہے، جس طرح چاہیں رہیں، اپنے جتنے ملنے والے ہیں شوق سے ملیں۔ اتنی بات، کبھی کبھار دو چار گھنٹہ سیر کے طور پر کھڑے کھڑے ہو جایا کریں۔ وہ بھی جب جی چاہے، کچھ جبر یہ نہیں ہے۔ کہار رکھ لیں، جو پہلا مول لے کے ہم بھیج دیں گے، کہاروں کی وردی، مشعلچی کی تنخواہ سب سامان مہیا کر دیا جائے گا۔ ایک مہری کی تنخواہ خود دینے کو کہتے ہیں۔ حضور کیا کہوں جو سامان چاہیں اپنے طور پر کر لیں، کسی امر میں اس طرف سے دریغ نہ ہوگا۔ قسم حضرت عباس کی مزاج ایسا پایا، بہت بھولی ہیں، بالکل بھولی طبیعت، ابھی حضور بالکل کھیگی، دنیا کے چہل پانچ آتے نہیں۔ دیکھیں گے، یقین تو ہے طبیعت خوش ہو جائے گی۔ دیکھے ابھی حاضر ہوتا ہوں، دیکھوں کیا دیر لگائی ہے۔

(یہ کہہ کے چلا گیا اور نجبنیا کو ساتھ لایا)

نجبنیا: (ٹھٹکی ہوئی) بندگی، (ماتھے پر ہاتھ رکھ کے سر اونچا کر کے)

صادق: اجی ادھر آؤ، ادھر آؤ، وہاں کہاں بیٹھی جاتی ہو۔

ننھے مرزا: (متعجب ہو کے) ہاں صاحب، وہاں لب فرش کہاں بیٹھتی ہو۔ آؤ ادھر آؤ، کہیے مزاج شریف؟

نجبنیا: (مسکرا کے) دعا کرتے ہیں

ننھے مرزا: حضور کے جان و مال کو

منے صاحب: (بعد تھوڑی دیر سکوت کے) کیوں صاحب نام کیا ہے ان کا؟

نجبنیا: ہم کو حضور نجم النساء کہتے ہیں (پہلے دن بیگم صاحب کے ہاں نام بتانے میں

جو کیفیت گذری تھی وہ یاد آ گئی)

ننھے مرزا: (جلدی میں) اجی حضور ان کو بسم اللہ خانم کہتے ہیں

صادق: بھئی واہ، ایک نشد دو شد، اجی (مخاطب کر کے) ٹھیک ٹھیک نام بتایئے۔ کیا دونوں نام ایک ساتھ لیں؟

نجبنیا: (جھیپ کے) جی ہاں یہ بھی کہتے ہیں

صادق: تو جو کوئی جو نام رکھے تو وہی ہے، تو بھئی ہم بھی ایک نام رکھے دیتے ہیں۔

نجبنیا: (خفت مٹانے کو دبی زبان سے) نام تو بھئی ہم بھی ایک نام رکھے دیتے ہیں۔

منے صاحب: (سوکھا ٹھٹھا لگا کے) بھئی واللہ اچھی کہی۔ نہیں حضت یہ پیشہ بھی کرتے ہیں۔ نام رکھنے میں آپ بڑے مشاق ہیں۔

ننھے مرزا: (گستاخی معاف) یہ تو شوقینوں کی ملاقات ہے۔ تسمیہ خوانی کا کوئی جلسہ نہیں۔

صادق: تب ہی تو بسم اللہ سے آپ نے شروع کیا

منے صاحب: اجی بی صاحب! بتایئے تو کب سے آپ یہاں آئی ہیں؟ شہر دیکھا لوگ کیسے ہیں؟

نجبنیا: بہت اچھا ہے

منے صاحب: نہیں مطلب یہ ہے جی لگتا ہے؟ کسی چیز کی تکلیف تو نہیں؟

ننھے مرزا: جی حضور میں عرض کروں۔ جہاں جس شہر میں ایسے ایسے رئیس قدر دان پڑے ہوں، وہاں تکلیف ہو سکتی ہے؟

نجبنیا: مل ہاں، مالائی نہیں ملتی

ننھے مرزا: (شرما کے) جی حضور، عادت ہے، کھانا چاہے ایک حسابوں نہ دیجیے،

صبح کو ایک پیالہ بالائی کا دے دیجیے، مہینوں کے واسطے کافی ہے۔ کاہے سے عادت بھی پڑی ہے۔

نجبنیا: جو کوئی دن نہیں کھاتی، کھانسی میں لہو کی ٹپکی آ جاتی ہے۔ ابھی اشی دن دیکھیے مالائی کھانے میں نہیں آئی، شاف دوسرے دن کھانسی جو ہوں، لہو موجود مالائی کلیجے میں تراوٹ کرتی ہے۔

ننھے مرزا: جی حضور، بالائی کا کیا کہنا، عجب چیز ہے، اور پھر یہ تو اور کچھ کھاتی بھی نہیں۔ عجب طرح کا مزاج پایا ہے۔ بس وہی شیر مال کا ٹکڑا، وہ بھی مسا کر کے بجراً بڑے کہنے سنے سے، باقی دن بھر رات بھر گلوری پر گلوری کسی امر کا شوق نہیں۔ آم نہ خربزہ، نہ میوہ نہ مٹھائی، ترکاری نہ پونڈا۔ ابھی کل کھیر والے سے دو پیالے لیے، چمچے سے ایک رتی بھر زبان پر رکھا ہوگا، رات بھر بھوک نہ معلوم ہوئی۔ کہتی تھیں، حلق تک پیٹ بھرا معلوم ہوتا ہے۔ اے میں نے کہا تم نے کھایا ہی کیا ہے۔ اگر کہو تو بازار سے بوتل لا دوں، گھونٹ بھر پی لو، کنکر پتھر تک دم میں راکھ کر دے۔

نجبنیا: راکھ دشمنوں کو۔ ہم ایسے پیٹو نہیں ہیں، جو کھا لیتے ہیں اشی کا ہضم کرنا مشکل ہوتا ہے۔

منے صاحب: ہاں بات یہ ہے، کہیں چلنا پھرنا تو ہوتا نہیں۔ کسی وقت تو نکلا کیجیے

ننھے مرزا: کہاں نکلیں، تنہائی میں جاتے جی گھبراتا ہے۔ ہاں اگر کسی کا ساتھ ہو تو جی بھی بہلے۔

منے صاحب: ہمارے ساتھ بگھی میں نکلا کیجیے۔ ہم ہوا کھلا لائیں رات کو۔ چار دن میں سانڈے کی طرح ہو جائیں۔

صادق: اجی ہم حاضر ہیں، ہم سے کہیے، صبح شام ان کو ہوا کھلایا کریں۔

منے صاحب: اجی جایئے، آپ خود ہوا کھایئے

نجبنیا: (بات ٹال کے ننھے مرزا سے) اے مرجا! حقہ جل گیا ہوگا، تازہ چلم بٹھا لاؤ

ننھے مرزا: (اس ذلیل فرمائش پر خفت مٹانے کی نظر سے) دیکھیے ابھی تازہ دم بھروا تا ہوں، ذرا دمت و لیجیے

صادق: آپ کی طبیعت کی گرما گرمی کا تقاضا تو ہے۔

ننھے مرزا: آپ کیوں چھنتے ہیں، ان باتوں کا یہاں کوئی ضامن نہیں

نجبنیا: (ننھے مرزا سے ہنس کے) گلی میں جا کے کوڑی کوڑی گٹا آواز لگاؤ۔

ننھے مرزا: مجھے طمع خوں (تمباکو) کی نہیں

نجبنیا: تو ذرا ڈھانک کے لانا۔ جاتے ہو یا نہیں۔ طبیعت جل کے شلغہ ہو گئی۔ آپ تو بڑے ہم دم بنتے ہیں۔ بس شکیے یہاں سے۔ بڑے عظیم اللہ خان بن کے آئے ہیں۔ ڈیڑھ خمسہ تو ہو رہے ہیں مگر آواز میں وہی کڑک باقی ہے۔ جیسے ٹکے گنتے ہیں۔

ننھے مرزا: اجی اس زنانے کو تمباکو میں واللہ عجب ہی دم ہے

نجبنیا: (جھیپ کے) رکے رکے کیوں بولتے ہو۔ بہ جی چاہے دو قش تم بھی پی لینا۔ لے بس ہٹ نہ کرو، اس بات پر ایک اچھا سا تو ابھرلاؤ۔

ننھے مرزا: مگر جب تک تم گنج بنی رہو گی، مزا نہ آئے گا۔ وہ کہا نہیں ہے۔

حقہ یک دم دو دم سہ دم باشد
نہ کہ میراث جد و عم باشد

(منے صاحب کی طرف مخاطب ہو کے)

حقہ بھی بولتا ہے تو ہم سے رکا ہوا
حضور اس کا لب معشوق کا کیا کہنا
باجن لاگی بانسلی اور نکسن لاگے ناگ

آپ خیال تو فرمایئے، پانی میں استادہ آگ سر پر رکھیے، دھوئیں کی ریلی گاڑی دم بھر میں کھینچتا ہے۔ سچ پوچھیے قسم حضرت عباس کی، اگلے بزرگوں نے پورے انجن کا

مسالہ جمع کر دیا ہے۔ بھئی واہ، واہ، سبحان اللہ! حکمت کے یہ معنی ہیں، ہر ایک گھر میں ریل کیا معنی انجن تک دوڑا دیتے تھے۔ تب تو لقمان، افلاطون کا اب تک نام باقی ہے۔ اور مزا بھی جو حقے میں ہے، وہ دنیا کی کسی چیز میں نہیں۔ عورت مرد جس کو دیکھیے اس کا دم بھرتا ہے۔ گھسیارا بھی ٹکے کا آدمی دمڑی کا تمباکو شام کو ضرور پیتا ہے۔ حقہ پینے کا لطف مشہور ہے، نہائے کے، کھا کے، سوئے کے، منہ دھوئے کے۔ اور چار جگہ ناجائز بھی ہے دھوپ میں، بھوک میں، اندھیارے میں واللہ میں نے تو اکثر کر کے دیکھا ہے، کوئی مزا نہیں دیتا۔

نجبیا: لے بس باتیں ہو چکیں، معاج اللہ تمام ہی ہونے نہیں آتیں۔ مرجا تمہاری باتیں تو عجب لچھے دار ہوتیں ہیں۔ موا تا نتا پنواڑا اب تمام ہو۔ دیکھو وہ جنانے کا تمباکو آج لائے ہو، وہی آپ کے واسطے بھرواؤ

ننھے مرزا: (زبان دانی دکھانے کو) زنانے کی تمباکو ہوتی ہے یا زنانے کا تمباکو ہوتا ہے (منے صاحب کی طرف دیکھ کے) حضور یہ ابھی باہر سے آئی ہیں، لکھنو کی زبان نہیں جانتیں۔

صادق: کیا ہوا تمبا کو بھی تو زنانے کا ہے۔

نجبیا: (جھیپ کے) مرزا جرا، ترنم کزو، لیسزی بزا تیزیں نزاچز اھز اے چزپ رزوھز و (مرزا تم کو ایسی باتیں نہ چاہیے چپ رہو)

ننھے مرزا: اجی تم ناراض کیوں ہوتی ہو، میں جاتا ہوں

منے صاحب: (صادق سے سرگوشی کر کے) ان سے پوچھو، کیا لیتی ہیں؟

صادق (کان میں) اگر کچھ ارادہ اور ہے تو پھر کسی اور دن دیکھا جائے گا۔

منے صاحب: اچھا تو اب جاتے ہیں، خدا حافظ

نجبیا: بہت اچھا، پھر بھی کبھی شرپھراج فرمایئے گا۔

منے صاحب: ہاں ہاں ضرور اللہ نے چاہا، کسی دن اطمینان سے آ کے بیٹھیں گے۔

صادق: آج تو اتفاقیہ ادھر آ نکلے تھے۔

منے صاحب: (روپیہ دے کے) اب جاتے ہیں

(دونوں چلے گئے)

منے صاحب: یار آسامی تو ٹھیک ہے، صورت بھی بری نہیں۔ ہاں زبان روح فرسا ہے، مگر یار اس طرح کی عورت میں نے کہیں دیکھی ہے۔

صادق: چہ خوش، کل تو وہ باہر سے چلی آ رہی ہے، آپ دیکھنے کہاں گئے۔ ایک آدمی کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی؟ ہنستی ذرا منہ کھول کے ہے مگر واللہ آنکھیں کٹیلی ہیں۔ آدمی بھی ابھی گیگلی سی معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے شہر کی تراش خراش کو کہاں پہنچ سکتی ہے۔ مسی دیکھیے تو لوں پھانکتی ہے، یہ تمیز آپ کے شہر پر ختم ہے۔ آنکھوں میں کاجل لگا ہے، کالی بلی بنی ہے۔

منے صاحب: اجی یہی باتیں تو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ وہ معشوق کیا جو تکلف کا پتلا ہو

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

صادق: مگر یار طبیعت دار ہے۔ ننھے مرزا نے اتنی جلد خوب بنالیا۔ آپ دیکھیے گا، شہر کی ہوا کھا کے کیسے پر پرزے دو ہی دن میں نکالتی ہے۔

منے صاحب: ہاں یار یہ نہ کھلا، ننھے اڑا کہاں سے لایا۔ واللہ مال تو اچھا ہے۔ آتے ساتھ ہی سب سامان لیس کیسے ہو گیا؟

صادق: اس کو نہ کہیے، یہ لکھنو ہے۔ گھنٹہ بھر میں تو پوری شادی کا سامان ہو جاتا ہے۔ پھر سنا نہیں بالسٹر (بیرسٹر) کا معاملہ ہے۔ کچہری عدالت کے سوا روپے کا مینہ کس سرزمین پر برستا ہے۔ جو کوئی جانگلو پھنس جاتا ہے تو خوب ہی پھنستا ہے۔

منے صاحب: مگر جو میں کہتا تھا، بھئی ہو نہ ہو میں نے ان کو کہیں دیکھا ضرور ہے۔

کڑے، چمپا کلی، بالی پتے کے جوڑ، اور داج سب ویسے ہی ہیں۔

صادق: اجی اس خبط میں پڑنے سے فائدہ۔ اب یہ کہو، کسی دن پھر آؤ گے؟ ہم کو ضرور خبر ہو، نہیں بگڑ جائے گی۔ تمہاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے تم ٹالتے ہو۔ اگر جو ایسا ہوا تو وہیں جا کے مارے ڈھیلوں کے لولا نہ کر دیا ہو تو سند نہیں۔

منے صاحب: ارے عجب بدگمان ہو جی۔ گھبراتے کیوں ہو، آئیں گے پھر کسی دن

(اتنے میں ایک خفیہ پولیس سعادت نامی مل گیا)

سعادت: بندگی عرض، آج تو بہت دن کے بعد ملاقات ہوئی

منے صاحب: آؤ بھائی سلام علیک، مزاج تو اچھے ہیں۔ ارے یار ہاں اب ایک بات پوچھنا ہے۔ تم کو معلوم ہوگی، نہیں تو ٹوہ لگا سکتے ہو ارماں جانتے ہو۔ یہ نیک بخت نو وارد کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ کیا نام ہے؟ کب سے ٹھہری ہے؟

سعادت: کون؟ میں ابھی اچھی طرح سمجھا نہیں۔ کچھ خلاصہ فرمائیے۔ تگ و دو کی جائے، کون بڑی بات ہے؟

منے صاحب: یہی جو یہاں پر ٹھہری ہیں۔ ابھی ابھی انہیں کے ہاں سے اترے ہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے، ان کو کہیں دیکھا ہے۔

سعادت: ابھی تک بندہ درگار تو گئے نہیں۔ اتنا معلوم ہوتا ہے، چند روز سے ان کا آنا ہوا ہے۔ کچھ لوگ بھی تھوڑے ہی دنوں سے بو پا کر آں ے جانے لگے ہیں۔ اکا دکا بھلے آدمی بھی بھولے بسرے، جیسے آپ آ نکلتے ہیں۔ ایک بالسٹر کی بگھی البتہ کبھی کبھی دیکھی گئی۔ ادھر سے تو ہمارا اکثر گذر ہوتا ہے، ادبدا کے اکثر کر کے ملتی ہے۔ ابھی ایسی شہرت تو نصیب نہیں ہوئی، نہیں لوگوں کا غنچہ ہر وقت ہی رہتا۔ کچھ دو چار آنے جانے والے بھی مل جاتے، حال کھل جاتا۔ ابھی تو تازہ ولایت ہیں، ایک دن کھلے گا ضرور، ایسی بات تو ہے نہیں۔ اور جواب کہیں کوشش کر کے حال دریافت کیا جائے، بھئی دوستوں کا کام سرکاری نوکری سے بڑھ کے جو نہ سمجھتا ہو، اپنے حسابوں

نطفہ حرام ہو۔

صادق: نہیں، کوئی ایسی بڑی بات نہیں، یونہیں بطور تذکرہ پوچھ لیا، شاید تم واقف ہو۔ بھئی تم ٹھہرے خفیہ پولیس کے آدمی، ادنیٰ سے ادنیٰ بات معلوم ہوتی ہے۔ لے ہاں ذری اب سب حالات دریافت کر کے یاروں کو تو خبر کرو۔ یہ امل کس دساور کا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کب سے رہا ہے؟ اسی طرح کی سب باتیں تم کو سمجھانا کیا، بقول شخصے مچھلی کے بچے کو پیرنا کس نے سکھایا ہے۔ بس سمجھ جاؤ۔

سعادت: بس اتنی سے بات؟ یہ کون بڑی بات ہے؟ کل ہی لیجیے مگر یار یہ تو کہو کیا ارادہ ہے؟ تمہاری باتوں سے کچھ دال میں کالا معلوم ہوتا ہے۔

صادق: ارے یار نہیں، معاذ اللہ کچھ واسطہ نہیں۔ میں نے پوچھی، یونہیں پوچھ لو۔ اور بھئی میں اس طرح کا آدمی بھی نہیں۔ یہ تو (منے صاحب کی طرف اشارہ کر کے) ان ایسے امیروں کا کام ہے۔ اور بھئی ان کو خدا نے دیا ہے، میں بچارا دن بھر دفتر میں نوکری کروں گا، بال بچوں کو پالوں گا یا رنڈی کروں گا۔ ارماں اس کے واسطے یہاں لوگ بنے ہیں۔ جس کا کام اسی کا چھاجے، اور کرے لبیدہ باجے

سعادت: ہم سے بھی اڑتے ہو۔ اچھے چھپے رسموں کو خوب پہچانتا ہوں۔ اڑ کے جاؤ گے کہاں۔ اچھا اب اس سے بحث کیا، جو بات آپ نے پوچھی ہے، اللہ نے چاہا کل تک انتظام ہو جائے گا۔ تم سمجھو، جب سے اس محکمے میں آئے ہیں، انہیں باتوں کی ٹوہ رہتی ہے۔ بہت اچھا، لے خدا حافظ۔

ٹھگوں کے فقرے

(شیخ صاحب اور مرزا صاحب ڈیوڑھی پر)

شیخ صاحب: (سیوتی سے) بی سیوتی ہم لوگوں کی طرف سے بیگم صاحب کی خدمت میں آداب تسلیمات پہلے عرض کرو، اور کہنا دونوں خادم تازہ مبارک باد دینے کو حاضر ہوئے ہیں۔ واللہ آج کوئی انعام ضرور دلوایئے۔ دیکھیے جاں فشانی ہماری۔ اگر ان قدموں کے نیچے جان تک کام آئے بلا دریغ حاضر ہے۔ بچہ شمر ہو جورتی بھر دروغ کہتا ہو۔ اب حضور کا مال کوڑی اگلا جس دن حکم ہو، حاضر کیا جائے۔ اور حاضر کرنا کیا، میاں صاحب تو کہتے تھے، مال کہیں نہیں گیا ہے، جوں کا توں رکھا ہے، ماں کے پیٹ میں دن قرار دینے کی بات باقی ہے، جس دن آپ فرمایئے خبر دی جائے، حاضر ہوں اسی گھر میں سب مال نکلوا نہ دیں تب کی سند۔ عامل ہیں، موکل تابع ہیں، بھلا یہ کوئی بات ہے؟ اور جھپ جھا لیے (جھلیے) تو سیکڑوں پڑے ہیں۔ جس دن وہ آئیں کم سے کم دس بیس روپے تو ان کی نذر دینا چاہیے۔ انہوں نے محنت بہت کی ہے۔ خود تو زبان سے نہیں کہتے تھے لیکن اب کی دفعہ ان کو خرچ بھی کرنا ہو گا۔ جیسے میں بات کہتا ہوں، چیز بست لانے، سامان دعوت موکلان مہیا کرنے میں انہوں نے دو تولہ مشک، پانچ تولہ زعفران تو میرے سامنے منگوانے کی فرمائش ایک آغا کو دی ہے۔ اور ایک سنار کو بلوایا بھی ہے۔ اس سے سونے کے پتلے کی بھی فرمائش کی ہے۔ اگرچہ مجھ سے صاف صاف نہیں کہا مگر خدا کو دیکھا نہیں، عقل سے پہچانتا ہے۔ یہ سب حضور ہی کے کام کے واسطے، پھر اس میں کم سے کم دوس و روپے کی دھانگی تو یہی ہو گی۔

مرزا صاحب: پتلا کتنے کا ہو گا؟

شیخ صاحب: بھئی مجھے ٹھیک تو نہیں معلوم نہیں کچھ نہیں ہو گا، پانچ تولے سے بھلا کیا کم ہو گا، سوا سو اس کے رکھیے

مرزا صاحب: اجی ڈیڑھ سو کا کہیے۔ آج کل سونے کا بھاؤ بڑھا ہوا ہے۔ کچھ بسنت کی بھی خبر ہے آپ کو؟

شیخ صاحب: ہاں میں بھولا اچھا تو اب بیگم صاحب سے سمجھا دینا۔ ڈھائی سو کی فکر اس دن کے واسطے کر دیجیے ابھی کچھ ایسی جلدی نہیں۔ یہ جس وقت سامان ہو جائے اس دن بلائیں گے۔ بس سمجھیے اسی پر معاملہ ختم۔ جب مال ہاتھ آئے، تب دل سے خود ہی روپیہ نکلے گا۔ سرکار ایسی نہیں ہے جبہ جبہ کوڑی کوڑی اگلا مل جائے گا۔ انعام اکرام شکرانہ الگ، آگے قسمت ہم لوگوں کی۔

سعادت اور منے صاحب اور ان کے دوست

سعادت: (بعد معمولی گفتگو کے) آپ کو یاد ہو گا، اس دن ذکر کیا تھا، تحقیقات یار لوگوں نے اچھی طرح کر لی۔ ہاں کچھ رہ گئی ہے، وہ آج ہی کل میں کھل جائے گی۔ ہم نے کہا جو معلوم ہے خبر کریں۔

منے صاحب: ہاں ہاں بتائے کہ کیا آپ کی تحقیقات میں آیا ہے۔

سعادت: اجی آپ تو کہتے تھے باہر کا ہے۔ جناب وہ شہر ہی کاریزہ ہے۔ لوگ گھر سے نکال لائے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہاں تک پہنچی۔ مجھے صرف اتنا باقی ہے، وہ کون لکھ لٹ لاپروا گھر ہے کہ یہ سب باتیں ان بدمعاشوں نے چپ چپاتے کر لیں۔ اجی جناب آپ کے شہر میں ایک سے ایک چھٹا گرگا پڑا ہے۔ بڑے بدمعاش ہیں۔ وہ تو کہیے سرکار کی طرف سے بڑی قرق ہے، اور شہروں میں بھاگے ہوئے ہیں۔ یہاں کا بدمعاش ایسا ایسا پڑا ہوا ہے جن کی اسی پر وجہ معاش ہے۔ جب یہ تو شہر سرکار میں لکاھ ہوا ہے (سارا حال نجبیا اور اس کا کریم اس کے ساتھ بھاگنے اور ننھے مرزا کے ساتھ نکل آنے کا دھراتا ہے) اب ایک بات رہ گئی ہے۔ یہاں ننھے مرزا اب کارخانے میں کام کرتا ہے یا بھاگا ہوا ہے۔ اور ذات شریف کہاں کے ہیں۔

منے صاحب: یہ سب کچھ تو دریافت کر لیا، اصل نام بھی معلوم ہوا؟ کبھی بسم اللہ

کبھی نجم النسا لوگ بتاتے ہیں۔ جس طرح رنڈی کی کوئی ذات نہیں، ان کے نام بھی ہزاروں سیکڑوں جیسا موقع دیکھا کہہ دیا۔ ہم نے اسی مارے زیادہ پوچھ گچھ نہیں کی۔ اصل نام بتانے سے رہی۔ پھر دنیا جانتی بھی نہیں، فائدہ ہی کیا۔ آدمی جیسا ہے، جیسی صورت، جیسا مزاج، سب جانتے ہیں، نام تو برائے نام۔ ان لوگوں نے خوب طریقہ اختیار کیا ہے۔ نام کو طبیعت کو حرکتوں سے ان لوگوں کو علاقہ نہیں۔ پھر یہی کام نکالنے کو ایک فرضی نام رکھ لینا۔ زید، عمرو، بکر کی طرح اور یار ایک بات میں تم سے کہوں۔ بار بار مجھے شبہ ہوتا ہے، اس کو میں نے بھی کہیں دیکھا ہے۔

سعادت: ہاں ہوگا۔ کوئی دن تحقیق کر کے اور پتا لگا دوں۔

بیرسٹر صاحب کا سائیس اور نجم النسا

سائیس: توں صاحب ہم کا بھجن رہے۔ بڑے جدید (ضدی) کہن م آب نہ آوب، تمہرے حیاں رکم رکم کے آوے لاگ۔ اور صاحب بیگم صاحب آپ جانیں ہے، صاحب کی کچہری ماں بڑ بات ہے۔ ہم پنچ جانت ہیں۔ حاکم کا ہاتھ پکڑ لیت ہیں، جوں چاہے تو آج کرائے ڈاریں۔

ننھے مرزا: ارے بھئی صاحب کی خدمت میں ان کی طرف سے آداب تسلیمات عرض کرنا۔ واللہ کل سے جو صاحب نہیں آئے، ان کا کھانا پانی حرام ہے۔ منہ اوڑھے نڈھال پڑی رہتی ہیں۔ میں نے بجبر یہ اٹھا کے منہ دھلایا ہے۔ اور باقی معاذ اللہ یہاں فرشتوں کے تو پر جلتے ہیں، کس کی مجال آنے جانے کی۔ صاحب ہمارے تو حاکم ہیں۔ ہاں آج بات ہی خدا نے ایسی بالا بنائی ہے۔ ہم سے کیا کہتے ہو، یہ تو جو نہ جانے اس سے کہو۔

سائیس: صاحب بڑے کھپا ہیں، اس نہ جانت رہی۔ تم جانو صاحب کی مرجات بڑے بڑے لپٹن (کپتان) کرنیل کے ہیاں نوکری کر آئے ہیں، بڑا ساہ کھڑچ مالک ہے۔ ایک ایک پتریا کا سینکڑوں لوٹ دے ڈالیں۔ روپیہ کی بات چیت تھوڑو۔ پاک ہمار بھائی بند پروتی رہیں، ان کی مہارو سے دوئی چار بیرہست رہیں، کبھوں ٹونٹی کا ففٹی نوٹ دیت رہیں، رات برات کوئی ایسی ویسی بلاین تو پاک پاک گھنٹے کے لیے ٹونٹی فایو ففٹی ہنڈل دے ڈارن، اس ساہ کھرچ۔ مدا اور بڑ بات ہے، صاحب کہن ہیں ہم کا سب حال معلوم بھوا، تمہرے گھر نہ آؤب

بخشو اور بارسٹر

بخشو: حضور جو ارشاد فرمائیں، غلام حاضر ہے۔ میں عرض کروں، قسم جناب امیر کی، حضور لوگ غلاموں کے فائدے ہی کی بات فرمائیں گے۔

بارسٹر: دیکھو ہم سب بات سوچ لیا، ہم قانون قاعدہ جانتا ہے۔ اب ایک بات کرے، ایک سوال دے دے، تمہارا بیوی ہے، بدمعاش لوگ نکال لے گیا تھا، ننھے مرزا بڑا چور بدمعاش ہے، سزا دلوانا چاہیے۔

بخشو: (روکر) عرض کروں، میں تو کسی کام کا نہ رہا۔ میں تو نوکری پر رہتا تھا، یہ پڑوس میں رہتا تھا۔ بس کچھ ایسی پٹی پڑھائی، میرا دل تو کہتا ہے ہو نہ ہو کچھ جادو کیا، نہیں حضور وہ اس طرح کی آدمی نہیں، بہت بھولی ہیں، مگر یہ لے اڑا۔ حضور میں نے خود جا کے پوچھا، مجھ کم بخت کو چکمہ دے دیا، بہت خاک چھانی، ہار کے روپیٹ کے بیٹھ رہا۔ اب حضور نے ہاتھ رکھا، میاں کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ اللہ نے چاہا، یہاں سے لے کے لندن تک لڑوں، بے پھانسی دلائے نہ رہوں۔ حضور کو خدا سلامت رکھے۔ اس پیٹ کے دھندے کے مارے تگ و دو نہ کر سکا نہیں قسم حضرت عباس کی، بتی جلا دی ہوتی۔ اے حضور کٹنا ہے کٹنا۔ اب تو مزے ہیں۔ جو رئیس آیا دس روپیہ بی صاحب کو دیے تو روپیہ دھیلی پلے پڑا۔ حضور میں رتی رتی حال آپ سے بتادوں گا۔

بارسٹر: دیکھو ہم صلاح دیتا ہے، اس بیان میں دیکھا جائے گا تمہاری منکوحہ ہے۔ نکاح کا بندوبست کرو۔

بخشو: غلام نہ سمجھا، کیا کسی کا نکاح ہوگا؟

بارسٹر: اوہ، مطلب ہے گواہی کے واسطے کوئی مولوی ٹھہراؤ دو چار آدمی پڑھے لکھے محلے میں ہوں، ان کو گواہی دینے کو کہو۔ دو ایک آدمی نسبت شادی وغیرہ کے گواہی دیں، ہمارا کلرک سمجھا دے گا، سب بندوبست ہو جائے گا۔ اب تم کل صبح سویرے

کوٹھی پر آ جانا۔ بس جو ہم بتائیں اس پر چلنا۔ شہر کا لوگ بڑا خراب، بنا بنایا مقدمہ خراب جاتا ہے، خبردار کسی سے نہ کہنا

بخشو: حضور جو فرمائیں گے غلام بجا لائے گ۔ قسم پیارے حسین کے لہو کی! جو اس کا ذکر بھی آئے ناک کاٹ ڈالیے گا۔ بھلا مجال ہے، جس امر کی حضور مناہی کر دیں، وہ خطا غلام سے سرزد ہو، ابھی پھانسی دلوا دیجئے۔

چودھواں باب

شیخ صاحب، مرزا صاحب اور صاحب خانہ

شیخ صاحب: مبارک ہو حضور! اب جا کے غلاموں کو خدا نے سرخروئی نصیب کی۔ بڑی بڑی کوششیں کی گئیں، خواب و خور حرام رہا۔ غلام نے تو یہ عہد کر لیا تھا، جب تک پتا نہ چل جائے گا، حضور کو منہ نہ دکھائے گا، کربلا چلا جائے گا، دو ایک باتوں کا انتظام کرنا تھا۔ مگر خدا کو تو نمک حراموں کو روسیہ کرنا منظور تھا، کل امر مرہون باوقلتھا اگر آج غلام قدموں سے جدا ہو کے کربلا چلا جاتا تو یہ سرخ روئی کہاں نصیب ہوتی۔ حضور قسم جناب امیر کی، بڑی بڑی کوششیں اور تدبیریں کی گئی ہیں، تب جا کے کہیں پتا چلا ہے۔ مگر واللہ میں تو قائل ہو گیا، کیا بات ارشاد فرمائی ہے، زمین و آسمان ٹل جائے مگر کیا مجال جو ارشاد خداوندی ٹلے۔

مرزا صاحب: بھلا ایسی بھی بات ہے۔ حضور جو بات زبان سے ارشاد فرماتے ہیں، پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے حضور بچشم ظاہر ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ نہیں واللہ خادم نے تو بارہا آزما دیکھا۔ شیخ صاحب میں تو قائل ہوں، اور قائل کیا معنی، معتقد ہوں۔ اس میں آپ نے جو جو کوششیں کی ہیں، میرا ہی دل جانتا ہے اور صرف ہاتھ پاؤں ہی کی نہیں بلکہ اپنی گرہ سے خرچ کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوا۔

شیخ صاحب: حضرت بات یہ ہے، سرکار کا کام ہے، جان تک کام آئے، جو تامل کرے وہ شریف نہیں۔ روپیہ پیسہ کیا مال ہے۔ اسی سرکار سے گوشت پوست پلا ہے، جان تک حاضر ہے۔

صاحب خانہ: ہاں کچھ سنا تو میں نے بھی ہے، آپ کوشش میں تھے اب فرمائیے کچھ اس سرکھپی کا نتیجہ نکلتا معلوم ہوتا ہے؟ مفت کی ٹھائیں ٹھائیں اور روپے پیسے کا خرچ ہے۔ مجھے تو ان باتوں کا ایسا خیال بھی نہیں ہاں بیگم کو البتہ دن رات دھن رہتی ہے۔ کیا کہوں، عجب سمجھ کی آدمی ہیں۔ اول تو بہت کچھ چوری میں اٹھ گیا، پھر اس پر

طرہ لونڈی صاحب خدا جانے کس غفلت اور لاپروائی سے غائب ہوگئیں۔ زمین کھا گئی آسمان کھا گیا۔ آج کئی دن ہوئے، مغلانی سے اس بابت بیگم سے گفتگو آ گئی۔ کچھ ایسا ناگوار گذرا، باوجودے کہ دیرینہ اور معتبر آدمی تھیں مگر جھلاہٹ میں برطرف کر دیا۔ وہ جو عامل صاحب ملے تھے، ان کا کیا حال ہے؟ کچھ کچھ تو امید بندھی ہے۔ اگر قسمت کا ہو گا مل جائے گا۔ میں نے سنا ہے آدمی کامل ہیں۔

شیخ صاحب: اے حضور، قسم وحدہ لاشریک کی، ایسا آدمی اہل کمال تو آج غلام کے نزدیک ہندوستان میں تو ہے نہیں۔ حضور یہ شہر عجب چیز ہے۔ ہر فن کا کمال والا موجود ہے۔ مگر یہی ہے۔ زمانے کی ناپرسانی سے گوشے میں چھپے پڑے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کا زمانہ نہیں رہا۔ وعدہ تو حتمی کرتے ہیں، بلکہ آج ہی کل میں مال نکلوانے کو کہا ہے۔ اگر خدا کو سرخروئی منظور ہے، انشاء اللہ یہ کام ہوا ہی تصور فرمائیے۔ زیادہ تشویش کی ضرورت نہیں۔ بقول شخصے جانیں لڑا دیں۔ خدا جانے کہاں کہاں تلاش کرنے سے اور کن کن ترکیبوں سے ایسے لوگ ملتے ہیں۔

صاحب خانہ: ہاں صاحب، آپ بجا فرماتے ہیں۔ مثل مشہور ہے ڈھونڈھے سے خدا مل جاتا ہے۔ مگر واللہ آپ کی کوشش اور خانہ زادی یاد گار رہے گی۔ ہاں بھئی اگر یہ بات ہو جائے تو بڑی مہربانی ہے۔ کیا وجہ، مجھے اب معلوم ہوا کہ رفتہ رفتہ گھر کا بہت سا مال نکل گیا۔ جو کچھ باقی تھا وہ منے صاحب نے ٹھکانے لگایا۔ کچھ ایسے اشرار بدمعاش صحبت میں آنے لگے ہیں کہ انہوں نے دوسری راہ پر لگایا ہے۔ پھر اس کے واسطے روپے پیسے کی ضرورت۔ میں تو فضول دیتا نہیں، ہاں ان کے آگے روپیٹ کے خوشامد درآمد سے کچھ لے مرتے ہیں۔ اور پھر صاحب وہاں تک غنیمت تھا۔ میں آپ سے کیا کہوں، کہنے کی بات نہیں، بقول مغلانی کہ یہ ٹانگ کھولو تو لاج وہ ٹانگ کھولو تو لاج۔ لوگوں نے دو چار چیزیں اڑا دینے کی ایسی عادت ڈالی ہے کہ چلتے وقت جس پر ہاتھ پڑا غائب غلہ اور یہی بدمعاش، لچے شہدے، سرنا بھرنا کرنے کو

موجود۔ وہ تو مجھ سے اب بھی پردہ رہتا، اس دن بی مغلانی کے نکالنے پر باتیں کھلیں عامل صاحب کو کچھ روپیہ دینے کی ضرورت تھی۔ بیگم کو بیازو نہ نکلوانے کی حاجت ہوئی۔ کچھ چیزیں توشہ خانے سے نکالنے گئیں، وہاں دیکھا تو صفایا، یا اللہ یہ کیا معاملہ ہے! کوئی آتا جاتا نہیں، ہو نہ ہو یہی ذات شریف ہیں۔ مگر یہ بات زبان پر لانے کے لائق نہیں۔ سن کے چپ لگ گئی۔ خیر یہ بھی خدا کی مہربانی، اولاد بھی دی تو ایسی۔ میری تو آس ٹوٹ گئی نالائق ننگ خاندان اب آپ نے ضرورت جو بتائی، فوری فکر لازم ہوئی۔

شیخ صاحب: حضور نے جو فرمایا، آج تک غلاموں کو جو خبر ہو۔ نہایت رنج ہو۔ خبر خدا سے امید ہے، آگے چل کے سنبھل جائیں گے۔ آخر ان کی تعلیم و تربیت میں کس قدر بے دریغ روپیہ صرف کیا گیا۔ کیسے کیسے لئیق اتالیق، ماسٹر مقرر ہوئے۔ پھر اسکول میں جانے کے واسطے خرچ گوارا کیا گیا۔ لڑکا تو اپنی طبیعت سے ماشاءاللہ نیک رئیسانہ مزاج کا ہے، ہاں صحبت ذرا خراب ہے۔ حضور کا اشارہ ہو تو سب کا آنا جانا بند کر دیا جاوے۔ واللہ غلام تو دنگ ہو گیا۔ جو کچھ ارشاد ہو، بہ سر و چشم بجا آوری حکم کی جائے۔ بڑے افسوس کی بات ہے ہماری زندگی پر کہ جس سرکار سے پرورش ہوئی ہو، اس کو ایسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

صاحب خانہ: اب ان باتوں کا کوئی علاج نہیں۔ ہاں ایک ترکیب ذہن میں آتی ہے۔ بیگم بھی کہتی ہیں کہ شاید یہ جو بدمعاش ان کے پاس آتے ہیں، ان کی آمد و رفت یک قلم ترک کر دی جائے۔ خیال کیجیے چار دن میں کہیں بات ٹھہر جائے گی، اس وقت بدنامیاں مجھ کو کس قدر شرمندہ کریں گی۔

شیخ صاحب: بہت انسب ہے حضور اس کا بندوبست ہو جائے گا، تکلیف فرمانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

صاحب خانہ: واللہ مجھے کھانا پینا حرام ہے، ضرور کوئی راہ نکالیے۔ اس لڑکے سے

جیسی محبت تھی، اسی قدر نفرت ہوگئی۔غور کرنے کی بات ہے،میر الڑکا اور ایسا آوارہ میں تو آج ہی عاق کر دیتا، بیگم سے مجبور ہوں۔ان کا یہ حال ہے کہ جب تک گھر میں نہیں آتا، دن بھر کھانا نہیں کھاتیں۔اور میں تم سے کیا کہوں، کہنے کے لائق نہیں۔ ارے صاحب مجھے معلوم ہوا ہے، کئی جوڑے اور کئی زیور بنوا کے صاحب زادے کی رنڈی کو خود ماں دیتی ہیں۔بھلا یہ کوئی انسانیت ہے۔واہ ری آپ کی محبت مامتا۔کیا کہوں مجبور ہوں ورنہ آج ہی کہتا، منگاؤ سواری میکے جاؤ، صاحب زادی کو بھی لیتی جاؤ۔نانی نانا دیکھیں گے خوش ہوں گے۔

شیخ صاحب: حضور یہ باتیں درگذر کے لائق ہیں۔انسان ہے اور مامتا کے آگے کچھ نہیں سوجھتا۔یہ بھی محبت کا ایک درجہ ہے۔جو جان سے پیارا ہوتا ہے، اس کے دل خوش کرنے کو سب ہی کچھ کیا جاتا ہے۔بعض مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ماں کے کلیجے کا حال وہی جان سکتا ہے جس کے دل میں اولاد کی ایسی ہی محبت ہو۔اے حضور ، مائیں بچے کی محبت میں دریا میں پھانڈ پڑتی ہیں، آگ میں کباب ہوگئیں، کوٹھوں سے بچوں کے ساتھ کود پڑی ہیں۔حالاں کہ دیوانے سے دیوانے سے بھی پوچھیے تو یہی کہے گا اپنی جان بچانا مقدم ہے۔ارے جب ہم ہی نہ رہیں گے تو ہمارے بچے کے ساتھ محبت کرنے والا کون رہے گا۔مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ باتیں بے خودی اور اضطراب میں اس وقت کچھ سمجھائی نہیں دیتیں۔خودی کا خیال مامتا کے آگے رہتا ہی نہیں کہ اپنا نفع نقصان دیکھیں۔جن لوگوں میں بچوں کی محبت بے انتہا ہوتی ہے، تمام عقل اور سمجھ کی باتیں اس کے آگے سجھائی نہیں دیتیں۔اگر چہ بعد کو سمجھ میں آتی ہیں مگر دل تو ٹھہرا ایک، پھر ایک وقت میں محبت، مامتا اور عقل ایک ساتھ نہیں آسکتی، خواہ مخواہ ایک دوسرے میں تقدیم تاخیر ہو ہی جاتی ہے۔جس میں جو چیز شدت سے ہے۔بس وہی مقدم ہوگی۔اسی طرح ماں کی مامتا سب پر مقدم خدا نے بنائی۔تو وجہ کم ترین کے ناقص ذہن میں یہی آتی ہے کہ خون کا جوش ہے۔اے حضور

بچہ ماں کا کالجزو ہے۔ جب ایک عضو پر صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو دوسرا حضور اس کی مدافعت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ آنکھ میں ادنیٰ سا تنکا پڑنے پڑنے کا خیال گزرا اور پلکوں نے پتلی کو دامن میں چھپایا۔ پھر یہ نور چشم ہی ہیں، آنکھوں کے تارے کہلاتے ہیں۔ اسی سبب سے پس اس خیال کو ذہن عالی سے رفع دفع فرمایئے۔ یہ باتیں بدون فطرت سے خداوند کریم نے رکھی ہیں۔ مگر ہاں انسان کو ذی فہم ذی عقل بنایا ہے۔ موقع اور مصلحت سمجھنا اس پر لازم ہے۔ نہیں تو انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے؟ مگر عورات ناقص العقل و نافہم ہوتی ہیں۔ قابل درگذر ہیں، معذور ہیں، خدا نے بنایا مجبور ہیں۔ حضور یہ بڑی مردانہ عقل اور ضبط کا کام ہے کہ ہر حال میں عقل کا دامن نہ چھوٹے۔ حضور گستاخی معاف، یہ بات تو ہم نے سرکار ہی میں دیکھی بھلا کسی حال میں کیا مجال جو عقل اور فہم کے خلاف کوئی بات سرزد ہو۔ اور حضور ان عورتوں کا کیا مقابلہ، اگر یہ عقل مند رہوں تو مرد ہیں، عورت نہیں۔ یہ بھی ان کی بڑی عقل مندی ہے۔ اپنے انتظام خانہ داری میں اس ہوشیاری اور سمجھ داری کو صرف کرتی ہیں۔ ان باتوں پر خاک ڈالیے، دل ملول نہ کیجئے۔ یہ بھی بشریت ہے، اس دنیا میں اس طرح کے معاملے پیش آجاتے ہیں، اگرچہ عقل سلیم برابر بتاتی ہے۔ اگلے زمانے والے دفتر کے دفتر سیاہ کر گئے ہیں، مگر ہوتا وہی ہے جو دنیا میں اس وقت سے لے کر اب تک رائج ہے۔ دنیا اسی کا نام ہے۔ واللہ بعض وقت خیالات آتے ہیں، دنیا ترک کر دینے کو جی چاہتا ہے۔

مرزا صاحب: بھئی واللہ شیخ صاحب، تم نے میرے جی کہی۔ اور اس طرح سے بات کو چوچلے کے ساتھ حضور میں عرض کیا کہ دوسرے کی مجال نہیں۔ واللہ سب باتیں میری سمجھ میں آگئیں۔

صاحب خانہ: ہاں ہاں شیخ صاحب، تمہارے بیان میں ایسا ہی اثر تھا۔ میں بجائے خود بہت کچھ قابل ہو گیا۔ اچھا اب یہ تو فرمایئے کیا کیا جاوے؟

شیخ صاحب: حضور جو ذہن عالی میں آئے انسب ہے۔ مجھ نالائق کی سمجھ میں جو آیا عرض کر دیا۔ حضور مالک ہیں، سب کے قدر دان ہیں۔

صاحب خانہ: اچھا تو لالہ بنسی دھر کے ہاں جائیے۔ میں رقعہ لکھے دیتا ہوں، زیادہ کہنے سننے کی ضرورت نہیں، جو مناسب ہو ان سے کہہ کے روپیہ لے آئیے۔ ہمارے ان کے حساب کتاب ہوتا رہے گا۔ اس وقت کی ضرورتیں تو نکل جائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ باہر دو ہزار میں کام نکل جائے گا، اور جو بچے گا اور مصارف میں کام آئے گا۔

شیخ صاحب: جی دیکھیے عرض کرتا ہوں، حساب لگا لوں، صرف تخمینہ ہے، کمی بیشی ہوتی رہے گی۔

صاحب خانہ: ہاں بھئی، بار بار ان کو تکلیف دینا نہ پڑے۔ آج کل کسی کے یہاں روپیہ ہر وقت تو موجود نہیں رہتا۔ اور خاص کر ہمارے بنسی دھر صاحب دوست، جن کا یہ حال ہے دو چار روپے اوپر رکھ لیے، باقی کوٹھی میں داخل زیادہ رقم ہوئی بنک گھر بھیج دی۔ اور بھئی اصل بات تو یہ ہے، ملک میں روپے کا ہے توڑ۔ آسانی سے بلا انتظام کیے بڑی بڑی مہاجنی کوٹھیاں تو ایک دم سے دے نہیں سکتی ہیں۔ رہ گیا بندوبست کرنا، پھر وہ ہر وقت حاضر نہیں، خواہ مخواہ ایک دو دن کی مہلت درکار ہوتی ہے۔ ارے بھئی اب روپیہ پیسہ، عزت آبرو، عقل مندی، بے وقوفی جو کچھ ہے وہ انتظام اور بندوبست سے۔ اگر یہ ہے تو لاکھوں کروروں کام انجام پائیں گے۔ اور انتظام نہیں ہے تو ایک ادنیٰ سا کام بھی سہولت اور آسانی سے نہیں ہو سکتا۔ چاہے آپ مہاجن، راجا، بابو، تعلق دار بلکہ لاٹ صاحب تک ہوں۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں، خدا کی خدائی میں اگر کچھ ہے کام کی بات تو یہی انتظام اور بندوبست

مرزا صاحب: جی حضور بندوبست کا کیا کہنا؟ دیکھیے سرکار میں ہر تیس برس کے بعد نیا بندوبست کیا جاتا ہے، تب جا کے تیس برس تک چل سکتا ہے۔ گاؤں گاؤں کھیت کھیت پیداوار، مال گذاری، ہزاروں جھگڑے، سب اس بندوبست کے سبب

سے

صاحب خانہ: (مرزا صاحب کی نافہمی پر مسکرا کے) اچھا آپ جا کے روپے کا بندوبست کیجئے، یہ رقعہ لیجئے

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

پندرھواں باب

(سعادت، مرزا صاحب اور صاحب خانہ کا دیوان خانہ)

مرزا صاحب: (سعادت سے) کیوں صاحب آپ کہاں سے آئے ہیں، کس کے پاس آئے ہیں؟

سعادت: جی یہیں سے آیا ہوں۔

مرزا صاحب: یہ وقت تو نواب صاحب کے برآمد ہونے کا نہیں، کسی اور وقت آیئے

سعادت: (مسکرا کے) نواب صاحب سے نہیں، منے صاحب سے کچھ کام ہے۔

مرزا صاحب: منے صاحب سے کیا کام؟ اہاہا! آپ ان کے ملنے والوں میں ہیں (گرم ہو کے) تو ان سے ملاقات نہ ہوگی آئندہ

سعادت: کیوں؟

مرزا صاحب: جی کیوں کیا معنے؟ بس اس وقت چلے جایئے دوستانہ آپ سے کہتے ہیں، ان سے اب ملاقات نہیں ہوسکتی۔ ایسی وضع کے لوگوں کو نواب صاحب نا پسند کرتے ہیں۔ نہیں معلوم کہاں کہاں کے شہدے لچے چھانٹ چھانٹ کے ملاقات کے واسطے پیدا کیے ہیں۔ آپ ہی لوگوں نے غضب خدا کا بچے کو مطعون اور انگشت نما بنوا رکھا ہے۔ بس باز آیئے اس رسم و ملاقات سے اپنی محبت بس چھپر پر رکھیے۔ کیوں بے فائدہ لڑکے پر خفگی دلواتے ہیں آپ۔

سعادت: تو کیا اب منے صاحب گھر سے نکلنے سے ممنوع ہیں؟ اور جناب آپ نے چھوٹتے ہی سخت کلامی شروع کر دی، مجھے بڑا افسوس ہے، دیکھ بھال کے بھی کسی کو کہتے سنتے ہیں، یا سب دھان بائیس پنسیری۔ اے جناب میں ان لوگوں میں نہیں ہوں۔ میں تو ایک انہیں کے فائدے کی بات کہنے آیا تھا۔ بہت اچھا جاتے ہیں، جو

ممکن ہوا تنا کہہ دیجیے گا، ایک شخص سعادت آیا تھا اور ضروری امر جس کی نسبت آپ نے جو کہا تھا، اسی کی بابت آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا تھیں۔ ملاقات نہیں ہوئی، پھر کہیں آپ سے ملاقات ہو جائے گی، کہہ دیا جائے گا۔

مرزا صاحب: اجی جناب یہ آپ کہتے کس سے ہیں۔ آپ یہاں نہ آیا کیجئے، نہ ان سے کہیں اور ملا کیجئے۔ ہم لوگوں کو حکم ہے آپ لوگوں سے ملنے نہ دیں، صحبت خراب ہے۔ رئیس کا لڑکا، آپ لوگوں کی اوباشانہ صحبت، کچی لکڑی، بس اپنی مہربانی ہی دکھیے، کچھ کہا سنا نہیں جائے گا۔

سعادت: اجی غصے کو تھوک ڈالیے، کچھ حال تو بتایئے، معاملہ کیا ہے؟ خیریت تو ہے؟

مرزا صاحب: چہ خوش! گویا بالکل بھولے بنے جاتے ہیں

اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

یہ سب آپ ہی لوگوں کی صحبت کے نتیجے پیدا کیے ہیں اب منے صاحب سے ہاتھ دھو رکھیے، ایک لمحہ تو آپ سے ملاقات ہو گی نہیں۔ اس طرح کے لوگ اس لائق نہیں۔ لاحول ولا آج کل ایسے ایسے پاک شہدے ہیں، جہاں چار دن بیٹھے، کسی رئیس کے لڑکے سے صاحب سلامت ہوئی، دو ہی پٹیوں میں ایسا چنگ پر چڑھایا، دونوں جہان میں اس کا تھل بیڑا نہ لگا۔ واہ صاحب واہ! آپ لوگوں سے شیطان نے پناہ مانگی۔ جس گھر میں گھسے بھیک منگوا دی۔ عزت کا خیال نہ آبرو کا، نہ روپے پیسے کا، صرف اپنی اہا ہا ہو ہو، دل لگی ہے واسطہ اور کچھ مطلب نہیں۔ لاحول ولا آج کل کا زمانہ اس قابل نہیں۔ علم، فضل، تہذیب شرافت کا کیا ذکر ایسے لچوں کی صحبت میں بجز نشہ بازی اور آوارگی، رنڈیبازی کے دوسرا کام نہیں آتا ہے۔ ہم تو حضت صاف صاف کہتے ہیں، آپ لوگوں کی صحبت سے خدا بچائے۔ اسی میں ہزاروں گھر برباد ہوئے اور ان کو کیا

رند عالم سوز را باعقبت بینی چہ کار

بس اندازے سے ادھر کا دھیان بھی نہ لائے گا۔ گئے وہ دن جب خلیل خاں فاختہ اڑاتے تھے۔ وہ تو کہیے بڑی جلدی خبر ہوگئی۔ آپ لوگ ہرگز کسی شریف سے ملنے کے لائق نہیں، محض بازاری آدمی۔ مبارک! (درباں سے) دیکھو تم کو حکم دیتے ہیں، منے صاحب کے ملنے جلنے والے جب آئیں ہرگز یہاں دم بھر ٹھہرنے نہ دو، نہیں تم اپنی نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھو۔

سعادت: اجی آپ کچھ بات تو بتاتے نہیں۔ خفا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ خیریت تو ہے؟ مزاج کیسا ہے؟ آض کچھ سرکار کی خفگی ہوئی یا گھر سے لڑ کے آئے ہیں۔ کہیے رات اچھی طرح کٹی تھی یا نہیں؟ آپ تو معلوم ہوتا ہے آج تو بالکل ہتے پر سے اکھڑے ہوئے ہیں۔ ہم تو انسانیت سے پوچھتے ہیں آپ اس کا جواب دیتے ہیں بگڑ بگڑ کے

مرزا صاحب: واہیات باتوں کا جواب ہی کیا؟

جواب جا ہلاں باشد خموشی

اصل یہ ہے، سرکار کو یہ صحبت پسند نہیں۔ اور صاحب ان کا منصب اختیار ہے، اپنے گھر کا ہر شخص بادشاہ ہے۔ بس آپ کو نہیں حکم ہے آنے کا۔ انسانیت سے پیش آتے ہیں۔ نہیں دم بھر تو ٹھہرنے نہ دیتا۔ واللہ دیکھنے سے آنکھوں میں لہو اتر آتا ہے۔

سعادت: اجی تو آپ سناتے کس کو ہیں۔ جاتے ہیں نہ آئیں گے۔ کبھی پیشاب کرنے بھی نہ آئیں گے۔ ہم کو کیا غرض پڑی ہے۔ کچھ کسی کے غلام نہیں۔ ہم تو صرف محبت کے بندے ہیں۔ آپ کے کہنے سے معلوم ہوگیا۔ آپ غرے ڈبے کس کو دکھاتے ہیں، آپ کا کون دبیل ہے، یا منے صاحب کس کو سرفراز کیے دیتے ہیں اور وہ (گالی) شہدے لچے، قرم ساق ہوں گے جو ایسی باتیں سنتے ہوں گے۔

یہاں لاکھوں پر تو پیشاب نہ کریں، اچھا لے اب جاتے ہیں

(تھوڑی دیر میں منے صاحب بھی آ گئے)

مرزا صاحب! لیجیے صاحب اب جو بندوبست کیا گیا ہے، گھر پر حملے ہونے لگے۔ آپ کے اخوان الشیاطین میں سے ایک صاحب تشریف لائے تھے۔ میں موجود تھا، کہہ دیا گیا، ملاقات نہ ہوگی، آپ لوگ یہاں کی آمد و رفت نہ رکھیے گا، سرکار کی ممانعت ہے۔ اچھا ہوا آپ کا سامنا نہ ہوا، ہم سب کی آبروگئی ہوتی۔ اتنے دن کی خیر خواہی خاک میں مل گئی تھی (مبارک کی طرف اشارہ کر کے) اور اس بچارے کا تو کہیں دنیا جہان میں ٹھکانا نہ لگتا۔ عمر بھر کی نمک حلالی پر داغ آجاتا اور روٹیوں سے برطرف ہوتا ہے۔ وہ گھاٹے میں۔ آج کل جیسا زمانہ ہے ظاہر ہے۔ طاقت و جوانی بھی نہیں، اس سرکار کے قدموں پر سب تصدق ہوگئی۔ بھلا اگر برطرفی ہوتی تو بھیک مانگے بھی نہ ملتی۔ مشہور تو یہ ہے

قدیمان خود را بیفزای قدر

کہ ہر گز نہ آید ز پروردہ غدر

ان کے واسطے الٹی گنگا بہتی، دانے دانے کو حیران ہوتے۔ نوکر چاکر ان کو اب کون رکھتا۔ اب تو یہ آدمی سے چٹکی کے لنگور ہو گئے ہیں۔ عمر بھر ڈیوڑھی پر پڑے ماما نچتیاں کھاتے کھاتے ہو گئے ہیں۔ اپاہج، رتوندھی آتی ہے۔ کہیے اس سرکار میں برے حال بھلے حال چلے جاتے ہیں۔ دوسری جگہ جائیں، کھڑے تو ہونے نہ پائیں۔ بس یہ سلوک آج ہوتا تھا بڑی بلا ٹلی۔ دیکھیے حضور آپ کے دوستوں کی بدولت یہ انعام ملنے والا تھا۔ وہ تو کہیے میں موجود تھا۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا، آئندہ سے آپ لوگوں کی ممانعت ہے۔

منے صاحب: ارے بھئی نام تو بتاؤ کون صاحب تھے؟

مرزا صاحب: کون صاحب کیا معنے؟ کوئی آپ کی صحبت کا لنگاڑا ہوگا۔ نشے باز،

جواری کسی رنڈی کا بھائی اس قبیل کے دوست تو آپ کے رہ گئے ہیں۔ کیا کوئی رئیس نواب زادہ شاہزادہ آتا ہے؟

منے صاحب: یا اللہ نام بھی نہیں پوچھا؟ آپ بھی کیا آدمی ہیں۔ آخر اس کی شرمندگی میرے سر ہوگی۔ جب ملیں گے شکایت کریں گے۔ یہ تو گویا ان کی نہیں عین میری ذلت ہے۔

مرزا صاحب: اے حضت! کیا آپ نے مجھ کو بھی ایسا احمق بنایا۔ نام وغیرہ میں نے سب پوچھ لیا ہے۔ ان کی وضع دیکھ لی۔ وہ تھے ہی اس لائق۔

منے صاحب: ارے بھئی ان کا نام کیا تھا؟

مرزا صاحب: نام تھا سعادت، پھر آپ کیا کیجئے گا؟

منے صاحب: آپ نے بڑی غلطی کی، افسوس! ارے صاحب وہ تو ہمارے بڑے دوست ہیں، ان سے ایک کام بھی تھا۔ آپ کسی کو دیکھتے بھالتے بھی ہیں یا صرف قرق بٹھاتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں وہ کون ہیں؟ وہ خفیہ پولیس ہیں

مرزا صاحب: (دھیمے سے) باشد، ہوا کریں۔ صورت سے تو معلوم نہیں ہوتے تھے۔ ابھی کل کا لونڈا صاحب خفیہ پولیس ہوگیا۔ یوں جو آپ فرمائیں سب کچھ ہیں، خفیہ پولیس کیا لاٹ صاحب کے بیٹے سہی مگر یہاں تو ایک کمزور سا، دبلا پتلا لونڈا، بے وردی پہنے، بازاری اوباشانہ وضع ہمارے سامنے آیا۔ علم غیب تو پڑھے نہیں۔ کچھ ان کے ماتھے پر لکھا نہ تھا، ہم نے حکم سرکار کی تعمیل کی۔ ڈریے آپ ہم کو کیا غرض پڑی ہے۔ وہ آپ کے دوست ہیں، یار غار ہیں، ہم نوالہ ہیں، ہم پیالہ ہیں، خوشامد کیجئے آپ یہاں کسی کو غرض پڑی ہے۔

منے صاحب: میں اور لوگوں کو نہیں کہتا، مگر ان کے نہ ملنے سے ایک بڑے کام کا ہرج ہوا۔

مبارک: اور حضور وہ کہہ گئے ہیں، ہم نہ آئیں گے، ایک بڑا ضروری کام تھا۔

منے صاحب: ارے بھئی وہ تو میں بھی کہتا ہوں افسوس بڑا ہرج ہوا۔ وہ آدمی کام کا ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔ اس سے تو اب ملنا ضرور ہے۔ مرزا صاحب تو بعضی بات سمجھتے ہی نہیں۔

منے صاحب، سعادت اور نخاس

منے صاحب: اجی حضت، سلام علیک، مزاج شریف، آپ تو واللہ اس طرح چلے جاتے ہیں گویا علیک سلیک ہی نہیں واللہ آپ کی مروت کی قسم کھانا چاہیے۔ واللہ اس روز آپ آئے، مجھے بے ایمانوں نے خبر نہ کی، بڑا افسوس ہے، نہایت درجہ رنج ہوا۔ بس انہیں باتوں سے تو گھر مجھے جہنم سے بدتر معلوم ہوتا ہے۔

سعادت: خیر حضت، آپ نے صاحب سلامت کی، عادتاً مجھے بھی جواب دینا لازم آیا۔ طریقہ مسلمانی کے خلاف تھا جو سکوت کرتا، مگر اس میں کلام نہیں، کیے کی خوب سزا پائی۔ واقعی ہیں ہم ہیں اسی لائق، واللہ مجھے رنج نہیں۔ صاحب ہر شخص کو اختیار ہے، کوئی ہم کو جانے کیا۔ ایسے کام پر مقرر ہیں، جب تک کوئی واقف نہ ہو، کیا جان سکتا ہے۔ کوئی وردی تو پہنے نہیں، اور دوسرے بہت سے کاموں میں اخفا بھی ضرور ہے۔ کیا واہیات پیشہ ہے۔ میں جب کانسٹبل تھا، مزے میں تھا۔ وردی پہنی، لاٹ صاحب کے برابر ہو گئے۔ اب یہ نوکری کیا ہے، گویا الٹی سزا ہے۔ مگر بھائی پیٹ بری بلا ہے۔ آج کل یہی غنیمت ہے، چاہے راہ گلی میں کوئی دس جوتے بھی مار لے۔ مرزا صاحب نے تو بڑی تہذیب صرف کی، ہم کو ان کا ممنون ہونا چاہیے۔ یہ سب آپ کی محبت کا خمیازہ ہے۔ خیر کل سے توبہ کی۔ اسی وجہ سے کہا ہے بڑے آدمیوں کی ملاقات میں اپنا ہی الٹا نقصان ہوتا ہے بھئی اسی مارے مجھے صاحب سلامت میں تامل ہوا۔ آپ کے کہنے کے مطابق اس امر کو میں نے اچھی طرح سے دریافت کر لیا۔ دراصل وہ معاملہ کہیں باہر سے نہیں آیا، یہیں کا ہے۔ کسی گھر سے نکل آئی ہے۔ کوئی آدمی کریم بخش نامی ہے، وہ گھر سے نکال لایا ہے۔ چند روز لے جا

کے ایک مکان میں رکھا، وہاں ایک زردوز صاحب پہنچ گئے۔ ان کا ستارہ چمکا، اڑا لائے۔ اس کارخانے میں کام کرتا تھا اور گھر بار ماں باپ کا پتا نہیں۔ وہی کارخانہ دار صاحب بہت معقول آدمی، وہی کھانا پانی دیتے تھے اور رفتہ رفتہ سب کام سپرد کر دیے تھے ایسا کہ مال مصالحہ دینا، کام دینا اسی کے ہاتھ تھا۔ قریب انہیں کا خالی مکان تھا، اسی میں پڑا رہتا تھا۔ میاں کریم نے بھی ان نیک بخت کے واسطے مکان لیا تھا۔ پھر تم جانو خالی مکان، بھوتوں کا راج، یہ ایک ہی شہدان، لکا سگا ہو گیا۔ کارخانے کا بہت سا مال اڑا دیا۔ اونٹ کی چوری جھکے جھکے کیوں کر ہو سکتی ہے۔ چار ہی دن میں بھانڈا پھوٹا، نکال دیے گئے۔ اب یہ بی صاحب کو گلے میں باندھے، نکلے مانگتے کھانے کو۔ عورت بھی طرح دار تھی۔ کچھ مال بھی لے کے نکلی تھی۔ میں نے سنا ہے کسی بڑی چوری میں ان کی اور کریم بخش کی کچھ شرکت بھی تھی، بلکہ ایک زمانے میں پولیس تحقیقات کو بھی گئی تھی، مگر امیر کا گھر، لکھ لٹ کارخانہ، ایسا کچھ بیچ پڑا، کچھ الٹا دے دلا کے یہ لکھوانا پڑا کہ مال بازیافت ہو گیا۔ پھر میاں کریم صاحب نے بہت سر مارا، کسی نے پتا نہ بتایا۔ دوسرے یہ کہ جو مال اس چوری میں لوگوں نے اڑایا تھا، اس میں بت سے چھٹے ہوئے بدمعاش، عادی مجرم شریک تھے۔ کچھ زیور اور اسباب تو ان نیک بخت کے ہاتھ لگا اور نقدی روپیہ کچھ میاں کریم کو ملا چنانچہ اب جا کے انہوں نے لکڑی کی دکان رکھی ہے۔ بلکہ آج کل وہ جونکڑ ہے، اس پر وہ جو اونچی سی ٹال ہے، انہیں کی ہے۔ اب دریا سے کشتیاں کی کشتیاں لاتے ہیں، چار پیسے کے آدمی ہو گئے۔ ادھر ان کے آشنا ننھے مرزا زردوزی چھوڑ چھاڑ کے اس ٹوم کو نخام کے کمروں پر اٹھا لائے۔ ایک بارسٹر صاحب بھی پھنس گئے ہیں۔ چنانچہ حال میں میں نے سنا ہے، میاں کریم نے انہیں کے مشورے سے نالش فوج داری دائر کی ہے۔

منے صاحب: بھئی واللہ، تم نے خوب ٹوہ لگائی! بھلا یہ تو بتاؤ، یہ سب باتیں تم کو معلوم کیوں کر ہوئیں؟

سعادت: اجی بس اس کو نہ پوچھیے، ہمارا محکمہ ہی ایسا ہے۔ سب باتوں کو ادھر ادھر سے سن کے خفیہ تحقیقات کر کے پورا سلسلہ قائم کر لیتا ہے۔ کچھ سرکاری کاغذات سے پتا چلا ہے جس جس محلے میں رہے ہیں، ان کے بھنگیوں سے سراغ لگا ہے۔ اور بہت سی باتیں تو نجیبن نے اپنی ایک بڑی رازدار سیدانی سے بیان کی ہیں۔ وہ اس کے یہاں بہت آتی جاتی ہے۔ غرض کہ اس کا الگ طویل قصہ ہے۔ آپ کو اس سے کوئی علاقہ نہیں۔ وہ کہیے، آپ کی محبت اور عنایت اس قدر ہے، مختصر حال بیان کر دیا ورنہ ان باتوں کو آپ کیا جان سکتے ہیں۔ یہ ہمارے محکمے کی راز کی باتیں ہیں۔ اگر حکام کو معلوم ہو جائے، ابھی ممنوع روزگار ہو جائیں۔ پھر علاوہ بدنامی کے روٹیاں بند ہو جائیں۔ آپ اپنے کام سے کام رکھیے، آپ کا کچھ فائدہ بھی نہیں ہے۔ یہ جو میں نے آپ سے کہہ دیا، محض اس وجہ سے کہ آئندہ مجھے آپ کا کوئی کام کرنا منظور نہیں، اخیر خدمت ہے۔ میں حق دوستی سے ادا ہوتا ہوں۔ آپ ان باتوں کو یاد کیجئے گا۔ ہاں اتنا اخیر دفعہ کہے جاتے ہیں کہ آج سے ہم سے آپ سے صاحب سلامت نہ ہوگی۔ اور یہی آپ کے اور میرے حق میں مناسب بھی ہے۔ مگر ایک بات دوستانہ اور کہتا ہوں۔ مجھے آپ کے یہاں کے ڈھنگ اندر سے لے کے باہر تک اچھے نہیں معلوم ہوتے۔

منے صاحب: خیر، اچھا بھائی تمہاری اگر یہی مرضی ہے تو ہم کو کیا کلام، مگر یار یہ تم نے صاحب سلامت ترک کرنے کی برسنائی، بڑا افسوس ہے ایسا دوست اور سچا آدمی کہاں ملے گا۔ میں جانتا ہوں، کل مرزا صاحب کی باتوں نے آپ کو کبیدہ کر دیا۔ خیر کیا کہوں، ان نالائقوں سے بہت ہی زچ ہوں۔ بلکہ بعض معاملے میں تو یہی جی چاہتا ہے، لعنت بھیجو گھر بار کو یہ عمر عیش و آرام بے فکری کی ہے۔ یہ لوگ ہمارے دشمن جانی ہیں۔ بہت سی باتوں کا خیال آتا ہے، نہیں ایک آدھ کی جان لے لیتا۔ بھئی مجبور ہوں، گھر سے باہر نکل کے کہاں جا سکتا ہوں۔ کوئی دوست آشنا بھی نہیں ایسا،

اپنے گھر میں برس دو برس آرام دے سکے۔ ابا اٹھتے بیٹھتے نکال دینے کو کہتے ہیں والدہ صاحبہ کے دم سے میں پڑا ہوں۔

سعادت: خیر اب آپ دل کو سنبھالیے، سب انگیز کیجئے آسان ترکیب تو یہ تھی کہ آپ کہیں نوکری کر لیتے۔ پھر کوئی دقت نہ تھی۔

منے صاحب: سر دست وہ بھی ممکن نہیں۔ مجھے کوئی انکار تو نہیں، یہ آزادی کی بات ہے، مگر آج کہیں نوکری ملے تو میرے خرچ کو تنخواہ کافی نہ ہو۔ نوکر چاکر، کھانا کپڑا کچھ نہیں تو دوسو روپے میں ہونا چاہیے۔ دوست احباب کی خاطر مدارت کے واسطے حسب حیثیت سو روپیہ ماہوار چاہیے۔ ایک گاڑی گھوڑا کم سے کم درکار ہے۔ آپ سمجھیے کم سے کم نوروز جی کی دکان سے ایک بوتل روزانہ درکار ہے۔ اگر یار احباب جمع ہو گئے تو دو تین کی نوبت پہنچتی ہے۔ کوئی ہفتہ نہیں جاتا، اس کا بل پچاس ساٹھ کا نہ ادا کرتا ہوں۔ غرض کہ یہی باتیں ہیں جن سے مجبور ہوں۔

سعادت: یہ تو ٹھیک ہے مگر نوکری پیشہ کو ان باتوں سے کیا واسطہ تو پھر مناسب ہے کہ موافق آمدنی کے خرچ رکھا جائے۔

منے صاحب: بھئی کیوں کر ممکن ہے۔ ارے بھائی تمہیں بتاؤ کس کس بات کو کم کروں۔ اور اگر اسی طرح سے رہنا ہے تو زندگی کا مزا کیا اور ابھی بڑا خرچ میں نے بتایا ہی نہیں۔ پانچ چار روپے ادھر ادھر خرچ ہو ہی جاتے ہیں۔ اور کبھی کبھی فرمائش ایسی ہوتی ہے، جب تک کوئی غیر معمولی فکر نہ کی جائے، ٹلتی ہی نہیں۔

سعادت: چونکہ میں آپ کا نیازمند ہوں اور آئندہ بہ مصلحت رسم رکھنا مناسب بھی نہیں، اس واسطے صاف صاف گوش گزار کرتا ہوں۔ معاف فرمائیے گا، گو میرا منصب نہیں اور کچھ نصیحت نہیں کرتا، محض دل سوزی سے اخیر بات اتنی کہتا ہوں کہ جس آرام و آسائش کو آپ چاہتے ہیں وہ آپ کے طریقوں اور گھر کے ڈھنگوں سے کبھی ملنے والی نہیں، بلکہ فکریں زیادہ ہوتی جائیں گی۔ اچھا اب آداب عرض کرتا

ہوں۔

منے صاحب: (آبدیدہ ہو کے) مجھے ایسے دوست کو رخصت کرتے ہوئے بڑا افسوس معلوم ہوتا ہے، مگر بھئی بس ہی کیا ہے بندھا خوب مار کھاتا ہے۔ اس مردود مرزا پر مجھے بڑا غصہ معلوم ہوتا ہے۔ بار بار یہی جی چاہتا ہے، یہ امر جو ہوا محض اسی کی وجہ سے ہوا۔ تو سہی، اس بات پر اور ان باتوں کو کروں، خوب دشمنوں کو جلاؤں۔ لیجئے صاحب اور بندوبست کیجئے۔ خوب خیر خواہی دکھلائی۔ اور اپنی نہیں کہتے روز چکمے دے کے ہزاروں کے رقعے لکھوا لے جاتے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے، پانچ ہزار گھر میں آیا، سب شیخ صاحب اور ان کے پیٹ میں گیا۔ بقول شخصے گا بجا کے سب اپنا کر لیا میں نے سن گن پائی، والدہ سے کہا تھا اور کوئی بڑی بات نہیں، کل ڈھائی سو روپیہ مجھے درکار تھا انہوں نے وعدہ کیا تھا، جس طرح سے بنے گا، مجھے دیں گے مگر وہاں ایسا لیکھا ڈیوڑھا بتایا، سب انہیں بے ایمانوں کے کٹے لگا۔ واللہ خون جگر کھا کے رہ گیا۔ ان لوگوں کو دیکھ کے میری آنکھوں میں لہو اترتا ہے۔ بار بار یہی جی میں آتا ہے، حضرت تو یونہیں سب ان بے ایمانوں کو کھلا دیں گے تو سہی اس سے دونا خود نہ خرچ کیا ہو، جاتا تو ہے ہی یہ تو مجال ہی نہیں کوئی منع کرے مگر آپ سمجھیے کچھ ہمارا بھی حق ہے۔ ارے ہم کب عیش کریں گے۔ دوست احباب کو کھلائیں گے۔ زندگی کا مزا کیا۔ ارے میاں کیا ایک دفعہ مر کر پھر جینے کو آئیں گے دنیا میں رہتا کیا ہے؟ یہی نیک نامی، بدنامی

سعادت: ہاں یہ تو بات ٹھیک کہی آپ نے مگر اس کو تو سوچیے، ہمت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ باپ دادا کی دولت پر یہ ساری جانجھ نکالی جائے۔ بھلے آدمی خود کچھ کمائے، پھر یہ مصارف کرے، پھر یہ مزہ بھی ہے، نام بھی ہے۔

کوئی اگر کہے تو یہی کہے، خوب کمایا خوب لٹایا۔

منے صاحب: ہاں یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر جناب میرا بہت جی جلتا ہے تو یہی

خیال آتا ہے۔

سعادت: اچھا تو میں آپ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ کھڑے کھڑے دیر ہو گئی، آپ کو تکلیف بھ ہو گی۔ کہیے اب ادھر سے کہاں جایئے گا؟

منے صاحب: بھئی اب سیدھا گھر جاؤں گا۔ آج محض تمہاری للک میں نکلا تھا، خدا نے ملاقات کرا دی۔ اور جو آپ کی رائے ہو، چلیں کمرے پر، دم بھر وہیں بیٹھیں، غم غلط کریں۔

سعادت: نہیں، میں اب تو وہاں نہ جاؤں گا اور نہ ضرورت ہے۔ ہاں آپ چاہیں خوشی سے جائیں۔

منے صاحب: نہیں، میرا بھی اب جی نہیں چاہتا (ہاتھ ملا کے) اچھا بھائی رخصت خدا حافظ و ناصر!

سعادت: (گلے سے چمٹ کے اور آب دیدہ ہو کے) منے صاحب سچ باور کرو، مجھے تم سے محبت تھی مگر افسوس ہے

منے صاحب: (بھاری آواز سے) خدا حافظ

سولہواں باب

نجم النسا اور ننھے مرزا

ننھے مرزا: اجی تم نے سنا؟ غضب ہو گیا۔ واللہ کل سے تو میرا کھانا پانی حرام ہے، اور اس مارے رات کو آئے ابھی نہیں وہ تو کہو خدا نے ایک وکیل صاحب کے دل میں نیکی ڈال دی تب ان بچاروں نے چھڑایا۔ قسم جناب امیر کی عجب اشراف آدمی ہیں۔ ان سے یہاں کی یاد اللہ تھی۔ بے کہے بے سنے خود سینہ سپر ہو گئے۔ اور خوب خوب رو بکاریاں کیں

نجم النسا: کیوں خیر تو ہے؟ یہ کون وکیل تھے؟ کچھ خلاصہ تو کہو۔ ادھ کٹی بات مجھ کو نہیں بھاتی؟ آخر ہوا کیا

ننھے مرزا: اجی ٹھہرو، پیٹ میں سانس تو سما لے، میں دوڑتا ہوا حوالات سے چھوٹ کے بھاگتا آتا ہوں۔ قسم حضرت عباس کی منہ سے کوئی بات نہیں نکلتی، تم پریشان نہ ہونا۔ اوکھلی میں سر دیا تو دھمکوں کا کیا ڈر۔ کر لے وہ بھی عداوت جتنی اس سے کی جائے۔ میں کیا کہوں، اچانک پھنس گیا واللہ ثم باللہ اصلا جو مجھے خبر ہو۔ میں سیدھے سبھاؤ چلا آتا تھا، پولیس کے ایک سپاہی نے کاغذ دکھلایا اور نکال کے ہتھکڑی ڈال دی۔ لاکھ کہتا ہوں، بھائی یہ کیا معاملہ ہے؟ ہنس کے فرماتے ہیں، چلو تمہارا چالان ہو گیا ارے بھائی کچھ سنو گے بھی، اچھی زبردستی ہے کون جرم کیا ہے؟ آخر مجبہ معلوم تو ہو۔ چلنے میں کیا عذر ہم ٹھہرے رعایا، تم حاکم، جہاں چاہو لے چلو مگر بتا تو دو۔ سپاہی صاحب کہنے لگے، ایسے بھولے، ان کو کچھ معلوم ہی نہیں۔ چوری نہیں کی ڈاکہ نہیں ڈالا، اور کی مہریا تو بھگا لائے۔ تب میں جا کے سمجھا، کچھ دال میں کالا ہے، اسی تمہارے آشنا کی کارستانی ہے۔ واللہ اس وقت سے میرے حواس درست نہیں۔ میں نے جی میں کہا، یار برے پھنسے۔ اور جو کہیں ذرا بھی سن گن پاتا، بندہ وہیں سے دو تین ہوتا۔ جو تمہارے یار صاحب مل جاتے تو یہ جی چاہتا تھا دانتوں سے بوٹیاں

نوچوں۔مگر بندھا خوب مار کھاتا ہے۔ میں سمجھ گیا، دشمنوں میں پھنس گئے، یار اب بری ہوئی۔ افسوس ہے کوئی خبر کرنے والا نہیں۔ لاکھ کہتا ہوں، یہ تو مکان ہے، کھڑے کھڑے ہوآنے دو، میں ابھی آیا، نہ یقین آئے ساتھ چلو، بس دو دو باتیں کرنا ہیں، مگر وہ ایک ہی نطفہ شیطان، دوسرے اس طرف سے کچھ دے دلا دیا ہوگا۔ میرے پاس اس وقت جھنجھی نہیں بالکل بے خرچ وہ تو کہو ہاتھ میں دو انگوٹھیاں پڑی تھیں کمر بند میں چقو تھا۔ میں نے کہا بھائی یہ لے لو، اپنا کام کرو اور اس کے بعد دیکھا جائے گا مگر وہ لوگ تم جانو ایک ہی بے مروت

نجم النسا: غضب ہوا، کسی طرح یہاں تک آجائے تو جتنے میں راضی ہوتا، دیا جاتا

ننھے مرزا: میں تو لاکھ لاکھ کہتا رہا، ان لوگوں نے سنا بھی نہیں۔ بلکہ جب میں ذری ٹھٹک رہا تو ایک نے پیچھے سے گھونسا مار کے آگے کو دھکیل دیا (آب دیدہ ہو کے) چار آدمی راہ گیر جمع ہو گئے۔ بس تم سے کیا کہوں، تو چل اور میں چل بازار میں ٹھٹ لگ گئے۔ ایک بات سے مجبور تھا چاروں طرف سے لوگ مجھے گھیرے تھے۔ جی تو یہی چاہتا تھا وہیں کھڑے کھڑے وار نیارا ہو جائے۔ اتنے میں آپ کے میاں یار صاحب بھی آ گئے۔

نجم النسا: خدا غارت کرے یار کو، حضرت عباس کا علم ٹوٹے یا شیر خدا! کیا دیر لگائی ہے، فنا کیوں نہیں کر دیتے، تم ہر دفعہ بار بار جو کہتے ہو مجھے گھسہ چھوٹتا ہے۔ یار ہوگا اپنی اماں بہنیا کا۔ اتنی کی گنہگار ہیں، رانڈ پڑوس کا معاملہ، دینی بھائی البتہ بنایا۔ میں تو سیدھے سبھاؤ کی آدمی، چہل پانچ کیا جانوں؟ کہیں مکان لیا، اس میں ٹھہرا دیا۔ اگر جو ایسی بات ہوتی تو کیا دنیا میں جوان جہان اپنے ہم عمر گبرو نہ جڑتے تھے جو ایسے بوبک کے ساتھ دیتے۔ یہ کہو وقت پڑے پر گدھے کو باپ بناتے ہیں۔ اگر کچھ نیت بدلی ہوگی تو وہ جانے

ننھے مرزا: اجی نیت کیسی، یہ تو مجھے اب معلوم ہوا۔ اس نے سوال دیا ہے، صاحب

میری منکوحہ تھیں، ننھے مرزا گھر سے سیڑھی لگا کر آدھی رات کو بھگا لائے ہیں۔

نجم النسا: منکوحہ ہو گی اس کی ماں بڑا منکوحہ والا آیا۔ سات پیڑھی کوئی منکوحہ نصیب ہوئی تھی؟ مواطوفان لگاتا ہے، تو لے باندھتا ہے۔ چولہے میں پھونکوں اس کے منکوحہ کو۔ نوج خدا نہ کرے میرے دشمن منکوحہ ہوں۔ خدا اس دن کے لئے مجھے زمین کا پیوند کرے۔ بھلا سرکار پوچھے کھانے کو بھی کوڑی تیرے پلے ہے؟ بڑا چلا ہے منکوحہ کرنے تو سہی، سب حال بھری کچہری میں نہ کھول دیا ہو۔ الٹی ہتھکڑیاں پڑ جائیں گی۔ وہ سمجھا کیا ہے اپنے تئیں کو، کیوں بے فائدہ منہ کھلاتا ہے۔ اپنی والی پر آؤں تو خاک میں ملا کے رکھ دوں۔ میاں کا دنیا جہان میں کہیں ٹھکانا نہ لگے۔ کالا پانی ہو، تب میں نجم النسا اپنے نام کی۔ اور وہ ہوتا کون ہے منکوحہ کرنے والا ہم کیا کسی کی لونڈی باندی ہیں اپنے خوشی خان آدمی جہاں جی چاہا، جس سے راضی ہوئے، ہماری خوشی کی بات ہے۔

ننھے مرزا: اجی تم کو معلوم نہیں۔ یہ بے ایمان جب تک پھانسی نہ پائے گا، چین نہ ہو گا۔ ہاں اور سنو وہ جو بالسٹر صاحب کبھی کبھی آتے جاتے تھے، ان کو وکیل کیا ہے۔

نجم النسا: اخاہ اخاہ، بالسٹر کیے ہیں! اس کے پاس کھانے کو تو تھا نہیں، پیسہ کہاں پایا۔ ہو نہ ہو کچھ اس میں بھی چال ہے۔ بالسٹر صاحب آج کل ذری گئے ہیں نا اوہ! کچھ بات نہیں (چٹکی بجا کے) میں یوں تو ان کو سیدھا کر لوں گی۔

ننھے مرزا: میں نے کہا چلو اچھا ہے، ہم کو خرچ نہ کرنا پڑے گا۔ گھر کی بات ہے، کہیں جانا نہیں

نجم النسا: اچھا تو اب پیشی کب ہے؟ کیا کرنا چاہیے؟

ننھے مرزا: کرنا کیا چاہیے، یہی تم کہہ دینا

نجم النسا: تو کیا میری بھی پوچھ گچھ ہو گی؟ دیکھو مرزا جہاں تک ہو سکے اس بلا کو ٹالو۔ اور جو مجھ سے ادنیٰ سی بات پوچھی گئی تو میں پیاز کے سے چھلکے ادھیڑ کے رکھ

دوں گی۔ کیا حاصل بات بڑھے۔ گندہ بات جتنی کریدی جائے گی، اتنی بدبو پھیلے گی۔

ننھے مرزا: میں نے کل سے دانہ منہ پر جو رکھا ہو تو اسی رزق کی مار پڑے۔ میرے حواس ہی کہاں تھے، بھوک پیاس بھی غائب تھی۔ واللہ کس طرح سے رات کٹی ہے، تم سے کہہ نہیں سکتا۔ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ یہ تو کہیے بچارے وکیل راہ چلتے اڑے آ گئے۔ نہیں آپ جانیے ہزاروں برس کی ملاقات دوستی سب طرح کا سلوک کرو مگر وقت پر آج کل کے زمانے میں بھائی صاحب ہر یک سے ممکن نہیں۔ خدا اس کے بچے سلامت رکھے مشکل کشا علی اس کے اسی طرح اڑی پر کام آئیں۔ اچھا ایک چلم پی کے پھر جاتا ہوں ان کے یہاں جو صلاح بتائیں کی جائے۔ تم سمجھو ایسے دوست کہیں روز ملتے ہیں۔ واللہ رویاں رویاں میرا دعائیں دیتا ہے۔ میری کھال کی اگر جوتیاں بنائیں اف نہ کروں۔ وہ تو گویا انہوں نے بے داموں غلام بنا لیا۔

نجم النسا: ہاں بہتر ہے، اب سب باتوں کی صلاح انہیں سے پوچھنا چاہیے، جو صلاح وہ دیں وہی ٹھیک ہے

ننھے مرزا: اچھا میں تو اب چلا، تم اطمینان سے بیٹھو، گھبرانا نہیں، تمہیں میری جان کی قسم، وقت ہی تو ہے، بڑوں بڑوں پر آ جاتا ہے۔ لے بھلا ہم کیا چیز ہیں، بادشاہ پیغمبر تو بچے نہیں، غضب خدا کا، رسول کے نواسوں پر بیبیوں پر کیا کیا ظلم نہیں ہوئے۔

نجم النسا: خیر اچھا، مجبوری کا نام شکر ہے۔ میں دل مسوسے کمرے پر بیٹھی رہوں گی۔ چین آرام تو خدا کو منظور ہی نہیں۔ جب تک یہ کانٹا نہ نکل جائے، بھلا چین یہاں کس پچھل پائی کو آ سکتا ہے۔ رات ہی کو میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ اندر والا کہتا تھا خدا خیر کرے۔ میری بائیں آنکھ پھڑکتی ہے۔ اور میں نے ادبدا کے دیکھا ہے جب میرا

داہنا بازو پھڑکتا ہے، ضرور کسی نہ کسی رنج کا سامنا ہوتا ہے۔

ننھے مرزا اور وکیل صاحب

ننھے مرزا: حضور میں عرض کروں، میں عمر بھر کا غلام ہو گیا۔ بلکہ اس کو بھی عذر ہو گا مگر مجھے نہیں۔ واللہ آپ نے مرد کا کام کیا۔ خدا آپ کو اس کا اجر دے گا۔ حضور کہہ تو نہیں سکتا، میں نے کہا جھوٹ کے پہلے سیدھا آپ کے پاس ہو آؤں، نہیں کہیں گے عجب پاجی تھا، ملنے بھی نہیں آیا۔ یہ شیوہ بھلے آدمیوں کا نہیں ہے، اپنے محسنوں کا احسان نہ مانے۔ میں تو کہتا ہوں آج اگر آپ کہہ دیں تو آگ میں پھاند پڑو، واللہ قسم جناب امیر کی، اگر تامل کروں تو اس کے باپ کے نطفے میں فرق۔ اب تدبیر کا موقع ملا ہے۔ کچھ ایسی پیروی چاہیے اس جھنجھٹ سے حضور کی بدولت گلوخلاصی ہو۔ اور میں کہتا ہوں آج یہ بالسٹر صاحب بخشو کی طرف سے آئے تھے کیسے۔ یہ تو ہمارے مہربان ہیں بلکہ بی صاحب بھی بخوبی جانتی ہیں۔ ان کو کسی طرح یقین ہی نہیں آتا۔ کہتی ہیں تم کو دھوکا ہوا ہو گا، وہ نہ ہوں گے۔ آخر ہماری ملاقات کا اتنا بھی حق نہ مانیں گے۔ یہ تو انسانیت سے بعید ہے۔ میں نے کہا بیٹھو، ہوش کی دوا کرو۔ یہ سب بالسٹر آج کل انسان ہو کے ولایت سے کب آتے ہیں۔ اجی جو بندر ہوتا ہے وہ تو بندر ہی ہے۔ ستم تو وہ انسان کرتا ہے جو ہوا بندر ہوتا ہے۔ ان کے یہاں انسانیت آدمیت کیا چیز ہے۔ حد ہو چکی، باپ کو باپ، ماں کو ماں نہیں سمجھتے، پھر بھلا اوروں وک کیا امید اجی یہ تو سمجھو روپے کی لکڑی کے بل بندر ناچتا ہے جیسا مختانے پر یہ لوگ کچہری میں روبکاری کرتے ہیں

وکیل: خیر اچھا ان لمبی باتوں سے کیا حاصل؟ مگر بالسٹر صاحب کو ایسا چاہیے نہیں۔ ہم نے لوگوں سے سنا ہے، یہ بس بویا ہوا تو انہیں حضرت کا ہے۔ اپنے تئیں بڑا لائق سمجھتے ہیں اور لیاقت کا یہ حال، ضابطہ تک معلوم نہیں۔ جو کچھ پڑھا ہو گا۔ ولایت کا پڑھا ہو گا۔ نظریں تک تو ان کے پاس ہیں نہیں۔ یہاں خدا کی عنایت سے سب

مصالحہ ہر وقت موجود۔ بعضی بعضی کتابیں تو خود عدالت کی الماری میں نہیں نکل سکتیں۔ بلکہ لالہ سے پوچھو، اکثر کتابیں جوڈیشلی میں ہماری ہی مانگ لی جاتی ہیں۔تم کوئی اندیشہ نہ کرو۔وہ بڑی بات ہی کیا ہے،چٹکی بجاتے یوں چھڑالیں گے۔ تم گھبراؤ نہیں اور بی صاحب سے کہہ دینا ہمارے ہوتے ہوئے رنج کرتے تمہاری جوتی جب تک ہمارے دم میں دم ہے تم کو چھڑالائیں گے۔اور ننھے مرزا یہ تو کہو تمہارا وہاں قیام مستقل ہوتا ہے یا کبھی کبھی جاتے ہو؟

ننھے مرزا: جی حضور اب آپ سے صاف صاف کہوں۔اس شخص کو یہی گنہگار یہاں لایا ہے۔لیکن یہ جھوٹ ہے۔ نکال کے نہیں لایا وہ خود ہوشیار ہیں، سمجھ دار ہیں، اپنی نیکی بدی جانتی ہیں، کسی کی منکوحہ نہیں، خودمختار ہیں بلکہ آج تو کہتی تھیں کون وکیل صاحب ہیں جو ایسے ہم لوگوں پر مہربان ہیں۔میرا جی چاہتا ہے، میں مل کے زبانی شکرگزاری کروں، مگر اسی میں تامل ہے کہ نہ معلوم کس مزاج اور وضع کے آدمی ہیں، نہیں وکیل صاحب کو کیا، ادنیٰ اعلیٰ ان کے دربار میں اپنے اپنے مقدمے لے ہی جاتے ہیں۔یہ تو کہو، کوئی مولوی تو ہیں نہیں۔ان کا یہ حال، کہنے کو بڑے قال اللہ وقال رسول ہر بات پر بے شرع کے نوالہ نہیں توڑتے، نماز ایک دن کی نہیں چھوٹتی دعا تو بہ ہر وقت پڑھی جاتی، بے استخارے قدم نہیں رکھتے اور نیت کا یہ حال پورا بکرا پائیں بے حلال ہضم کر جائیں۔عورت کی صورت دیکھی نہیں اپنی جان پر لاحول بھیجتے بھیجتے خود لاحول ہو گئے۔اسی مارے میں کچھ کچیاتی ہوں۔شاید میرا جو پہلا دروازے پر اترنے نہ دیں، نہیں میں جا کے جوتیوں پر سر رکھ دیتی اور یہ تو میری مجال نہیں، کچھ اور عرض کر سکوں وہی بات ہے چونی کہے مجھے گھی سے کھاؤ

وکیل صاحب: مرزا صاحب! آپ میری طرف سے بی صاحب کی تشفی کر دیجئے گا۔کہیے اپریشان ہونے سے تو ہم خود پریشان ہوں گے۔آپ تہ دلی سے مکان میں بیٹھی رہیں۔آپ ہی کی پریشانی سے تو ہم لوگ محنت کرتے ہیں۔واللہ اگر ایک

لاکھ کا مختانے کا مقدمہ آئے تو واپس کر دوں۔ اور یوں آنے کو جس وقت آپ کا جی چاہے بلا تکلف تشریف لائیے، آپ کے واسطے دل میں جگہ ہے۔ ہاں اگر کوئی فرصت کا وقت ہو تو انسب ہے۔ مجمع میں نہ مقدمہ سمجھا جا سکتا ہے نہ ہمارا اطمینان خاطر ہوتا ہے۔

ننھے مرزا: اے حضور! ان کو کیا آج کل کمرے کے دروازے بھی نہیں کھولتی ہیں ان کا تو قول ہے دل سرد ہو گیا، یہاں کے لوگ ملنے کے لائق نہیں ہیں جس وقت خوشی ہو، بلا تکلف فرمائیے وہاں کوئی مجمع بھی نہیں مگر ہاں حضور کی فرصت کا وقت ہونا چاہیے اس کا خدا کی عنایت سے یہ حال ہے، کسی وقت فرصت ہی نہیں ایک آتا ہے ایک جاتا ہے مقدمے والوں کا تانتا لگا ہے۔ نام ہی ایسا ہے سینکڑوں کوس سے لوگ راجا بابو اڑیل مہاجن چلے آتے ہیں کسی سے بات کرنے کی مہلت نہیں حضور غلام سچ عرض کرتا ہے اس شہر کا نام لیجیے ممکن نہیں جو حضور کا نام سے چلتا ہے۔ جیسے مہاراجہ چندو لال کے نام سے حیدر آباد آج تک چل رہا ہے۔ پھر کیوں نہ ہو۔ قانونی لیاقت، مقدمے کا رکھ رکھاؤ، ہر ایک کی خاطر داری، قانون دانی، عزت آبرو کچہری دربار میں سرکار میں حتیٰ کہ لندن تک ہر شخص کی زبان پر مشہور ہے قسم ہے جناب امیر کی ایسا وکیل تو بڑا بڑا بالسٹر بھی نہیں دیکھا۔ خدا نے بات بالا کی ہے لاٹ صاحب مانتے ہیں

وکیل صاحب: ارماں مرزا کچھ گھبرانے کی بات نہیں۔ ہمارا جواب تو یہ ہے کہ مدعی خلاف واقعہ کہتا ہے، مگر اس کے واسطے ایک بات کرنا ہوگی، یعنی بی صاحب کے اظہار کی ضرورت ہوگی۔ بس کسی دن یہ دو چار باتیں ان کو سمجھانا ہیں۔ میری یہ عادت ہے، کوئی امر کوئی بات ادھوری نہیں کرتا۔ مقدمے کو چاروں چولوں سے خود اپنے ہاتھ سے ٹھیک کر لیتا ہوں۔ کیوں وہ اس قدر ہوشیار ہیں کہ کچہری میں جو پوچھا جاوے ٹھیک ٹھیک جواب دے لیں گی؟ گھبرائیں گی تو نہیں؟ ان کا بیان اگر

ٹھیک ہو گیا تو ساری بالسٹری وہیں خاک میں ملا دی ہو بلکہ الٹا دعویٰ ننھے مرزا کی طرف سے اسی وقت حسب دفعہ 122 ٹھونک دیا ہو۔ وہ ابھی صاحب زادے ہیں وکالت آ کے یہاں سیکھ جائیں۔ بھلا یہ بھی بڑی لیاقت ہے ایک غریب آدمی کو فوج داری میں پھانس لیا۔ وہ عورت ذات تمہارے لینے میں نہ دینے میں اسے بیچاری اور بے کس سمجھ کے اس پر آپ بڑے مرد ہو گئے۔ مگر کیا کریں؟ مقدمے ملتے نہیں واللہ محرر دن بھر میں اتنا کما لیتا ہے، جتنا مہینے میں ان کو نصیب نہیں ہوتا۔ اور بنا چاہتے ہیں صاحب لوگ کوٹھی میں رہیں اونچے پہیوں کی ٹم ٹم پر ہوا کھانے نکلیں کوٹ پتلون پہنیں پھر ساتھ ہی اس کے بیرا، خانساماں، پنکھا قلی، دھوبی، خاک روب، ایک دو درجن نوکر چاکر، دس پانچ کتے، کلب گھر اٹا کرکٹ جایا چاہتے ہیں شراب کباب کی آئے دن دعوتیں دیا چاہیں صبح شام پاؤں گاڑی پر سیر کو جائیں بھئی آخر سمجھو، کچھ ان میں روپیہ لگتا ہے یا نہیں۔ کمائی کی طرف سے برسوں کوڑی کی آمدنی نہیں۔ اب بھائی علاقہ جو تھا بیچ کے کھا گئے۔ باوا نے جو رشوتیں لے کے میرے تیرے نام سے جمع کیا تھا وہ تعلیم کے خرچ میں اٹھ گیا اب شاہ خرچی ہو تو کہاں سے۔ اسی مارے دو دو ایک ایک روپے پر کچہری میں پڑے پھرتے ہیں

ننھے مرزا: حضور بجا ہے، لیاقت ہونا اور بات ہے۔ اب اس غلام کے واسطے کیا حکم ہوتا ہے۔ حاضر رہوں یا کسی اور وقت آؤں؟

وکیل: اچھا ہمارا نوکر شام کو آئے گا۔ جو مناسب ہو گا، کہلا بھیجیں گے، تم جا کے اطمینان سے گھر میں بیٹھو۔ جلدی کیا ہے، ابھی تو پیشی کو کئی دن ہیں۔

شیخ صاحب، مرزا صاحب اپنی سرکار میں

شیخ صاحب: حضور کے اقبال سے سب کام ٹھیک ہو گیا۔ میرے تو ہوش اڑ گئے۔ صدر حمت ہے سرکار کی ہمت اور استقلال کو، ذرا تیور پر بل نہیں۔ اور ادھر روپیہ پیسہ کیا مال ہے۔ مگر حضور بڑا جگرا چاہیے۔ یہ خوش قسمتی کہ ایسی عالی ہمت مردانہ سرکار

میں سلسلہ ناخن بندی ہے۔

خاک از تو دہ کلاں بردار

الحمدللہ اتنی عمر ایسی ہی سرکار میں بسر ہوئی، عزت آبرو کے ساتھ۔ خدا سے صبح و شام یہی دعا ہے، بقیہ عمر اسی در کی جبہہ سائی میں بسر ہو۔ کل کچھ لوگوں میں اس طرح سرگوشی عدالت میں ہوتی تھی، جس سے معلوم ہوتا تھا کہ مال مسروقہ کا پتا لگ گیا۔ کہتے ہیں

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

سنا کوئی بالسٹر صاحب متوجہ تفتیش کے ہوتے ہیں۔ از خود کسی نے ان سے حاجت بیان بھی نہیں کی۔ خدا نے ان کے دل میں بھی ڈال دی۔ مجھے ٹوک کے روک لیا۔ بڑی دیر تک مقدمہ پوچھتے رہے۔ میں نے تمام کیفیت من اولہ الی اخرہ پوست کندہ بیان کردی۔ بلا استدعا فرمانے لگے، کچھ اندیشہ کا بات نہیں، ہم سب ایسا مقدمہ لڑ دے گا کہ سب حال آئینہ ہو جائے گا۔ ہم سب مال مع مجرموں کے سرکار میں پہنچا نہ دیں تو بالسٹر نام نہیں۔

صاحب خانہ: تو میں کہتا ہوں آخر اس قدر محنت گوارا کرنے کی کون بات ہے۔ کوئی امر حق المحنت اور حق السعی کا ہوتا ہے تب کوئی بات یہ لوگ کرتے ہیں۔ ارے بھئی آج کل کا زمانہ تم دیکھتے نہیں، کہتے ہیں اور کی بلا اپنے سر کوئی لیتا ہے۔ یہ زمانہ عجب بے مروتی کا ہے، بے محنتانہ آج کل پاؤں کی چیونٹی تک کام نہیں کرتی۔ بھلا یہ لوگ تو بالکل انگریز ہیں۔ ان کی سب باتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں کوئی نہ کوئی اپنا فائدہ ضرور رہوتا ہے۔ پھر بتاؤ، یہ بالسٹر صاحب جو خدا واسطے کو اتنی محنت کریں گے، آخر ان کو کیا۔ کوئی اپنا مقدمہ محنتانہ والا نہیں ہے۔ واللہ بے مروتی تو ان کی حرکت سے پیدا ہے۔ اور آج کل اگلے زمانے کی طرح جو کوئی کام للہ فی اللہ کر دیا جائے، اس کو اگلے زمانے کی حماقت سمجھتے ہیں۔ خیر بھئی رسم زمانہ یہی ہے، اس پر کسی کو الزام

نہیں دے سکتے۔ میں جانتا ہوں ولایت میں تو کوئی کسی کو بے روپے کے پوچھتا بھی نہ ہوگا، اپنا باپ ہی کیوں نہ ہو رہ گیا کوئی کام خدا واسطے کر دینا، اس کا یہ حال ہے، ان کے نزدیک خدا ہی نہیں، واسطہ کیسا۔ بقول شخصے جامہ ندارم دامن ازکجا آرم وہاں جو کچھ ہے، میں نے اکثر کتابوں میں دیکھا ہے، روپیہ اور خود غرضی۔ اور یہاں بھی دیکھیے وہی ان کے حرکات۔ مثل ہے دنیا ہے اور مطلب، مطلب ہے اور اپنا۔ بھئی سچ کہو یہ بات میری سمجھ میں کسی طرح نہیں آتی۔ تم کہتے ہو، تم کو بلا کے خود انہوں نے سب حال پوچھا۔ بھئی خدا دیکھا نہیں عقل سے پہچانا۔ ان کو ایسی کیا پڑی تھی جو تکلیف اٹھاتے۔ ہو نہ ہو کوئی لم اس میں ضرور ہے۔ بھلا معلوم ہوا ہے، بالسٹر صاحب کا مزاج کس قسم کا ہے؟ مجھ سے ان سے کبھی کی ملاقات بھی نہیں، وہ میرے ہاں کی دقتوں تکلیفوں کو جانیں کیا جو از راہ ترحم خود بخود ان کے دل میں میری طرف سے جگہ ہو۔ بھئی میری عقل کچھ کام نہیں کرتی۔ اور یوں بھئی تم کو اختیار ہے جو چاہو کارروائی کرو۔ میں منع کرتا نہیں۔ مصرعہ

شاید کہ ہمیں بیضہ برآرد پروبال

شیخ صاحب: حضور کا ارشاد بجا ہے۔ تقاضائے عقل تو یہی ہے۔ ہاں ایک بات البتہ ذہن میں آتی ہے۔ چونکہ یہ چوری بہت بھاری ہے اور ظاہر ہے سرکار کا نام مشہور ہے، سب حکام کو خبر ہے۔ پولیس کو بھی اسی وجہ سے زیادہ کد ہے۔ یقیناً اس کا سراغ لگانے میں کوئی انعام مشتہر ہوا ہو۔ اس کے واسطے یہ سب کوشش ہوتی ہے۔ خیر اس سے ہم کو کیا واسطہ، یہ سرکاری انتظام ہیں۔

صاحب خانہ: ہاں بھئی ہاں، یہ بات تم نے قرین قیاس بتائی۔ مگر پھر اس میں یہ اندیشہ ہے، ہم کو ضرور خبر ہوتی، آج تک اس کارروائی کی اصلا جو خبر ہو۔

شیخ صاحب: ہاں حضور، بھلا ایسی بات تھی۔ غلام کے کان تک بات پہنچتی اور سرکار میں نہ عرض کرتا؟ مگر ممکن ہے غلام کے بھی کان تک نہ پہنچی ہو۔ جیسے پولیس کی اس

معاملے میں بہت سی ادنیٰ اعلیٰ کارروائیاں۔ شاید اس مارے اطلاع ضروری نہ سمجھیں ہوں کہ کون ان جزویات کی اطلاع دے۔ ہماری سرکار سے واسطہ ہی کیا۔ فہرست تو داخل ہی ہے۔ جب نوبت شناخت دینے کی آئے گی، ملالیں گے۔ اور پھر اگر ضرورت ہوئی تو ہم کہیں بھاگے نہیں جاتے۔ تو بات کیا ہے، پولیس کو خاطر خواہ راضی کر دیا گیا ہے۔ وہ تو سمجھیے زر کے بندے ہیں زر برسو فولاد نہی نرم شود بڑے بڑے تو چلموں پر آگ رکھتے ہیں، یہ پچاس چالیس کے نوکر کیا مال۔ ہاں حضور یاد آیا مجھے۔ لاحول ولا، شدت افکار میں میں ایسا بدحواس ہو رہا ہوں کہ نسیان بڑھ گیا ہے۔ جس وقت بالسٹر صاحب نے مجھے بلا کے کہا، میں عقل سے سمجھا، اس میں کچھ ہو نہ ہو ان کا منشا ہو گا۔ خیر ہم اس میں بھی باہر نہیں۔ شاید مطلب یہ ہو گا، کچھ بطور شکرانہ اپنی جانب سے دینے لینے کی بات چیت ہو۔ اگر واقعی ان کی نیت ایسی ہے تو یہاں ابھی ان باتوں کو سمجھے بیٹھے ہیں۔ اب کیا ایسے کم ہمت یا بے اٹکل ٹھہرے، جانتے ہیں کہ

مزدور خوش دل کندکار بیش

اگر ہمارا نفع ہوتا ہوا نظر آئے گا، ہم خود ان کے ساتھ رعایت کریں گے۔ نہیں، کیا کتے نے کاٹا ہے، بنا بنایا کھیل بگاڑ دیں گے؟ مگر ابھی انہوں نے اپنی زبان سے کچھ کہا نہیں۔ ہم نے بھی کہا اس وقت چھیڑنا مناسب نہیں۔ پہلے سرکار میں اطلاع کر دی جائے، پھر دیکھا جائے گا۔ اب اس فکر میں غلام ہے کہ اگر اب کی دفعہ وہ زبان پر لائے تو کیا جواب دیا جائے۔ اب دقت یہاں پر یہ ہے کہ اگر یہ کہا جاتا ہے، انعام آپ کے واسطے حق محنت کافی ہے، وہ تو آپ کو گورنمنٹ گلے گلے پانی دلوا دے گی، تو ایک طرح کی بے مروتی ہوتی ہے۔ ممکن ہے وہاں بالا بالا انہیں لوگوں سے ساز ہو جائے اور لے دے کے مال سرتا بھرتا کریں، گورنمنٹ تک نہ پہنچنے دیں۔ اگر صورت تو کچھ وعدے ہی کی۔

مرزا صاحب: (جو ابھی تک چپ تھے) میری رائے ناقص میں کسی طرح انسب ہے نہیں بلکہ کچھ وعدہ کر دینا چاہیے

شیخ صاحب: ہاں یہ بات تو میرے بھی نزدیک انسب ہے، جو اشاد ہو۔

صاحب خانہ: ارے بھئی شیخ صاحب! تم جانتے ہو، میں نے تم کو سیاہ سفید کا اختیار دیا ہے۔ آج کل شدت افکار سے میری عقل کچھ کام نہیں کرتی۔ جو کچھ مناسب سمجھو کارروائی کرو۔ میرا یہ حال ہے، آنا جانا یا راحباب سے ملنا ترک ہو گیا۔

شیخ صاحب: خدا نہ کرے۔ حیف ہے غلاموں کی زندگی پر جو کسی طرح کی فکر سے حضور کے خیال کا دامن آلود ہونے دیں۔ اگر زندی ہے، انشاء اللہ جیسی اب تک ہوتی رہی ہے، کوئی فکر کی بات گذارش نہ کی جائے گی۔ بہت خوب، تو سر دست ایک چال غلام کے ذہن میں آئی ہے۔ اب جو بالسٹر صاحب سے ملا جائے تو کچھ روپیہ بھی ہمراہ ہو۔ محض نمائش کے واسطے اور ان سے وعدہ کر دیا جائے۔ اس لیے کہ ان کو یقین ہو، ان کا اپنی سرکار میں اعتبار ہے اور روپے پیسے کی کمی نہیں ہے۔ حضور اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں، بس سمجھنے کے لائق،

صاحب خانہ: تو اب کیا کرنا چاہیے؟

شیخ صاحب: حضور کرنا یہ ہے کہ اگر اس وقت روپے کی دھاند میں کچھ دقت ہو تو پھر کوئی رقعہ لالہ کے نام لکھ دیجیے۔ محض ان کو دکھانا تو ہے ہی۔ ان کو بجائے روپے کے ایک طرح کی بات بتا کے دکھا دیا جائے گا۔

صاحب خانہ: اچھا تو رقعہ لکھے دیتا ہوں۔ کتنے کا؟

شیخ صاحب: اتنی مقدار کا ہو کہ اعتبار کریں۔ دس پانچ کے رقعے میں کام نہیں چلتا اور پھر لالہ کو دیا بھی نہیں جائے گا۔ وہاں سے واپس ہو کے چاک ہی ہو جائے گا۔ وہ تو صرف بالسٹر کو دکھانا ہے۔ یہی ایک تین چار ہزار کا کافی ہو گا۔

(نواب صاحب تین ہزار کا رقعہ لکھ دیتے ہیں اور شیخ صاحب جیب میں رکھ کے چلتے ہوتے ہیں)

سترھواں باب

روبکاری، اظہارات

کریم بخش: (بہ جواب سر رشتہ)، حضور میں اصلا خبر نہیں، جیسی چاہے قسم لے لیجیے۔ غریب آدمی، نوکری کر کے بسر کرتا ہوں۔ ہاں اب لکڑی کی ٹال رکھ لی ہے۔ صبح سے شام تک خدا رزاق ہے، کھانے کو دیتا ہے۔ حضور نوکری کر کے چار پیسے جوڑے، کچھ بازار کا روپیہ قرض دام بیاز و نہ لے کے، گھر کے لوگوں کا اسباب رکھ کے دکان رکھی۔ کچھ بڑی پونجی تو ہے نہیں، یہی دس بیس کی بات ہے۔ کھانے بھر کو خدا دیتا ہے۔ ہاں حضور یہ سچ ہے، یہ غلام کے نکاح میں ہیں۔ (نجبین کی طرف اشارہ کر کے؟) حضور نکاح ہو گیا ہے۔ چار پنچوں میں بیاہ لایا ہوں۔ اے دیکھیے صاحب سب گواہ ہیں۔ شرعی نکاح ہوا تھا۔ پیش نماز سید عرفان علی نے نکاح پڑھایا تھا۔ پھر صاحب مزے سے گھر میں رہتی تھیں۔ تابعدار آدمی گھر میں ہر وقت تو رہتا نہ تھا، کام پر جاتا تھا۔ اس میں ایسا ہوا کہ ننھے مرزا صاحب کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ پاس پڑوس کا واسطہ، یہ ٹھہریں عورت ذات، کم سن، کچی لکڑی، نہ معلوم کیا پٹی ایسی پڑھائی کہ سب لے دے کے دونوں کے دونوں چلتے ہوئے۔ گھر میں آئے، دیکھا تو کانی چڑیا نہیں۔ حضور بہ شدت دوڑا دھوپا، پوچھ گچھ کی، کون بتائے۔ اس صفائی سے لے گئے، کانوں کان کسی کو خبر نہیں۔ لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا، اکے پر لے گئے تھے۔ اکے والا گواہ ہے۔ ایک چوراہے پر جا کے اتر پڑے۔ حضور پھر آگے پتہ نہیں چلتا۔ خود ننھے مرزا سے استاد کے سامنے پوچھا۔

حاکم: بول، استاد کون؟

کریم: حضور ان کے جو استاد ہیں، بھلا سا ان کا نام ہے، موٹے سے ہیں، گورے چٹے ہیں، ادھیڑ عمر ہو گی۔ دار ینہ آدمی ہیں، بڑے نیک ہیں۔ میں روتا تھا، تسلی دی، گھبراؤ نہیں، دیکھو خدا کیا کرتا ہے۔ ان کو بلایا، انہوں نے ان کے سامنے بھی

ٹھیکری کی لی، آنکھیں دکھائیں۔ کہا اکیلے دکیلے سمجھ لیں گے۔ خبردار اس گلی میں نہ چلنا۔ حضور استاد نے ان کو نکال دیا۔ سب مال مصالحہ پاس رہتا تھا، سب گھوما دیا۔ اسی بات پر کارخانے سے نکالے گئے۔ میری نوکری میں بل آیا جاتا تھا۔ ہار کے اڑتے اڑتے بیٹھ رہا۔ بڑی تلاش کے بعد ٹوہ لگی۔ صاحب ان کو لے جا کے کمرے پر بٹھایا ہے۔ سب میں میری بے آبروئی ہوئی۔ نقصان اس شادی میں بہت ہوا، میں تو حضور مر مٹا۔ کھانے پانی کی الگ تکلیف، نوکری چھوٹ گئی۔ اب جا کے پتا چلا ان کا۔ میں چاہتا ہوں یہ میرے ساتھ کر دی جائیں۔ تکلیف نہ ہوگی، کھانا کپڑا دینے کو موجود، مزے سے گھر میں رہیں۔ حضور دو مکان میرے اپنے ہیں۔ ایک میں خود رہتا ہوں، ایک کرایے پر اٹھا دیا ہے، جدی مکان ہیں۔ مگر ہاں، ہوں گے سو سو دو دو سو کے۔ اور اس ننھے مرزا کو سزا ہو جائے، جو روپیہ میرا اٹھا ہے، سرکار دلوا دے۔

بہ جواب جرح

جی حضور مجھے کسی نے سکھلایا نہیں۔ میرا تو گھر ہی اجڑ گیا۔ جب سے معلوم ہوا ہے، یہی ذات شریف ہیں عداوت ہو گئی ہے۔ اور حضور کس کو نہ ہوگی۔ اس سے پہلے کوئی عداوت نہ تھی، صورت آشنا تک نہیں۔ یہ غلط ہے۔ دستوری پر ان سے جھگڑا ہوا تھا۔ میں ان کو بھگا نہیں لایا۔ ہاں البتہ اتنا ہوا، جب یہ آئیں، چار آدمیوں کو بلے کے دو بول پڑھوا لیے۔ اس کو سب گواہ سنتے تھے۔ کسی صاحب نے میرے یہاں رہنے کو نہیں کہا تھا۔ یہ جیسا دستور ہے، نکاح کے بعد میرے گھر آئیں تھیں۔ میں ان کی خبر گیری کے واسطے تنخواہ نہیں پاتا تھا، نہ کچھ منے صاحب خرچ دیتے تھے۔ ہاں لکڑی کی ٹال البتہ کرتا ہوں۔ خفیہ فروشی نہیں کرتا اور ٹیکس نہیں دیتا ہوں۔ میں کسی مقدمے میں سزا نہیں پا چکا ہوں۔ بالسٹر صاحب جو یہ کھڑے ہیں میں جانتا ہوں۔ ہاں اور ایک دفعہ کوٹھی پر گیا تھا۔ ان کے محرر صاحب ٹال پر سے بلا لے گئے تھے۔ میرے وکیل ہیں، میں نے کچھ ان کو دیا نہیں، غریب آدمی ہوں۔ ادھی کی اوقات

میں کیا عرض۔ ان کے دینے کے لائق میرا منہ نہیں۔ نہ انہوں نے مختانہ چکایا۔ ترس خدا سے رحم کر کے مقدمہ کرتے ہیں محرر کہتا تھا، باورچی خانے کے واسطے تمہاری دکان سے ہمارا باورچی دس بیس روپے کی مہینے میں لکڑیاں لے جایا کرے گا۔ صاحب کا کھانا تو کوٹھے میں پکتا ہے۔ بڑے شاہ خرچ ہیں، بالکل انگریزی کھانا ہوتا ہے۔ صاحب میں اب کسی کا نوکر نہیں۔ مگر ہاں پہلے ایک نواب صاحب کے یہاں تھا۔ ان کا مکان یہاں سے کوئی تین آنہ ڈولی ہوگا۔ میرے مکان سے آپ سمجھیے بہ دینا ہوں گے، کوئی دو آنے۔ مجھ سے کسی چوٹے سے ملاقات نہیں، نہ کسی کے ساتھ کہیں چوری میں گیا۔ حضور نوکری والا آدمی، میرا یہ شیوہ نہیں۔ جب سے دکان رکھی ہے، دوکان پر بیٹھتا ہوں۔ میں چوری کے مال پر پیشاب کرتا ہوں۔ میں سیندھ ہونے اور چوری ہونے میں کچھ کسی کا شریک نہ تھا۔ میں نے حصہ نہیں لیا، نہ روپے پیسے میں۔ کسی چور کا نام نہیں بتا سکتا۔ میرا گھر تو اجڑ گیا۔ مجھے اپنے نکاح کا خرچ یاد نہیں اور نہ مجھے یہ معلوم ہے، میرے گھر میں کیا کیا تھا اور بیوی کیا کیا لے کر نکل گئی۔ میرے کوئی لڑکا نہیں ہوا۔ اگر لڑکا ہوتا تو یہ امر نہ ہوتا۔ ان کو اولاد کی تو محبت ہوتی۔ اگر اس گھر میں نہ رکھتا تو ننھے مرزا بھگا لے جانے۔ مجھ سے منے صاحب نے ان کی خبر گیری کے واسطے نوکری کو نہیں کہا۔

مسماۃ کا اظہار نوجوان حاکم

حاکم بھی دیکھتے ہی ہوئے اس کے مشتری
سنیے کہ روبکاری ہوئی پہلے لونڈی کی

صاحب: دل مسماۃ کیا بولتا؟

نجبنیا: (گھبرا کے) حضور جو پوچھیے۔ میں کسی کی بی بی نہیں۔

صاحب: دل جو مدعی کہتا ہے سب ٹھیک ہے؟

نجبنیا: ہاں حضور ٹھیک ہے۔ مل میں اس کی بی بی نہیں، اس کے ساتھ نکل بلا شک آئی۔ میں نے کہا تم میرے دین دنیا کے بھائی، میں تمہاری بہن۔ تم مجھے ایک دن مکان کہیں لے کے، منے صاحب بتا دیں گے، کہیں لے چلو، پہنچا آؤ۔ اور تو بات کیا تھی، منے صاحب کے گھر میں ہم رہتے تھے۔

صاحب: منے صاحب کے ساتھ بیاہ ہوا تھا؟

نجبنیا: (حواس درست کر کے) نہیں حضور، آپ کی سمجھ میں بیاہ آتا ہے۔ کیا کوئی کسی کے یہاں یونہی نہیں رہتا؟ پھر صاحب ان کی ماں ہم پر شبہ کرنے لگیں۔ بہت خفا رہتی تھیں۔ کھانا کپڑا نہیں دیتی تھیں، دو دو دن فاقے سے رہی۔

صاحب: دل تم کیوں نہیں چلا گیا؟

نجبنیا: حضور کو خدا سلامت رکھے، ملکہ ٹوریا بنائے۔ بندا، بندی ایسی صاحب گھر سے باہر قدم نہ رکھو۔ مرو پڑو وہیں رہو۔ پھر آپ جانیے جناب امیر کی قسم کئی دفعہ ایسی بودی مار ماری کہ بدن میں بیٹیں پڑ گئیں (ہاتھ کھول کے دکھاتی ہے)

صاحب: دل اچھا اچھا کیا ہوا؟

نجبنیا: حضور، پھر ایک مغلانی، وہ بڑی گستاخ تھیں۔ وہ اور نمک مرچ لگاتی تھے۔ صاحب مہربان ایک دن کی بات ہے، ہم کو بخار آیا، اٹھنے کو جی نہیں چاہا، منے صاحب نے پانی مانگا، ہمارا جی نہ چاہا۔ اس پر کھانا اس دن نہ ملا۔ ہماری ان کی رنجش

تھی۔ بیگم صاحب نے پہلے جوتی، پھر چھڑی سے مارنا شروع کیا، کپڑے پھٹ گئے۔ کہا ہرگز نہ بنوادوں گی۔ حضور ایک ایک بات کی تکلیف کہوں۔ جو مجھ پر گزری ہے، خدا پاؤں کی چیونٹی کو بھی نہ دے۔ (روکر) سارا گھر دشمن ہوگیا۔ منے صاحب سے اکیلے میں کیا باتیں ہوتی ہیں؟ تو نے ہمارے لڑکے کو خراب کیا۔ آخر ہمارے اور منے صاحب کی صلاح ہوئی، تم کو یہاں سے لے جا کے علیحدہ رکھیں گے۔ یہ سرکار میں نوکر تھا۔ ہم کو الگ گھر میں ٹھہرا دیا۔ وہاں بخشو آیا کرتے تھے۔ ان کے بیوی بچے بھی ہیں، وہ بھی اسی گھر میں تھے۔ پھر تو تھمبو ہوگئی۔ پھر ہم کو منے صاحب نے بلالیا۔ خدا مغلانی کو غارت کرے، وہ بڑی عداوت کرتی تھی ہم سے۔ تھوڑے دنوں کے بعد اشغلہ چھوڑ دیا۔ ہم صاحب کوٹھری میں قید ہوئے۔

صاحب: کتنی دیر تک قید رہا؟

نجبنیا: حضور (آنچل سے آنسو پونچھ کر) بہت گھنٹے تک۔ کوئی بیس پچیس گھنٹے ہوئے ہوں گے۔ سرکاری سپاہی آئے۔ پھر میں جی کڑا کر کے نکل آئی۔ اے کوئی ہم کو قید کرے۔ گھر میں بڑا ہلڑ مچ گیا۔ منے صاحب نے رات کو ہم سے کہا، یہ زیور ہے، جا کے بخشو کے یہاں رکھ آؤ۔ اس کو سمجھا دیا۔ اس دن سے صاحب، بیگم صاحب جان کی دشمن ہوگئیں۔ میں نے کسی سے کہا نہیں۔

صاحب: تم کو منے صاحب نے منع کیا تھا؟

نجبنیا: جی حضور نہیں یہ بات کسی سے کہنے کے لائق تھی؟ ہمارے اور منے صاحب کے بیچ کی بات تھی، کون اپنا سر منڈواتا۔ یوں ہی گھر بھر لہو کا پیاسا بن رہا تھا۔ نواب صاحب سنتے، وہیں زمین میں کھود کے گاڑ نہ دیتے۔ بھائی کرتو کر، نہیں خدا کے غضب سے ڈر۔ پھر ایک دن چھجے کے نیچے کھٹولا بچھائے ہم لیٹے تھے، وہی پانی برس کے نکل گیا تھا۔ بس اوپر سے چھجا ایسا گرا، اٹھ نہ جاؤں تو سب میرے ہی اوپر۔ کسی کا کچھ نہ جاتا، (رو کے) میری تو جان گئی تھی۔ اس دن سے میں نے منے صاحب

سے کہا، اب سر سے پانی اونچا ہو گیا۔ یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ اگر جو تم کو منظور ہے محبت رکھنا، تو دوسری جگہ لو۔ انہوں نے کہا ابھی میرا ہاتھ پتھر تلے ہے، موقع ہونے دو، دیکھا جائے گا۔ پھر کچھ سمجھ کے بخشو کے یہاں ہم کو بھیج دیا، مگر اب کی دفعہ اپنے یہاں نہ لے گیا۔ کاہے سے، ایک عورت ہم سے عداوت کرتی تھی اور بخشو سے فوج داری کرتی تھی۔ لے جا کے ہم کو رکھا کہیں اور، محلے کا نام نہیں معلوم۔ ایلو صاحب مہربان، چناں چہ گھر میں کانی چڑیا نہیں، کواھکنی بنی گھر میں بیٹھو۔ ہاں کبھی نہ کبھی بخشو پانی پان کی خبر گیری کرنے آجایا کرتا تھا۔ بس صاحب اسی کو جو چاہو سمجھو۔ نوج میں اس موئے کی بی بی بنتی۔ یہ بھلا کیا کھا کے ہم سے بیاہ کرے گا۔ اے حضور سب جھوٹ، تہمت اس کے آپ بیوی بچے گھر میں بیٹھے اس کی جان کو کوستے ہیں۔ میں تو اس سے پاخانے میں لوٹا بھی نہ رکھواؤں۔ نوج دور پار چھائیں پھوئیں۔ جہاں میرا ی دائی نے ہاتھ دھوئے ہوں، وہاں اس کو اپنے سر پر سے صدقے کر کے چھوڑوں۔ موکھ سٹ خدائی خوار۔

صاحب: ول ول ننھے مرزا کا کیا بات؟

نجنیا: حضور کو خدا سلامت رکھے۔ دیکھیے میں سب کہتی ہوں، جی ٹھکانے ہوئے حضور عورت مانی گھبرا گئی ہوں، دم لے لوں تو سب بتاؤں، میں کوئی بات چھپاؤں گی نہیں۔ آنکھوں قسم! ننھے مرزا کی یہ بات، ہم کو بھگا نہیں لائے۔ بخشو جھوٹ کہتا ہے۔ ہم اپنی خوشی سے آپ نکل کھڑے ہوئے۔ آپ جانیے منے صاحب نے تو آنا جانا چھوڑ دیا، ہم کس کے اوپر بیٹھے رہتے۔ خدا رزاق ہے، ایک در بند ہزار در کھلے۔ ہم کسی کی بہو بیٹی نہیں۔ اپنی خوشی خان جہاں چاہے گئے، جہاں چاہے بیٹھے۔ کسی کی لونڈی باندی نہیں۔ اوزیور اسباب جو ہمارے پاس ہے، منے صاحب کا دیا ہوا ہے۔ اور حضور بخشو جھوٹ کہتے ہیں، ہم اکے پر نہیں آئے۔ ننھے مرزا نے یہی کہا تھا، یہاں اکہ نہ آئے گا۔ ڈولی اگر کہو آئے۔

صاحب: ول تو تم ننھے مرزا صاحب کے ساتھ بھاگا؟

نجبنیا: جی حضور، آپ سمجھے نہیں۔ میں دروازے پر کھڑی کس کی تاک میں تھی، کوئی آتا جاتا ادھر سے آ نکلے سواری منگواؤں۔ قضا عنداللہ یہ ادھر سے نکلے، میں نے ہاتھ جوڑ کے کہا، ہمارا ایک کام نہیں کر دیتے، تمہاری بڑی مہر ہو گی، یا اللہ آدمی کے کام آدمی آتا ہے۔ انہوں نے کہا جو کہو ہم حاضر ہیں۔ میں نے کہا اے خدا تمہیں جیتا رکھے۔ بھیا مجھے ایک ڈولی لا دے، جو کہار مانگیں گے اسی وقت دوں گی۔ ایلو وہ جھپاک سے جا کے ڈولی ساتھ ہی لائے۔ میں نے اندر سے دو لائی دی، جو میرا اسباب تھا، لا کے رکھوایا اور نکل کھڑی ہوئی۔

صاحب: ول کہاں نکل گیا؟

نجبنیا: حضور جہاں خدا لے جائے، کسی کی تابعداری لونڈی باندی تو تھی نہیں۔ پھر صاحب ایک کے یہاں اتری۔ مکان خود ہی کرایے کو لیا اور رہنے لگی۔ اور حضور یہ بخشو بڑا چور ہے۔ اس نے چار چوروں کو سرکار میں جہاں یہ تھا، بلا لایا۔ جہاں تک ملا اسباب ڈھوڈالا۔ سچ پوچھو تو گھر بھر میں ستھرائی دے دی۔ ایسی دنیا میں بھنگن بھی نہیں دیتی۔ اور سنتی ہوں چوروں سے اب بھی اس سے سانٹھ گانٹھ ہے۔ بلکہ انہیں کے روپے سے ٹال لگائی ہے اور سرکار میں کانوں کان خبر نہیں۔ میں تو اس کو جانتی ہوں، بڑا بے ایمان پلے سرے کا دغاباز۔ موا جھپ جھالیا، فریبیا، جعلیا، روپے میں بارہ آنے کھا جاتا ہے۔ ہمیشہ اس کی یہی حالت ہے۔ ہم سے بھی یہی کہتا تھا کوئی چیز اڑا دو، مجھے لا کے باہر دے دو۔ میں نے کانوں پر ہاتھ رکھے، خدا اس دن کے لیے مجھے اٹھا لے۔ جہاں آدمی رہے ایسا امر نہ کرے۔ واہ، تم نے کوئی چور چھنال بنایا۔ ہاں ایک دن اتنا لا کلام کہا، کیا کہوں تمہارے ساتھ نکاح کر لیتا۔ میں نے ایک دو ہتھڑ مارا، کھی کھی کھی ہنسنے لگا۔ موا بے غیرت! میں نے کہا، یہ کیا ہنستے ہو، اپنے جنموں کو روتے ہو۔ موا بے غیرت، میں نے کہا جا کے اپنا منہ بنواؤ۔ ٹھیکرے میں موت کی

صورت تو دیکھو اپنی۔ چونی بھی کہے مجھے گھی سے کھاؤ، خدا کی شان۔ دیکھو خبردار ایسی بات ہمارے سامنے نہ کہنا، نہیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں، پیاز کے سے چھلکے ادھیڑ کے رکھ دوں گی۔ جو ابھی کہہ دوں، سر پر چونا لا بجنے لگے، گھر کی راہ بھول جاؤ۔ ابھی کسی سے پالا نہیں پڑا، کہیں دہی کے دھوکے کپاس نہ کھا جانا۔ واہ ہم کو یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ حضور پھر اس نے کیا کیا، ہمارے کمرے پر چوری کرا دی۔ وہ تو کہیے میں چونک اٹھی بی جانو آپ جانیے انیمی آدمی، دن بھر اونگا کرتی، رات بھر جاگتی ہے، جب دیکھو کھر کھر کر رہی ہے۔ اس نے آہٹ پائی، کفن پھاڑ کے بولی اے تو کون؟ یہ سب چور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے، بھدر بھدر۔ بلکن اس کا جوتا بھی ایک چھوٹ گیا، میں نے اٹھا کے پھینک دیا۔ گھر میں دیکھا، سب لے گئے۔ ننھے مرزا اس دن نہ تھے نہیں تو ایک ایک کو چمٹ جاتے، کچومر نکال دیا ہوتا، چوری کا مزا

صاحب: کیا کیا گیا؟

نجبنیا: حضور کیا بتاؤں، لٹ گئی، پوت کا چھلا تک تو باقی رہا نہیں۔ لوٹا کٹورا، اے دیکھیے صاحب مہربان، پانی پینے کو موئے آٹھ بجے تک ترستی رہی، اور پیشاب کا یہ حال، کہتا تھا اب لگ کے کبھی لگوں گا ہی نہیں، پیٹ پھٹا جاتا تھا۔ تب تو میں نے کہا بلا سے کپڑے نجس ہوں گے، پھر طاہر کر ڈالوں گی۔ سر سے پاؤں تک اللہ کا دیا سب ہی کچھ تھا، اپنی حیثیت سے سب چیزیں بن گئی تھیں۔ اے دیکھیے صاحب مہربان! ناک کی نتھ ایک نے بنوا دی تھی لال چند جوہری نے جوزی لا دی تھی، گھر بھر کو ایسا موکیلا، چوروں نے صریحاً منہ در منہ اتار لی۔ کانوں کے بالے پتے بڑے مزے سے لیے۔ مجھ نگوڑی پر خزاں آ گئی۔ اس دن سے سوکھ کے ہڈی چمڑا رہ گیا۔ کنگن موؤں نے ہتھیائے، چوہے دتیاں موس لے گئے، جوشن کھینچ لیے، انتیاں اتر الیں۔ میرے ہاتھ پاؤں میں جیسے سکت ہی نہ رہا۔ اور یہ موا بخشو جواب بڑا ساہوکار بن کے کہتا ہے، نکاح ہوا ہے، غرے ڈبے دکھا کے کہتا تھا، کمر بند سے کنجیاں کھول دو، جو

اپنی جان بچانا چاہو۔ میں نے کہا موئے میں نے پہچان لیا۔ رہا تو سہی، تیری ٹنڈیاں کسواؤں گی، پڑے پڑے جیل خانے میں نہ کیڑے پڑ جائیں تب کی سند

صاحب: ول، رپٹ تھانہ میں کیا؟

نجبنیا: جی حضور کون کرتا، گھر میں کوئی مرد ذات تھا نہیں۔

صاحب: دل، تمہارا گھر کا آدمی کہاں ہے؟

نجبنیا: جی حضور کوئی بھی نہیں

صاحب: ول تو تم رنڈی ہے رنڈی؟

نجبنیا: جی ہاں، جو حضور سمجھیں

صاحب: ول اچھا، تم کو پھر عدالت بولائے گا، تم کو آنا ہوگا۔

نجبنیا: جی حضور، سر آنکھوں سے، جب آپ یاد کیجیے۔ آدھی رات کو یاد کیجیے گا، حاضر ہے، عدالت کا حکم عدول ہو سکتا ہے؟

اٹھارہواں باب

شیخ صاحب: (صاحب خانہ سے رکھائی کے ساتھ) خداوند نعمت! آپ کا حکم پہنچا تھا، میں نے کہا تعمیل کرنا چاہیے۔ اگر چہ اس وقت تپ اور درد سر میں زیادہ مبتلا تھا۔ لالہ صاحب کے یہاں ابھی تازہ ملازمت ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا برسوں کے کاغذ پڑے ہیں، ٹھیک کر دو۔ کیا عرض کروں، محض اس خیال سے گوارا کر لیا کہ ایک تو اس سرکار کی بدولت لالہ صاحب سے برسوں سے ہر طرح کی ملاقات ہے۔ بخدا اگر دوسری جگہ جاؤں اور سو روپے تنخواہ ہوں تو گوارا نہیں۔ پھر اس بات کو سوچتا ہوں کہ اسی سرکار کے معاملات لالہ صاحب کے ساتھ ہیں اور بہت سے میرے اپنے ہاتھوں کے، تمام امور طرفین کے، جیسے حساب کتاب، جائداد، وغیرہ کچہری کے کاغذات جو اس غلام کے سمجھے ہیں، کوئی دوسرا اس سے واقف نہیں ہو سکتا۔ گو کہ کاغذ میں سب موجود ہے، مگر ایک کاغذوں سے دیکھا ہوا حال اور دوسرا اپنے ہاتھ سے کیے ہوئے معاملے میں بڑا فرق ہے۔ نہیں تو حضور کے اقبال سے باہر دوست احباب کے اکثر خط آتے ہیں اور بیش قرار تنخواہ مقرر کرتے ہیں۔ حضور کی مرضی بھی تھی، کسی بات کا چھپانا قدیمانہ نمک خواری کے خلاف ہے۔ خلاصہ یہ کہ روبکاری کے دن فدوی حاضر تھا۔ کریم بخش اور مسماۃ کے اظہار سب سنے۔ اگر چہ کچہری کا عملہ کہتا تھا، تم کو اس مقدمے سے کیا واسطہ؟ یہاں سے چلے جانا مناسب ہے۔ مگر میں نے کہا، کام اپنا نکال لینا چاہیے۔ کچہری کے کتے تو آپ جانتے ہیں، کچھ ان کو جب دے دلا کے راضی کیا، تو انہوں نے ٹھہرنے دیا۔ کریم بخش کے اظہار سے معلوم ہوا، وہ بھی اس چوری میں شامل تھا۔ اچھا ہوا، مشتبہ آدمی برطرف کیا گیا۔ بڑی نمک حرامی کی بات ہے میری نزدیک اب ضرور عامل کے پاس جانے آنے کی نہیں۔ اگر چہ انہوں نے پتے سب ٹھیک دیے اور کہا تھا، کسی وقت تم آؤ، میں جفر کے زور سے اس کا نام بھی نکال دوں تو اب معلوم ہو گیا، خود اس کی جورو نے اظہار

دیا۔

صاحب خانہ: یہاں تک نوبت پہنچی؟

شیخ صاحب: جی حضور، نوبت کیا معنی، اس نے نالش کی اور خود ہی اس کے یہاں چوری کی

صاحب خانہ: نہیں معلوم آپ کیا کہتے ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا

شیخ صاحب: حضور اس مقدمے میں ایک رنڈی پیشہ ور مدعا علیہا ہے۔ کہتی ہے، میں علانیہ پیش کرتی ہوں۔ اور حضور کیا عرض کروں، ادب مانع ہے، یہ منے صاحب ہیں نہیں، ان سے کچھ واسطہ بتاتی ہے۔ اس کا بیان ہے، میں ان کے یہاں رہتی تھی، بیگم صاحب نے اس کو نکال دیا۔ کریم بخش درمیانی تھا، نام بھلا سا بتاتی ہے اور سارا حلیہ کہتی ہے۔ خدا جانے، اس کا دین ایمان۔ مگر تا نباشد چیز کے مردم نگویند چیز ھا۔ آج کل صحبت بھی اچھی نہیں۔ زمانے کا یہی رنگ ہے، اب اس میں کیا ضرور قدغن۔

صاحب خانہ: بھئی میرے تو حواس گئے

شیخ صاحب: اجی حضرت تردد کی کون بات، بلکہ کہیے مقدمے سے سرقے کا سراغ لگتا ہے۔ اب سب مال مل جائے گا۔ اچھا ہوا عامل صاحب کو مال دینا نہ پڑا۔ مگر ایک بات ہے، یہ سب مقدمہ سمجھا ہوا ایک بارسٹر صاحب کا ہے۔ چنانچہ میں نے انہیں کے ذریعے سے پانچ سو کے مختانے پر سوال دے دیا، اپنے یہاں کے مال کا دعویٰ کیا۔ مگر بات ایسی آپڑی کہ خاموشی مناسب معلوم ہوئی۔

صاحب خانہ: ہاں واللہ یہ تو اچھی بات تھی

شیخ صاحب: حضت بات یہ ہے کہ اس دن کی کارروائی بالکل مضر تھی۔ پولیس نے اس مقدمہ سرقہ میں لکھ دیا تھا، سب مال گھر ہی میں مل گیا، ہم کو کسی پر شبہ نہیں۔ وہی رپورٹ تھانے والوں نے کی۔ا

ب اگر دعویٰ مال مسروقہ کا کیا جاتا ہے تو الٹا مقدمہ قائم ہوتا ہے۔ اخاے واردات تو بڑا جرم ہے۔ وہ تو کہیے بارسٹر صاحب نے بڑی کوشش کی، مگر عدالت نے اس بنا پر ہمارا دعویٰ خارج کر دیا کہ کوئی ثبوت نہیں، اور اس خطا پر کہ عدالت کو بے فائدہ تکلیف دی گئی، ایک ہزار روپیہ جرمانہ کیے۔ وہ تو کہیے اسی وقت غلام جیل خانے جاتا مگر بارسٹر صاحب بڑے اشراف آدمی ہیں، انہوں نے اپنی ضمانت پر چھڑا کے مجھ سے کہا، آپ تو لمبے ہو جیے اور چار بجتے بجتے زر جرمانہ داخل کیجیے۔ میں یہاں کا حال جانتا تھا۔ لالہ صاحب بے رقعہ کے اب دیں گے نہیں۔ انہوں نے کہا تھا کوئی جائداد پاک نہیں، سب ہمارے مطالبے میں مکفول ہے۔ بلکہ اس پر دو تین دفعہ کوتلی دستاویزیں ہو گئیں، اب رتی بھر کسر نہیں۔ سمجھ بوجھ کے روپیہ دیا جاوے گ۔ پس گھر آیا، جو کچھ اسباب زیور اثاثہ تھا، سب رہن رکھ دیا۔ واللہ پانی پینے کو کٹورا باقی نہیں۔ رہنے کا ٹھیکرا بھی خالصے لگا دیا۔ جان بچی۔ اس وقت میں نے کہا، اپنی پرانی سرکار میں کہہ آؤں، وہ تو دیناہی ہے۔

صاحب خانہ: اچھا بھئی دیکھو کچھ فکر کرتا ہوں۔ وواللہ میں تو اس مقدمے میں بہت ہی زیر بار رہوا۔ افسوس ہے آپ ایسے کارگزار اہل کار مجھ سے جدا ہو گئے۔ مرزا صاحب گھر میں بیمار پڑے ہیں۔ جو جو آدمی میرے آرام کے تھے، ایک ایک کر کے سب برطرف ہو گئے۔

صاحب خانہ اور بیگم صاحب

صاحب خانہ: بیگم ایک بات کہنا ہے۔ اس وقت ایک بڑی ضرورت ہے۔ شیخ صاحب آئے ہیں اور کسی طرح فکر نہ ہو سکی۔ یہاں کچھ نہیں۔ مہاجن نے بھی جواب دے دیا۔ واللہ لالہ صاحب سے مجھے امید نہ تھی۔ ہمارے ان کے معاملہ برسوں سے چلا آتا تھا، رتی بھر کا بل نہیں پڑا۔ سود جو انہوں نے مانگا ہم نے آنہ پائی سے مجرا دیا۔ کہتے تھے لاکھ روپیہ تک دینے کو حاضر ہوں۔ چوک کی دکانیں رہن ہو گئیں،

قبضہ ہو گیا۔ گھر کا اسباب تھا، ضرورت کے وقت انہیں کے یہاں رہن ہوا۔ دیکھو تمہارے پاس کوئی شے ہو، اس وقت نکالو، آگے کہیں سے بندوبست کر دیا جاوے گا۔ سر دست کام تو نکلے۔

بیگم: تو اب اتنا بھی نہیں جو اس وقت اڑی پر کام آئے۔ میرے پاس بھی کچھ نہیں، نہیں کون بڑی بات تھی۔ ایک ایک کر کے جب ضرورت پڑی، گروی سے کام نکالا۔ اس دن میں نے ایک ضرورت سے دیکھا، زیور کا صندوق غائب۔ میں نے کہا کہیں اسباب میں دب گیا ہوگا، کسی وقت تلاش کروں گی۔ تب سے ہاتھوں کے طوطے اڑے ہوئے ہیں۔ اسی بات پر مغلانی سے حجت ہوئی، برطرف کیا۔ اور جو زیور اسباب تھا، جوڑے تھے، علم تھے، پٹکے تھے سب چوروں کے کٹے لگا۔ جو بچا کھچا، اسی دن سے غائب ہے جس دن سے نجبنیا گئی۔ اب جو پوچھتی ہوں سب اسی کا نام لیتے ہیں۔

صاحب خانہ: (غصے میں) آپ کو معلوم بھی ہے؟ وہ کمرہ لے کے آپ کے صاحب زادے کی بدولت رنڈی ہوگئی، کماتی ہے۔ اسی سے تو سب معلوم ہوا

بیگم: لے بس سب کچھ منے صاحب کا صبر نہ سمیٹو۔ ابھی کل کا بچہ منہ سے دودھ کی بو تک گئی نہیں۔

صاحب خانہ: اجی بچہ ہے کہ درجنوں بچے جنا کر رکھ دے گا۔ وہ شہدا ہو گیا ہے۔ اس کی صحبت میں لوگ تمام دنیا کے چھٹے ہوئے بھرے رہتے ہیں

بیگم: تمہیں نے خراب کیا۔ میں تو گھر کی بیٹھنے والی، میں ان باتوں کو کیا جانوں۔ اوئی یہ بھی اس پر طوفان

صاحب خانہ: بس کیوں بکتی ہو واہیات میرے سامنے۔ تمہاری نالائقی نے لاکھ کا گھر خاک کیا۔ مجھے بھی بھیکہ مانگنے کے لائق کر دیا۔ میں تو واللہ بعض وقت چاہتا ہوں کسی طرف منہ کالا کروں۔

بیگم: یہ ہم نے کیا یا تم نے؟ لو صاحب اپنی بلا ہمارے سر اچھا ہم نے گھر خاک کر دیا تو کوئی سلیقہ وند لائے ہوتے۔ یہاں تو جان خاک میں ملا دی اور کچھ بھاویں نہیں۔ یہ اپنے تم جانو تمہارا کام جانے۔ کیا خرچ کرتی ہوں؟ صاحب دعوتیں ہیں، جلسے ہیں، یہ کون کرتا ہے؟ مجھے کیا، دو پھلکے کھانے والی

صاحب خانہ: اچھا پھر دو ہی پیسے میں بسر کرو۔ یہ جھگڑا آئے دن کا اٹھ نہیں سکتا۔ اب سنبھل کر چلو۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ تمہاری سمجھ میں کوئی بات آتی نہیں۔

بیگم: خوب سمجھتے ہیں۔ اب کیا ایسے احمق ٹھہرے۔ تمہاری چتون آج بہت دن سے بدلی ہوئی ہے؟ ہنس دلی سے بات ہی نہیں کرتے۔ میاں جو کچھ منظور ہو صاف صاف کہہ دو۔

صاحب خانہ: اچھا تو اس خودرائی سے صاحب میرے ساتھ بسر نہیں ہو سکتی، آپ جائیے اپنے نیکے۔ تم کو بڑا غرور اپنے چھبیس روپے کے وثیقے پر، بس

بیگم: کیا تمہارا دیا ہوا ہے؟ جو آج چھبیس روپے ہوتے، گھر میں فاقہ تھا، حساب تو کرو، آج کے مہینے ہوئے ہیں، تم نے کوئی کوڑی دی ہے؟ نہ معلوم قرض دام سے کیوں کر بسر کرتی ہوں۔ جناب امیر کی قسم بال بال قرضے میں بندھی ہوئی ہوں۔ بزار میں آدمی کا نکالنا دشوار ہے۔ اور الٹے آئے ہیں ہم سے مانگنے۔ آج اگر ہزار ہوتا تو میں بازار ہی کا دیتی۔

صاحب خانہ: ہاں تو یہ کہیے۔ یہ اور دھونس ہے۔ آپ نے بازار کا قرضہ بھی کر رکھا!

بیگم: لو صاحب زندہ جان، اس کا خرچ ہی نہیں، ساڑھے چار سو تو بزار کے ہو گئے۔ آج دو مہینے سے پلنگ کی چادریں نہیں ہیں، بزار مارکین نہیں دیتا۔ ڈیڑھ سو روپیہ بنیے کا ہو گیا، پچھتر گھی والے کے، پچاس گوشت والے کے۔ چانول، زعفران وغیرہ، پھٹکل کے لالہ جگ موہن موڑواڑی کے کوئی پونے دو سو کا حساب ہو گا۔ کس

کو کس کو کہوں۔ کبڑن کے پھلیوں، آموں، خربوزوں کے دام کوئی تین بیسی بتاتی ہے۔ لے کچھ نہیں تو ہزار روپیہ ہو تو چٹر پٹرا دا ہو۔

صاحب خانہ: معاذ اللہ، تم نے مجھ کو بالکل ڈبو دیا۔ منگواؤ ڈولی سوار ہو جاؤ ابھی۔ صورت سے نفرت ہو گئی۔

بیگم: اور یہاں کس کو رغبت ہے۔ جب دیکھو گھر میں رونی صورت بنائے آتے ہیں۔ صاحب ان کو ہزار روپیہ دے دو۔ نہیں سمجھتے ہیں، خود کوڑی کوڑی کو حیران ہوں۔

صاحب خانہ: بس بس زیادہ نہ بولیے۔ اپنے کیے کی خوب سزا پائی۔ مگر تم بھی ایسی سزا پاؤ گی یاد کرو گی۔ آپ جائیے، اسی وقت جائیے، دونوں لڑکے چھوڑ جائیے

بیگم: تو تم دونوں لڑکوں کو لینے والے کون؟

صاحب خانہ: (بگڑ گئے) ارے ہم کوئی ہیں ہی نہیں؟

بیگم: اچھا صاحب تم جانو تمہاری اولاد

صاحب خانہ: میں تو سمجھا تھا، کسی کی بکری کون ڈالے گھاس اگر تم نہیں مانتی ہو نہ سہی

بیگم: میرے اور میرے بچوں کے واسطے خدا کا دیا ہوا سب کچھ (روتی جاتی ہیں) وہ تو کہو میرے گھر کا وثیقہ تھا۔ اگر آج نہ ہوتا تھا تمہاری بدولت فاقوں کی نوبت آئی۔ آج میرا دل پاش پاش ہو گیا۔ جہاں زبان سے اتنی بات نکلی، سر سے اونچا پانی ہو گیا۔ نہیں معلوم خدا کو کیا منظور ہے۔ خیر! ہم تو جاتے ہیں مگر یہ سمجھ لو، میں نے تمہارے گھر کو اپنا گھر ہمیشہ سمجھا۔ اپنے حسابوں نوابی تھی تو یہ تھی، بادشاہی تھی تو یہ تھی غریبی تھی تو یہ تھی۔ خیر اچھا جاتے ہیں، کچھ زبردستی نہیں۔ یہ تو خوشی کا سودا تھا۔ ہاں اگر خیال ہے تو تمہارے آرام آسائش کا۔ یوں تو خدا رزاق ہے، اس نے روٹی دینے کا وعدہ کیا ہے۔ خدا جانے تمہاری سمجھ میں کیا آیا۔

صاحب خانہ: بس زیادہ نہ بکو، بہتر ہے اپنا چلتا دھندا کرو۔ کچھ آپ میری خدا نہیں۔ رانی روٹھیں گی، اپنا راج لیں گی، کسی کا سہاگ نہ لیں گی۔

بیگم: (زار و قطار روتی جاتی ہیں) دیکھو پھر میں کہتی ہوں، تمہارے دل میں کیا سمائی ہے؟ میں تو خیر جو حکم دو موجود ہوں مگر دل دکھانا کس مذہب میں روا ہے؟

صاحب خانہ: (اور غصے ہو کے) دل دکھانا کیا معنی؟ موذی کے ضرر سے محفوظ رہنے کا خدا بھی حکم دیتا ہے تم میری دشمن اور جانی دشمن اور اب چلی ہو باتیں بنانے۔ نا صاحب اب میں صورت نہ دیکھوں گا۔

ارے یہ دل ہے پہلو میں کہ دشمن اس کو کہتے ہیں

میں انسانیت سے سب باتیں تمہاری سہتا جاتا تھا۔ جانتا تھا آج نہیں کل سنبھلو گی، وہ تو اور بگڑتی ہی چلی جاتی ہو۔ غضب خدا کا روپیہ پیسہ بھی سب خاک میں ملا دیا۔ جائداد بھی تھی، خاک میں ملائی، بال بال قرض دار ہو گیا۔ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں۔ جائداد جو تھی مہاجن کے گھر پہنچی۔

بیگم: یہ نہ کہو، خدا نہ کرے۔ ہمارے دشمن مدعی، گھڑی بھر کا برا چاہنے والے۔ ابھی چوک کی دکانیں ہیں۔ حساب کرو، پندرہ روپے مہینہ آمدنی ہے پھر یہ مکان ہے، بھلا کچھ نہ ہو گا، دس ہزار کا تو ہو گا۔

صاحب خانہ: کون کہتا ہے۔ وہ دکانیں بھی کم بخت گرو ہو گئیں۔ سود پر باہر کرا دیا، لالہ کا انہیں پر قبضہ ہے۔ مکان پر بھی سارے قرضے کا بار ہے۔

بیگم: یہ تو تم جانو۔ آخر اس میں میری کیا خطا ہے؟ میں نے تو یہ نہیں رکھا۔ آج وقت پر یہ بات بھی کھلی

صاحب خانہ: اچھا فضول بکواس سے کیا حاصل؟ اب کوئی تدبیر نہیں۔ تم ہنسی خوشی میکے جاؤ۔ غضب خدا کا، یہ میرے ساتھ حد کی دشمنی ہے۔ تم نے تو واللہ بھیک منگوا دی بھیک۔ جس وقت خیال آتا ہے، آنکھوں میں لہو اترتا ہے۔ اور صاحب سو بات

کی ایک بات یہ ہے، ہماری تمہاری ایک رائے نہیں۔ جو کام اتفاق سے چاہیے، وہ اس نفاق میں کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ بس میں نے عہد کر لیا، اب اس گھر میں تمہارا رہنا مناسب نہیں۔

بیگم: میں اصرار نہیں کرتی مگر آدمی جو کام کرے سوچ سمجھ کے کرے۔ جس دن تمہارے گھر میں آئی، تم نے نیکے جانے نہیں دیا۔ اب ایکا ایکی جانے کا کون طریقہ ہے۔ اور پھر ننگی بچی۔ کیا بھری پری جاتی ہوں۔ لوگ دیکھیں گے، دشمن خوش ہوں گے، آؤ بھگت کریں گے، تمہاری کیا نیک نامی ہو گی، اور میری کون سی ذلت باقی رہے گی؟

نواب صاحب: تو کیا میں نے لے لیا۔ گھر میں بیٹھ کے سب تم نے لٹا دیا۔

بیگم: اچھا جو ہوا تمہارے ہی گھر میں ہوا۔ ابھی میں کہتی ہوں، جتنا اپنے گھر سے لائی تھی، برسوں کھاتی نہ چکتا۔ کیا میں غریب مفلس ماں باپ کے یہاں سے آئی تھی، سب ہی کچھ دام دھیز تھا۔

صاحب خانہ: اچھا ان فضول باتوں سے کیا مطلب؟ بس اب مناسب تو یہ ہے سوار ہو جاؤ۔

بیگم: کہتی تو ہوں یہ کون قرینہ ہے۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان

نواب صاحب: اچھا تو بسم اللہ کیجیے

بیگم: اچھا وہاں جا کے کیا کہوں گی، ایکا ایکی جو اتر پڑوں گی۔ اور یہ سب جھگڑیں گے تو لوگ کیا کہیں گے؟

صاحب خانہ: یہ اپنے تم جانو وہ جانیں، ہماری بلا جانے

بیگم: یا اللہ یہ کیسی سمجھ ہو گئی۔ نہ الٹی مانتے ہیں نہ سیدھی۔ تم نہ پانی کے نیچے ہو نہ پانی کے اوپر۔ یہ آج سمائی کیا ہے

صاحب خانہ: جو سمائی ہے ہم خوب جانتے ہیں۔ بس اب تم جس طرح بنے جاؤ

اور اسی وقت جاؤ۔ جب تک تم نہ جاؤ گی، واللہ داہنے ہاتھ کا کھانا حرام ہے۔ بس اب جو ٹھن گئی ٹھن گئی۔ میں نے عہد کرلیا ہے، کوئی کام تمہاری رائے کے مطابق نہ کروں گا۔ اگر خدا بھی آج آ کے مجھ سے کہے تو ماننے والے کو کچھ کہتا ہوں۔

بیگم: لے بس خدا خدا کرو، حد ہوگئی، کلمہ کفر زبان سے نہ نکالو۔ ہم تو جاتے ہیں، اتنا کہے جاتے ہیں، یہ آدمی کے حواس کی باتیں نہیں۔ خدا کو نہ معلوم کیا منظور ہے۔ آج تک تو ایسی باتوں کا سامنا ہوتا تو اتنی عمر کاہے کو کٹتی

صاحب خانہ: لے اب ڈولی منگواتا ہوں، چلتی پھرتی نظر آئیے

سکینہ: (آب دیدہ ہوکے) تو کیا سچ مچ جائیں؟ پھر ہم کہاں رہیں گے؟

صاحب خانہ: تم اپنی ماں کے ساتھ جانا اور کہاں رہو گی

سکینہ: اچھا تو آپ کہاں رہیں گی؟

نواب صاحب: ہم بھی جائیں گے کسی دن

سکینہ: (ماں کو دیکھ کے اور اشارہ پاکے کچھ کہنے کو تھی، مگر چپ رہتی ہے) اچھا

(صاحب خانہ باہر آئے)

صاحب خانہ: ہاں شیخ صاحب، مجھے خیال نہیں رہا۔ میں گھر میں ایسی مکروہات میں پھنس گیا تھا۔ اچھا اس وقت تو آپ جائیے، کچھ فکر کردی جائے گی

شیخ صاحب: بہت اچھا، میں گھر جاتا ہوں۔ جب ضرورت ہو کسی سے اطلاع دیجیے گا۔ آج کل طبیعت بھی بہت نا درست ہے، زیادہ بیٹھ نہیں سکتا۔ میرا ہرج اوقات ہوتا ہے۔

صاحب خانہ: یہ جھگڑا ختم ہو لے تو میں نے جو انتظام سوچا ہے، وہ کیا جائے گا۔

شیخ صاحب: بس جھگڑا ختم ہی سمجھیے۔ اگر منظور ہے، کچھ کارروائی کردی جائے گی ورنہ مجبوری ہے۔ لے رخصت

خفیہ رپورٹ

سعادت: (کورٹ انسپکٹر سے) یہ لیجیے بعد تحقیقات کے میں نے یہ رپورٹ کی ہے۔ اس میں بہت سی مجھے کارروائیاں کرنا پڑیں۔ ایک صاحب بھی اس میں شامل معلوم ہوتے ہیں۔ بہت کچھ ان کی نسبت سنا گیا اور عجب پیچیدہ معاملہ ہے، بلکہ ایک آدھ دفعہ راستے گلی میں اس سے صاحب سلام بھی ہوئی ہے۔ صورت آشنا بھی ہوں۔

انسپکٹر صاحب: اچھا مجھے دیجیے، میں دیکھوں۔ ضرورت کے وقت شاید مجھے پڑھنا ہو، معاملہ بھی سمجھ لوں۔

(پڑھتے ہیں)

جناب عالی!

گزارش یہ ہے، مطابق حکم تابعدار نے تحقیقات اس مقدمے میں خفیہ جو کی ہے وہ ذیل میں عرض ہے۔ واضح ہو کہ یہ مقدمہ دائر کیا ہوا مسمی کریم بخش کا ہے جو محلّہ دکان نمبر میں لکڑی کا ٹال رکھتا ہے۔ تحقیقات کرنے سے معلوم ہوا کہ ابھی تھوڑے دن سے دکان اس نے رکھی ہے۔ جب سے نواب صاحب کے یہاں چوری ہوئی، یہ چوروں سے ساز رکھتا تھا۔ افواہ ہے اسی سرمائے سے یہ دکان رکھی ہے۔ اور مسماۃ مجنیا نواب صاحب مذکور کے یہاں بطور ماما کے روٹی کپڑے پر خوراک پوشاک برصغیر سنی سے تھی۔ گھر میں اس کا اختیار بہت تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس مسماۃ اور نواب صاحب کے بیٹے منے مرزا صاحب سے ناجائز تعلق تھا۔ چناں چہ بیگم صاحب اسی وجہ سے نہایت بدسلوکی کے ساتھ مسماۃ مذکور سے پیش آتی تھیں۔ منے صاحب مذکور نے اس کو بھگا کے دوسرے مکان میں رکھا۔ اواس کام میں درمیانی کریم بخش مذکور تھا۔ یہ بھی ان کا نوکر تھا۔ بعد اس کے مسماۃ مذکور محلّہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مکان نمبر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں جا کے مقیم ہوئی اور نام نجم النسا تبدیل کیا۔ مسمی ننھے

مرزا زردوزی کے کارخانے میں کام کرنے والا ایک کاری گر تھا۔ جو تحقیقات سے اس قدر معلوم ہوا ہے کہ اس کارخانے کے مالک سردار مرزا نے اس کو پالا اور پڑھایا تھا۔ بڑی تلاش و تفتیش سے معلوم ہوا کہ اس کی ماں ایک مختار کے یہاں کام کرتی ہے۔ مسماۃ مذکور اور اس سے واسطہ ہو گیا اور لے کے نکل آیا۔ چناں چہ سردار مرزا صاحب نے اس کی خیانت اور بد دیانتی کی رپورٹ تھانے میں بھی کی۔ وہاں سے ہدایت نالش کی کی گئی۔ اس کے بعد مسماۃ مذکور پیشہ طوائفی کا کرنے لگی۔ اور اس کے یہاں مسٹر بارسٹر بھی آمد و رفت رکھتے تھے بلکہ مشہور تھا، پچاس روپے ماہوار پر نوکر رکھا تھا منے صاحب بھی اس کے یہاں آتے جاتے تھے۔ اس پر ناراض ہو کے بارسٹر صاحب نے صلاح نالش کی مسمی کریم بخش ہیزم فروش کو دی۔ چناں چہ اس نے محض از راہ عداوت یہ مقدمہ دائر کیا۔ مسمی کریم بخش کی ایک زوجہ پہلے کی اور دو اولادیں ہیں اور مسماۃ نجم النسا سے نکاح نہیں ہوا۔ مسمی کریم بخش چوری کے مقدمے میں اور بھی شریک بتاتا ہے۔ وہ آج کل شہر میں نہیں ہیں۔ عقلاً کہا جاتا ہے، وہ لوگ باہر کے دیہات کے ہیں۔ ارتکاب جرم کے واسطے خفیہ شہر میں آیا کرتے ہوں گے۔ مسماۃ نجنیا کو بھی بہت کچھ حصہ مال مسروقہ سے ملا تھا۔ چناں چہ اس کے یہاں جو موجود ہے اور جس کو وہ اپنا زر خرید کہتی ہے، اکثر از قسم زیور و ظروف، سب نواب صاحب کے یہاں کا ہے، اور مسمی کریم بخش نے جو دکان رکھی وہ بھی نواب صاحب کے مال مسروقہ سے رکھی ہوگی۔ مسمی مذکور پہلے کوئی روپیہ والا نہ تھا، بلکہ اسی شبہے پر مشہور تو ہے کہ نواب صاحب نے اس کو برطرف کر دیا ہے۔

(بعد رپورٹ پڑھنے کے)

انسپکٹر: تو میرے نزدیک اس کا مفصل حال آپ خود چل کے صاحب کو سمجھا دیں۔ یہ آپ کو اپنے ہاتھ سے دینا چاہیے۔ میں اس وقت بنگلہ پر جاتا ہوں۔ بہتر ہے آپ بھی چلیے

سعادت: (صاحب سے مل کے) حضور جو مقدمہ سپرد ہوا تھا، اس کی خفیہ تحقیقات کر کے رپورٹ حاضر ہے۔

مجسٹریٹ: وِل، اچھا پڑھیے

سعادت: (پڑھ کر) حضور اس میں ایک بات تحقیقات مزید چاہتی ہے۔ ابھی تک ان لوگوں کا ٹھیک پتا نہیں لگ اجو نواب صاحب کی چوری میں شریک تھے۔ قیاس ہوسکتا ہے، وہ لوگ باہر کے ہوں گے۔ انشاء اللہ اگر ضرورت ہوگی تو حضور کے اقبال سے ان کی بھی تلاش کی جاوے گی۔

مجسٹریٹ: وِل اچھا کریم کے مقدمے میں منے صاحب، ننھے مرزا، مسماۃ، کریم کو پھر عدالت طلب کرتی ہے۔

انسپکٹر: بہت خوب

بیگم صاحب روتی ہوئی میکے میں اترتی ہیں

بیگم صاحب کی ماں: خیر تو ہے بیٹی۔ آج یوں بے سامان کیسے آنا ہوا؟ شان نہ گمان، سب اچھے تو ہیں؟

بیگم: (رو کے) ہاں خیریت ہے۔ حواس درست ہو لیں تو سب حال بیان کروں۔ تابعدار کو کیا عذر۔ کہیں اور ٹھکانہ بھی نہیں۔ مصلحت اسی میں سمجھی چلی آئی۔ اسی گھر میں اتنی سے اتنی بڑی ہوئی۔ آپ لوگوں نے تو جو حق تھا ادا کیا۔ قسمت کی بات، یہی لکھا تھا۔

بڑی بیگم: چلو اچھا ہوا، بہتر ہوا۔ مگر کچھ حال تو معلوم ہو، کون بات ہوئی۔ افسر دولہ اس مزاج کا تھا نہیں۔ کوئی بات ہی ایسی ہوگی۔ دیکھو تو اگر ان کی رائے ہوگی تو میں بلواتی ہوں۔ واہ یہ بھی کوئی طریقہ ہے؟ ہاں بیٹی جس کمرے میں تمہارا جی چاہے، اپنا اسباب رکھواؤ، آرام آسائش کا سامان کرو۔ دیکھو بہت سے کمرے صحیحیاں خالی پڑی ہیں۔ جو بہت دن ٹھہرنے کا سامان ہو تو ویسا بندوبست کرو، اور جو دو ہی ایک دن کی بات ہو تو خیر، زیادہ دقت اٹھانا ضرور نہیں۔ دیکھو باہر سے اسباب لے جانے کی پکار مچی ہے۔ اے بیٹی کیا سب گھر کا اسباب اٹھاتی لائی ہو؟ (کچھ سوچ کے) ہاں کیا ہوا؟ سکینہ اور منے صاحب بھی آتے ہوں گے؟

بیگم: جی ہاں، وہ بھی سب آتے ہیں اور سکینہ تو میرے ساتھ ہی آئی ہے

بڑی بیگم: تو منے صاحب کے واسطے بھی مردانے میں جگہ خالی کر دی جائے۔

(شام کو امیرن بہشتن آ کے پیام دیتی ہے)

امیرن: وافسر الدولہ نے بہت بہت بندگی عرض کی ہے اور کہا ہے، میں خود زبانی آ کے مصلحت عرض کروں گا۔ ابھی مجھ کو مہلت نہیں، نہیں میں بیگم کو خود بگھی پر سوار کر کے پہنچا آتا۔ میں سمجھتا ہوں آ بھی تھوڑے دن ان کو آپ اجازت دیں گی۔ مستقل طور سے آپ کے یہاں قیام کریں۔ اس کے بعد دوسرا بندوبست ہو جائے گا۔ ان کا

یہ بھی گھر وہ بھی گھر، اور کسی امر کا بار اٹھانا نہ پڑے گا۔ آگے جو آپ اپنی بیٹی کے ساتھ کریں گی میں مانع نہیں۔ کچھ ایسی ہی بات ہے جو میں نے یہ تکلیف آپ کو دی ہے۔ میں خود بھی ہو سکے گا تو کبھی کبھی اس محلے میں آ جایا کروں گا۔ آج کل مجھے کچھ کچہری کے کام ہیں، اس میں پریشان ہوں۔

حاکم کا فیصلہ

حاکم: اس مقدمے میں مسمی کریم بخش مدعی اور ننھے مرزا مدعا علیہ ہیں۔ گو ثبوت مدعی کے اس بیان کا نہیں ہے کہ مسماۃ نجبین مدعی کی منکوحہ ہے۔ بلکہ بیانات سے ظاہر ہے کہ وہ داشتہ کسی اور شخص منے صاحب کی تھی، لہٰذا دعویٰ خارج۔ اس مقدمے میں ضمناً ایک چوری کا پتا چلتا ہے جو سابق میں بمکان نواب صاحب ہوئی تھی اور جس کی رپورٹ کی گئی تھی، اور ان تحقیقات پولیس میں درخواست گذری کہ گم شدہ چیزوں کا پتا چلا کہ گھر ہی میں مل گیا، کسی پر شبہ نہیں ہے، کاغذات داخل دفتر ہو گئے۔ پس عدالت کو مناسب معلوم ہوتا ہے مسماۃ نجبین اور منے صاحب، ننھے صاحب بطور گواہ عدالت طلب کرے، اور مسمی کریم بخش مدعی اس وقت سے حوالات پولیس ہو۔ اور مسماۃ نجبین اور ننھے مرزا کو حکم دیا جاوے کہ تاریخ پیشی کو حاضر عدالت رہیں، اور منے صاحب کے نام سمن بھیجا جاوے، تاریخ پیشی پر حاضر عدالت ہوں۔ اور تاریخ آئندہ پر مقدمہ درپیش ہو۔

عدالت سے باہر

کریم بخش: (نجبنیا سے) اچھا سلوک کیا تم نے۔ پھانسی پر کیوں نہ چڑھا دیا۔

ننھے مرزا: جھگڑا تو بے ڈھب پڑ گیا۔

نجبنیا: کیا اپنی جان پھنسواتی۔ (کریم بخش کی طرف اشارہ کر کے) ان کی سزا یہی ہے۔ ہم تو جو سچی بات ہے یہاں سے لے کے خدا کے سامنے تک کہہ دیں گے، چھپائیں گے نہیں۔ بھلا حاکم سے کوئی بات چھپانا چاہیے۔

کریم بخش: اری نیک بخت، خدا خدا کر کیوں جوتیوں سمیت آنکھوں میں پیٹھی جاتی ہو۔ خدا معلوم، کس کے بھروسے پر اس طرح تم بات چیت کرتی ہو (بارسٹر کی طرف دیکھ کے جو ہکے ہوئے کھڑے تھے) تو سہی، اس کا مزا کوئی دن تم نہ چکھو

بارسٹر: کچھ اندیشے کی بات نہیں۔ میاں کریم ڈرو نہیں۔ ہم ابھی اس کی اپیل کرتا ہے۔

کریم: حضور! اوپر خدا ہے، نیچے آپ آپ ہی کے سنبھالے یہ ناؤ سنبھلے گی۔ اس کچہری میں تو اب ہمارے واسطے خیریت نہیں۔

نجبنیا: ہاں اب روتی ہو تب نہ سوجھی؟

ننھے مرزا: جی اس سے کیا واسطہ۔ نہیں معلوم ہم کو صاحب نے کیوں بلایا ہے۔ بھئی ہم تو اس معاملے میں کوئی شریک نہیں۔ یہ مفت ہم کو لے مرے۔ خیر دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوا، دشمنوں کے منہ میں سیاہی لگی۔ انگریزی زمانہ ہے، سبحان اللہ کیا انصاف ہے۔ جیسے حاکم وہیں کھڑا تھا۔ ارے بھئی تب تو انگریز ایسے غدار شہر پر حکومت کرتے ہیں۔

کریم بخش: ہاں بھئی اب کیوں نہ کہو گے۔ جس کے منہ میں چانول ہوتے ہیں، ایسی ہی چبا چبا کے باتیں کرتا ہے۔ خیر کچھ ڈر نہیں۔ خدا نہ بگڑے، مقدمہ چاہے بگڑ جائے۔

کانسٹبل: لے اب جاؤ اپنی اپنی طرف، بکواس نہ مچاؤ آواز لے جائے گی، سب ابھی جیل خانے بھیج دیے جاؤ گے۔

بارسٹر: میاں کریم تم گھبرانا نہیں۔ ہمارا محرر تمہارے پاس آئے گا۔ پیشی کی تاریخ دریافت کر لے جائے گا۔ اس دن ہم ضرور آئیں گے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

شیخ صاحب اور منے صاحب

منے صاحب: اجی شیخ صاحب! مجھے آپ سے ایک بڑا ضروری کام ہے۔ آپ ہی سب کام کرتے تھے۔ جو آپ کو معلوم ہوگا وہ کسی کو نہیں (سب حال کچہری کا بیان کر کے پوچھتے ہیں) مجھے اب کیا کرنا چاہیے؟

شیخ صاحب: (رکھائی سے) حضت اصل بات یہ ہے، ادھر کے حالات مجھے کچھ نہیں معلوم۔ آں دفتر را گاؤ خورد، جولڑکا آپ کے یہاں کا برائے چندے رکھنے کو ملا تھا، وہ بھی نہیں معلوم کدھر چلا گیا۔ کئی دن ہوئے نواب صاحب نے وعدہ کیا تھا، پھر خبر بھی نہ ہوئی۔ مجھے حاضر باشی کی نوبت نہ آئی۔ میں تو اب دوسری جگہ نوکر ہوں نا۔ آپ کی سرکار سے علاقہ نہیں۔

منے صاحب: اجی یہ بتایئے کچہری میں کیا کیا جائے؟

شیخ صاحب: کیجیے گا کیا، چلے جایئے تاریخ کو۔ جو عدالت کہے اسے تعمیل کیجیے۔ آپ تو ماشاءاللہ سے ہوشیار ہیں۔ دو چار احباب سے رائے لے لیجیے۔ وکیل وغیرہ کا کام ہوتا تو میں ابھی لے چلتا۔

منے صاحب: شیخ صاحب! بھلا ایسا کون وکیل ہے جو بے لیے دیے صلاح دے، اور آج کل روپے کا کہیں نام نہیں۔ میں نے بہت فکر اور بہت کچھ کہا، بیگم صاحب کہتی ہیں تنخواہ آئے تو روپے کی صورت ہو۔ وہ تو ایک دوست یار غار تھے، ان سے کہا، کہیں سے فکر نہ ہوسکی۔ اور کھلی بات یہ ہے کہ ان بے چاروں کی کوئی حیثیت پہلے ہی سے نہ تھی۔ جب ان کو ضرورت ہوئی، ہمیں آڑے آئے۔ پھر اب وہ کہاں سے لاسکتے ہیں۔

شیخ صاحب: تو چپ ہو رہیے۔ حوالے بخدا کیجیے، آگے دیکھا جائے گا۔ مگر سمن جو آپ کے نام آیا ہے، وہ کس حیثیت سے آیا ہے؟ بحیثیت مدعا علیہ ہے؟ مدعی آپ ہو نہیں سکتے، آپ نے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ یا بطور گواہ طلبی ہے؟ کوئی کاغذ ثبوت بھی

ہمراہ لانے کو لکھا ہے یا نہیں؟

منے صاحب: جی کچھ بھی نہیں۔ کاغذ واغذ تو کچھ نہیں۔ یہ لکھا ہے کہ فلاں تاریخ دس بجے حاضر عدالت ہو۔ پولیس کا سپاہی ڈھونڈھتا ڈھونڈھتا یہاں پہنچا۔ مجھ کو سن دیا، میں حق حیران۔ آپ جانیے ایک تو کچہری عدالت کا معاملہ، میں ایسی باتوں سے اصلا واقف نہیں، پھر سنتا ہوں فوج داری میں قید ہوتی ہے، بیت پڑتے ہیں۔ (آب دیدہ ہو کے) شیخ صاحب! جناب امیر کی قسم، میں ایسی باتوں سے تمام عمر الگ تھلگ رہا۔ مجھے ان سے کیا واسطہ

شیخ صاحب: ہاں حضرت! معاملہ تو نازک ہے مگر کیا ہو سکتا ہے۔ تاریخ تو آنے دیجیے، دیکھا جائے گا۔ میں نمک خوار ہوں، ہر وقت حاضر ہوں۔ انشاء اللہ کسی امر کی تکلیف نہ ہوگی۔

منے صاحب: ہاں میرے شیخ صاحب، واللہ جیسے آپ نے بندہ بے درم بنا لیا۔ اب آپ سمجھیے ایسے وقت میں ہم لوگوں کی دشمن گلی کی ٹھیکری تک ہے، اور بڑی بات آج کل روپے کا نہ ہونا۔

شیخ صاحب: اجی ٹھیکری کو نہ کہیے۔ چاہے راستے گلی کی ہو، چاہے گوشت پوست کی ہو آپ لوگوں کی عمر میں (ہنس کے) ٹھیکری سب ہی کی دشمن ہے۔

منے صاحب: (مسکرا کے) واللہ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ ارے میاں اس وقت تو نوک جھونک سے باز رہو۔ یہاں تو آبرو پر بنی ہے، آپ کو ضلع جگت کی سوجھی ہے۔

شیخ صاحب: حضرت یہ عمر ہی آپ کی ایسی ہے، آپ کیا کریں۔ یہ اوباشوں کی صحبت، کوٹھوں پر جانا، کیا بالا ہی بالا جائے گا۔ بقول حافظ کہ

عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکل ہا

منے صاحب: جی ہاں، تمہارا تو وہی حال ہے جو عرفی نے ایک قصیدہ میں کہا ہے

دلم چو رنگ زلیخا شکستہ در خلوت
غم چو تہمت یوسف و دیدہ در بازار

شیخ صاحب: بس جایئے، گھر میں جا کے مزے کیجیے۔ ہر چہ بادا باد وقت پر دیکھا جائے گا رخصت۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

عدالت اور مقدمہ، اظہار منے صاحب

منے صاحب: حضور مجھے کچھ نہیں معلوم۔ سنتا ہوں چوری ہوئی تھی۔ گھر کی سب چیزیں گئی تھیں۔ ہاں میں نے کچھ چیزیں نجبنیا کے پاس کمرے پر دیکھی تھیں۔ جیسے پان دان، گھر کا لوٹا، بالیاں، پتے، چھڑے، پہونچیاں میں کبھی کبھی اس کے کمرے پر رنڈی سمجھ کے جاتا تھا۔ واللہ جو اصلا مجھے خبر ہو کہ یہ وہی ہے جو ہمارے یہاں رہتی تھی، پھر بھاگ گئی تھی۔ مجھ سے اس سے آشنائی نہ تھی لاحول ولاقوۃ ہمارے گھر میں تو لونڈی کی طرح خدمت میں رہتی تھی۔

نئے مرزا: حضور خدا کی قسم، میں نہیں بھگالایا، بلکہ یہ خود آ کے کمرے پر بیٹھیں۔ میں روپے پیسے ان سے نہیں لیتا تھا بلکہ کئی سو روپیہ اپنے پاس سے خرچ کیا۔ یہ پڑوس کے گھر میں رہتی تھیں۔ میں نے ان کو ایک دفعہ دیکھا تھا، دیوار سے یہ جھانکتی تھیں۔

کریم: حضور یہ میرے نکاح میں تھیں۔ اور باتوں کا جواب بارسٹر صاحب سے پوچھ لوں تو دوں۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ خدا جانے الٹی پڑے سیدھی پڑے۔ حاکم کا اجلاس ٹھہرا، قانون قاعدے سے جواب دینا چاہیے۔ اور مجھ کو کوئی دعویٰ منے مرزا سے نہیں ہے۔ (روکے) حضور میں باز آیا۔ عدالت ماں باپ ہے۔ جناب امیر کی قسم، مر جاؤں گا۔ حضور مجھے چھوڑ دیں، حضور کا بڑا نام ہوگا۔ یہ جو نالش منے مرزا پر کی تھی، بارسٹر صاحب کے کہنے سے کی تھی۔ انہوں نے بہت سمجھایا، میری سمجھ میں اس وقت یہی آیا۔ میں کہتا ہوں کم بختی مجھ پر سوار تھی۔ اب میں خود ہی صاف صاف حضور سے سب حال کہتا ہوں، رتی بھر نہ چھپاؤں گا۔ حضور مجھ کو چھوڑ دیں، بال بچوں کو عمر بھر دعا دوں گا۔ شہید کربلا کے لہو کی قسم، میں اس چوری میں شریک نہ تھا۔ اور لوگ دیبی، رمضان، کریم وغیرہ سب شریک تھے۔ ان نیک بخت نے کٹھے کی کنڈی کھول دی تھی۔ سب چیزوں کا پتا دیا تھا۔ کئی دن کی صلاح میں چوری ہوئی

تھی۔ پھر ان کو حصہ کیا نہیں دیا؟ برتن، زیور، اسباب ان کو ملا۔ ہاں پان سو روپیہ اپنے حصے کی بابت مجھ کو لاکلام ملا، اس سے مجھ کو انکار نہیں۔

(نجبنیا، جس کا اسباب حاضر عدالت تھا)

نجبنیا: ہاں یہ اسباب میرا ہے۔ مجھے انہیں لوگوں نے دیا۔ میں نہیں جانتی بیگم صاحب کا ہے یا کسی اور کا۔ میں بازار تو لینے گئی نہیں میں ان کو جانتی ہوں، یہ بھی اسی سرکار میں نوکر تھے۔ اسی مارے تو ان کو منہ بولا بھائی بنایا تھا۔ پھر میں ان کی صلاح سے چلی آئی اور اپنی خوشی سے کچھ دنوں بعد نخاس میں کمرہ لیا۔ ایک بالی سونے کی ننھے مرزا کی معرفت بکوا کے خرچ کی، اور ایک جڑاؤ بالی انہوں نے بیچی۔ پھر بارسٹر صاحب کی نوکر ہوگئی۔ پھر یہ جھوٹا مقدمہ نکاح کا دائرہ ہوگیا۔ ننھے مرزا بے چارے کا میں کیوں صبر سمیٹوں منے صاحب میرے یہاں ایک دفعہ آئے تھے۔ مجھے ان سے کوئی واسطہ نہ تھا، رنڈی سمجھ کے آئے تھے۔ امیر امرا کے لڑکے کمروں پر آیا جایا کرتے ہی ہیں۔ مجھے نہیں معلوم اور لوگ جو چوری میں شریک تھے، کہاں ہیں۔ ایک دفعہ بارسٹر صاحب نے منع کیا تھا، کوئی اور آیا نہ کرے۔ وہ ان کا پروتی سائیس ہمارے یہاں آتا جاتا تھا۔

فیصلہ

اظہار گواہان سرکار اور خود کریم اور نجبیا سے اقبال جرم کا پیدا ہوتا ہے۔ اگر چہ کوئی باضابطہ دعویٰ کسی شخص کی طرف سے نہیں ہے۔ اور جس کے یہاں جرم سرقہ ان لوگوں نے کیا، وہ کسی سبب سے دعوے دار نہیں ہے، مگر مسمی کریم اور نجبین اقبال کرتے ہیں کہ چوری کی۔ لہٰذا عدالت کی رائے میں ان سے پانچ پانچ سو کی ضمانت لینا چاہیے۔ جو یہ پیش نہیں کر سکتے، پس اس وقت تک یہ دونوں حوالات میں رہیں۔ اور درصورت نہ پیش ہونے ضمانت مذکور کے بعد ایک ہفتے کے سزائے قید با مشقت میعادی ایک سال کے مستوجب ہوں

جیل خانہ

ننھے مرزا: (نجبنیا سے مل کے) کیا کہیں، اس نالائق کریم نے تو تمہارے ساتھ وہ کیا ہے کہ دشمن سے دشمن بھی نہ کرے گا۔ وہ تو کہو مجھے بھی لے مرا تھا، خدا نے فضل کیا۔ لے بھلا پوچھو، میں کسی امر میں شریک نہیں۔ صرف تمہارے لگاؤ سے یہ کسر اس نے نکالی۔ مگر نہیں ایک بات اور ہے۔ یہ سارا بس بویا ہمارے صاحب بہادر کا ہے۔ سنا ہے، حاکم نے ان پر بھی غضبی کی ہے۔ کیا کہیں، جس وقت حکم سنایا ہے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ مجھے تو واللہ غش آ گیا۔ کٹہرا پکڑ نہ لوں تو زمین پر دھڑ سے آ رہوں۔ اگر آج میرے واسطے پھانسی کا حکم دیتا تو جناب امیر کی قسم اتنا رنج نہ ہوتا۔

نجبنیا: (آہ سرد بھر کر) کیا کہیں، قسمت کا لکھا۔ یہ بھی جو کچھ کرایا، اسی بخشو نے میں نے تو ٹھان لی ہے، اب کبھی جیل خانے میں سامنا ہوتا ہے تو لاکھوں کو سنے دیتی ہوں۔ موا، خدائی خدائی خوار حضرت عباس کا کیا اس سے بڑھ کر علم ٹوٹے گا؟ بھیج دیے گئے نا جیل خانہ کو خدا نے چاہا کیڑے پڑ کے نکلے گا۔ کم بخت آپ ڈوبا، دوسروں کی بھی دنیا خراب کی۔

ننھے مرزا: اجی تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔ کوئی بات نہیں، یوں چٹکی بجاتے دن کٹتے ہیں۔ مگر واللہ جس وقت آٹا پیسنے، سن کھولنے کا خیال آتا ہے، جگر پر برچھیاں پڑتی ہیں برچھیاں۔ واللہ اس دن سے جو میں کسی بات پر ہنسا ہوں۔ ہر وقت تمہاری طرف دھیان رہتا ہے۔ اور سچ پوچھو تو میری زندگی تمہیں تک تھی۔ کئی دفعہ کچھ کھا کے سو رہنے کو جی چاہا۔ پھر خیال کرتا ہوں، جیل خانے میں جا کے تمہاری خیر صلاح لانے والا کوئی نہیں۔ کچھ گھبراؤ نہیں، یہ مصیبت کے دن چٹکی بجاتے کٹ جائیں گے۔

نجبنیا: ہاں، جب سر پر پڑی ہے تو اٹھانا چاہیے، یہ تو کہو بخشو کے کارن یہ سب کچھ ہوا۔ ہاں یہ تو بتاؤ وہ کمرہ پھر ہم کو ملے گا؟ اور ہمارا زیور کہاں گیا؟ ہاتھ گلے کا تو یہاں

موئے داروغے نے چھین چھان لیا اور کچھ سپاہی لوگ لے گئے۔ جب خدا وہ دن کرے گا، لوگ کہتے ہیں، یہ سب تم کو دے دیں گے، رتی بھر چیز نہیں جائے گی۔ اگر ان لوگوں نے پہن پہن کے میلا کیا اور توڑ پھوڑ ڈالا تو ہائے میرا زیور تو کسی کام کا نہ رہا۔ لے اب جاتے جاتے کہاں اتنا روپیہ آئے گا۔

ننھے مرزا: اجی تم دل چھوٹا نہ کرو۔ ان باتوں سے واللہ مجھ کو رونا آتا ہے۔ اجی جب خدا حسین کے صدقے میں اس عذاب سے جان بچائے گا، کیا اس کا سامان نہ کر دے گا۔ پہلے اپنی لاکھ روپے کی جان تو بچے۔

نجبنیا: وہ وقت گذر گیا۔ اب جو کچھ خدا کو منظور ہے ہوگا۔ ہائے مجھے کیا کیا آرزو تھی اور کون کون جتن میں نے سوچے تھے۔ آج تک تو خدا نے میری سب سنی، جو مانگا دیا۔ خاک چاٹ کے کہتی ہوں، اس درجے تک پہنچایا۔ تم سمجھو خدا نے وہ بات مجھے آج دی تھی کہ بڑے سے بڑے آبرودار عزت دار قدموں کے نیچے سری ٹیک کرتے تھے۔ اور جو اگر ہنس کے بلا لیا تو معراج سمجھتے تھے۔ اب تم سمجھو، دنیا میں یہی جینے کا مزا ہے۔ خدا نے اس ناچیز بندی کے واسطے کوئی چیز کی کمی نہیں رکھی ہے۔ ہمیشہ اپنی خوشی رہی۔ جو چاہا کھایا پیا، کسی کا نوکر تابعدار نہیں بنایا۔ صاحب آئے وہاں سے ہم پر حکومت کرنے۔

ننھے مرزا: میں نے تو جی میں کہا تھا، اگر ایسا ہی قرق بٹھانا ہے تو صاحب اپنا انتظام کرو، گھر لے جاؤ، کسی سے کیوں ملنے دو۔ اور صاحب یہ تو بازار کے کمرے کی بات ہے۔ ہزار آئیں گے۔ جو تم کو ایسا ہی خیال ہے، بڑے آبرودار بنے ہو تو کیوں یہ کرو۔ تم سمجھو بی نجم النسا! آدمی کی جو کچھ عزت آبروئی ہوتی ہے، نفع ہوتا ہے سب اپنے گنوں سے یہ کیا؟ کام تو کرو گے تماش بینوں کے اور بنو گے آبرودار۔ یہ مانا، چھپے چوری ایک دو دفعہ ہو گیا، بھلا عیاشی، تماش بینی کھیا کا گڑ نہیں ہے۔ وہ اور مرد ہوتے ہیں جو ادنی ادنی نچنیوں پر لاکھوں نچھاور کر دیتے ہیں اور تیور پر بل نہیں۔ اس

کے لیے بڑا دل چاہیے۔

نجبنیا: بھلا یہ تو گڑھیا میں منہ دھوڈالیں۔ ایسی میری کیا کھاٹ کٹی تھی جوان کی بندہ بندی اٹھاتی۔ یہ تابعداری کرے پیزار کی نوک۔ یوں اپنا منہ سوندھا کرنے کو جو چاہیں کرلیں۔ میری ایسی ہی میت ہوتی تو آج جس کا جی چاہتا ہاتھ پکڑ لیتی۔ ایسا گھٹیا نیت تو کبھی ہوئی نہیں لے نہیں دیکھو، بیسیوں آدمی منہ پھیلائے ہوئے ہیں۔ دروغہ بھی ہنس ہنس کے باتیں کرتے ہیں۔ میں کہتی ہوں ان لوگوں کو ہوا کیا ہے۔ سب کو میں نے ڈانٹ دیا، خبردار ہم سے ایسے کوئی بات کی آرزو نہ رکھنا۔ یوں کہنے کو تو ہم ٹکے کے آدمی ہیں تمہارے سامنے۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ تمہاری بھی یہ مجال بری آنکھ ڈالو۔ کئی ایک بہنیں یہاں مجھے سمجھانے بجھانے لگیں۔ میں نے کہا یہ کرتب تمہیں کو مبارک رہیں۔ کیا کوئی خدا ہے۔ یہی نہ محنت مشقت زیادہ دیں گے پھر اوکھلی میں سر دیا تو چوٹوں کا کیا ڈر۔ اب تو مصیبت پڑی ہے، جھیلیں گے۔ اور یہ بھی دن کٹ جائیں گے بڑے بڑے بادشاہ امیر تو بچے نہیں، ہم تو ادنیٰ سے اس کے بندے ہیں۔ ہماری بادشاہت چھین لی اس کی مرضی۔ خدا پھر راضی ہوگا، پھر وہی مزے ہیں۔ ہاں یہ تو بتاؤ، کوئی صورت ہوسکتی ہے؟ پھر کسی حاکم کے یہاں عرضی دیں؟

ننھے مرزا: ہاں ایک آدھ دوست نے تو مجھ کو نڈھال دیکھ کے ڈھارس دی تھی، اجی اپیل کر کے چھڑالاؤ۔ میں بھی کئی ایک مشہور وکیلوں کے یہاں اپنے وکیل کے ساتھ گیا۔ بڑے ڈبلو آختہ لوگ ہیں، بڑی بڑی کوٹھیاں ان کی ہیں، لاکھوں کا خرچ ہے۔ سرکار میں بھی بڑی بات ہے مگر، سب نے کہا لکھنے کو تو لکھ دیں مگر چلے گی نہیں۔ اور ہمارے وکیل صاحب بھی کہتے تھے، تمہارے اور بخشو کے اظہار برے ہوئے۔ اسی سے پھنس گئیں۔

نجبنیا: پھر میں بخشو کی باتوں پر جل کے یہ نہ کہتی تو کیا کہتی؟ ننھے مرزا! قسم حضرت عباس کی اس کو دیکھتے میرے بدن میں آگ لگتی ہے۔ کیا کہوں، کئی دفعہ جی چاہا،

وہیں بھری کچہری میں منہ نوچ لوں، دانت سے ناک کاٹ لوں۔ خوب ہی جی کھول کے کوسنے دیے میں نے۔ دل کی ہوس نہ رہی۔ میں نے کہا باشد، کچھ بھی ہو، اس کو سزا تو دے لوں، یہ بھی کیا یاد کرے گا۔ اور صاحب بڑے خوش مزاج آدمی معلوم دیتے تھے۔ ہنس ہنس کے پوچھتے جاتے تھے۔ میں سیدھے سبھاؤ کی آدمی، مجھے خیال ہی نہیں آیا، میرے حق میں یہ کانٹے بوئے جاتے ہیں۔ بلکہ ایک دفعہ حاکم کا اردلی آیا تھا، کہا صاحب تم سے بہت خوش ہیں۔ ہم کو حکم دیا ہے، کچہری سے کوئی دن بنگلے پر لاؤ اور سب ان کا حال دریافت کرو۔ کون ہیں؟ کہاں سے آئی ہیں؟ انہوں نے کرید کرید کے سب باتیں پوچھ لیں۔ جی تو کہتا تھا، سنبھل کے بات چیت کرو مگر پھر میں نے کہا یہی موقع ہے۔ اگر حاکم مہربان ہو گیا تو بخشو کو کالا پانی کرا کے چھوڑوں گی۔

ننھے مرزا: اور کیوں یہ بات سچ ہے منے صاحب کی جو تم نے کہی تھی؟

نجبنیا: یہ کب؟ مجھے یاد نہیں

ننھے مرزا: اجی وہی پہلے دن جو تم نے جواب لکھایا ہے۔ وکیل کہتے تھے وہ بہت اچھا تھا۔ جو جو ہم نے بتایا تھا، اسی کے موافق کہا گیا، اگر وہی اظہار ہوتا تو مقدمہ جیتا ہوتا۔

نجبنیا: وہ تو میں نے کہہ ہی دیا تھا مگر پھر مجھے کسی کا صبر سمیٹنے کو جی نہ چاہا۔ اصل بات تو یہ تھی نہیں، میرے منہ سے نہ نکلی۔ بار بار زبان تک آتی تھی مگر کہہ نہ سکی، جیسے کسی نے منہ کیل دیا۔

ننھے مرزا: میں تو پھر یہی کہتا ہوں۔ یہ جو سارا بس بویا ہے، اسی کریم نے۔ بچا ابھی تو جیل خانے میں ہے۔ نکلنے کے بعد یار لوگ دکھائیں گے۔ جاتے کہاں ہیں وہ بھی اسی شہر میں ہم بھی اسی شہر میں۔ نہ اس کا مزہ چکھا دیا ہو تو ننھے مرزا نام نہیں۔ اچھے گھر بینا (بیعانہ) دیا۔ اونٹ جب پہاڑ کے تلے آتا ہے، اس کو معلوم ہوتا ہے،

مجھ سے بھی کوئی اونچا ہے۔

نجبیا: ہاں پھر یہ تو ہونی ہی بدی ہے۔ آخر کب تک پتوں کی آڑ میں بکری چھپے گی۔ ایک دن بازار میں سامنا ہونا ہی ہے۔ چور ڈھور کا مزہ مل جاوے گا۔ ابھی تو ہم صبر کیے بیٹھے ہیں۔ خدا اس چپ کی داد دے گا۔ اس کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔

ننھے مرزا: پھر نکل کے، جو خدا وہ دن لائے گا، رت جگا کرنا۔ میں تو بیسیوں مجلسیں کراتا ہوں اور ماتم تو ایسا ہوتا ہے کہ باید شاید۔ تمہارے واسطے سچ جاننا جان لڑا دی، پھر خدا کی مرضی میں کیا اختیار

نجبیا: مرزا تم اپنے دل پر میل نہ لاؤ، دل مضبوط رکھو۔ دیکھو تو ہر چہ باداباد۔ تم مرد کی صورت ہو کے ایسا چھوٹا دل رکھتے ہو۔ واللہ جو تم نے بہت رنج کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں۔ ارے دنیا میں اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ سمجھ دار ہو کے یہ ناسمجھی کی باتیں کرنے سے ہمت کم ہوتی ہے۔ پھر بھلا کم ہمت آدمی دنیا میں کیا کام کرے گا! نہیں، ہر حال میں خوش بشاش ارے سب کچھ ہوا، خدا تو ہمارا کہیں نہیں گیا، بس اسی پر تکیہ رکھو۔ جو بگاڑے گا، وہی بنائے گا۔ یہ بھی دنیا کی بات ہے۔ جس کو خدا عروج دیتا ہے، اسی کو گراتا ہے۔ موئی پاؤں کی چیونٹی کیا اونچے سے گرے گی۔

ننھے مرزا: اچھا لے اب بتاؤ اب کی دفعہ جو آئیں، تمہارے واسطے کیا لیتے آئیں؟

نجبیا: نہیں، کچھ تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں، خدا معلوم کس مصیبت میں تمہارا آپ رات دن کٹتا ہو گا۔ یہاں دینے دلانے کے لیے ہو سکے، دو ایک دوانیاں چوانیاں لیتے آنا۔ تم سمجھو، سپاہی اپاہی انعام کے لیے منہ کھولے رہتے ہیں۔

ننھے مرزا: اچھا تو یہ تین دوانیاں میرے پاس تھیں۔ سو، ایک دوانی سپاہی کو دی، باقی یہ ہیں۔ میں ایک دوست سے قرض لایا تھا۔ اچھا لے اب چپراسی جلدی کرتا ہے، جاتے ہیں، خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے چاہا اگلے اتوار کو پھر آئیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رخصت

فرہنگ

آ

آتش جنی بھئی چلومیاں ہورن کا پلاؤ کلیہ تو کھوب ملی

آتش زنی ہوئی، چلومیاں لوگوں ک وتو پلاؤ قلیہ اچھی طرح کھانے کومل جائے گا

آگ بتانا

آگ بجھانا

آندھی روگ

مصیبت

(آہستہ آہستہ) ساسر لپھا پہیا ناھیں، کے کل کی کل کے ہاتھ۔جس ان کیر نوکر

آئین

(یہ الفاظ کانسٹیبل کے ہیں جو آہستہ آہستہ زیرلب گالی دیر کر کہتا ہے کہ) لفافہ ہیں، قلانچ ہیں کل کی بات کل دیکھی جائے گی۔جیسے کہ ہم ان کے نوکر ہیں

(الف)

اپنی والی پر آجانا

ضد میں آجانا

اپنی بیس ایسے کے پیچھے اکارت کریے

اپنی جوانی فضول لوگوں کی خاطر برباد کرنا

احیا گنج

یحیی گنج۔لکھنو میں ایک محلّہ ہے،عوام اسے احیا گنج کہتے ہیں

ادھیا

آدھے آدھے پر معاہدہ ہونا نصف

اررھی

ادھر

ارے ہم پنچ کا کھوس کریکا بڑا دل چاہیئے۔ دوئی چار من کھوس تھوڑے ہوت ہیں۔اسپٹر (انسپکٹر) سے ملاکات ہے۔اچھا لے اب بتایئے لیو۔ چلا جاہی۔سراگ رسائی سسر ہمارے جمسے پڑی تم جانو پروتی ہو سارا سہر کنگال ہوئی گا مہنگی بڑے بڑن کا لپھا پھ کھول دیں۔پھر تم جانو کمائی دھمائی کیر بیج مارا گیا، دوئی دوئی بیگم صاحب رہا چاہیں، چار پانچ اسناؤ۔میاں چنڈر جرور پیا چاہیں، اپھیم اور کھائیں، پھر آوے کہان سے سسری بڑھیا مہتاری۔نوکری کرت کرت چوری کرائے دیت ہیں۔ نوکر رکھت بریان حوالدار صاحب سسر کا کوئی نہیں پوچھت اب چوری بھئی تو حوالدار صاحب کا بہو گتے کا پڑا۔ ہمارا سینگ جانے۔

ارے ہم لوگوں کو خوش کرنے کے لیے بڑا دل ہونا چاہیے، دو چار میں خوش ہونے والے نہیں، انسپکٹر سے جان پہچان ہے، معاملہ کرا دیں گے۔اچھا لو اب بات کرو۔ سراغ رسانی ہمارے سپرد ہوئی۔تم جانتے ہو ایک سال سے سارا شہر کنگال ہو گیا ہے، مہنگائی نے بڑے بڑوں کے پردے فاش کر دیے ہیں، لوگوں کی آمدنی سرے ہی سے ختم ہو گئی ہے۔گھر میں دو دو بیویاں ہیں، چار پانچ آشنائیں۔ میں انچڈر پیتے ہیں، اس پر افیم کھاتے ہیں پھر آئے کہاں سے سسری ماں ملازمت کرتے کرتے چوریاں کروا دیتی ہے نوکر رکھتے وقت حوالدار صاحب سے کوئی مشورہ نہیں لیتا۔اب جب چوری ہو گئی تو حوالدار صاحب کو بھگتنا پڑ گیا، ہماری بلا جانے۔

اچرس

اچور کے معنی میں آتا ہے ضعیف بڑھیا

اچور

اچرس

انمت

جوں کا توں

انمتد

انمت

انیلا

ناتجربہ کار، ناسمجھ، اناڑی

انیلی

ناتجربہ کار ناسمجھ

اواری

سواری کا مہمل

اوتانا

اترانا

اودار

ابرودار عزت دار

اور کھیل کھیلا ہر دنگا نہیں کھیلا

بعض اس محاورے کو یوں بھی کہتے ہیں سب کھیل کھیلے ہڑونگ نہیں کھیلے۔ یعنی تمام لطف اور مزے لوٹنے کے بعد پھر کسی اور عیش کی تمنا کرنا۔

اورو

جورو کا تابع مہمل

اونٹ کی چوری جھکے جھکے

بعض لوگ اسے یوں بھی بولتے ہیں اونٹ کی چوری نہیو رے نہیو رے مطلب کوئی ایسا کھلا ہوا کام جس کے چھپنے کا امکان نہ ہو لیکن چھپانے کی کوشش کی جائے۔

باودان

بعد

بدخوارہ

بےڈھنگی

برتن انوائے

کمہار کے یہاں سے آئے ہوئے برتنوں کو پاک کرنا

بےموزب

غیر مہذب

(پ)

پانی کے اوپر ہونہ پانی کے نیچے

آپے سے باہر ہونا

پاسی

چہار، نیچ ذات، شودر

پال پال جی کا کال

خودساختہ مصیبت

پکی پوڑھی کرنا

بات پکی کرنا، طے کرنا

پھیلندوں کی طرح بگار کر رکھ دیا

بھگار (بگھار) اس محاورے کی جگہ یوں بھی لکھتے ہیں کہ جامنوں کی طرح اچھال کر رکھ دیا یعنی کچل کر رکھ دیا

(ت)

ترتا بھرتا

ایک دم خاتمہ

نکلا

پتنگ کی وہ ڈور جو ہاتھ کے انگوٹھے اور چنگلیا پر لپیٹی جاتی ہے

توبہ نصوحا

توبۃ النصوح

تون صاحب ہم کا بھجن رہی ۔بڑے جدید کہن ہم اب نہ اوب تمہرے ہاں رکم رکم کے آوے لاگ اور صاحب بیگم صاحب آپ جانین ہے۔ صاحب کی کچہری ماں بڑی بات ہے۔ ہم نیچ جانت ہیں۔ حاکم کا ہاتھ پکڑ لیت ہیں جون چاہے تون آج کرائے ڈاریں

تو صاحب نے ہمیں بھیجا ہے بڑے غضب کے ہیں کہلایا ہے کہ اب ہم تمہارے پاس نہیں آئیں گے۔ تمہارے پاس طرح طرح کے لوگ آنے لگے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کچہری میں صاحب بیگم صاحب کی کتنی بڑی بات ہے۔ سب جانتے ہیں حاکم کا ہاتھ پکڑ کر جو چاہیں آج ہی کروالیں

(ٹ)

ٹنڈیاں باندھنا

مشکیں کسنا

(ج)

ضابطہ سے جو کوؤ تحکیکات کرے اوھکا کچھو ڈر نائیں مداہ مکدمہ جرا بینڈا آئے پڑا

ضابطہ سے جو کوئی تحقیقات کرے گا اس کا ڈر نائیں لیکن مقدمہ ذرا مشکل ہے ٹیڑھا ہے

چام نہیں پیارا دام پیارا

یعنی کسی کا چہرہ عزیز نہیں ہوتا پیسہ عزیز آتا ہے۔ جن کی خاطر رعب برداشت کرلیا

جاتا ہے

جاپناہ

جہاں پناہ (واجد علی شاہ آخری فرمانروائے اودھ)

جگ ہر ہو جانا

زبان داں جاگ ہو جانا بھی کہتے ہیں یعنی بیداری بیدار ہو جانا

جنا

فصل پیدا کرنا، اسم فرد عوامی بولی میں

جنگلی باڑی

باریکل ململ، دو پٹوں کا کپڑا

جھانپ

چوکھٹ کے آگے جو سائبان ٹیڑھا ہوتا ہے، بانس کا سرپوش، ٹوکرا، چھت پاٹنے کا سامان

جیٹ کی جیٹ

گڈی

(چ)

چادر دھج کے نکلیں گے

چادر سے منہ چھپا کر نکلیں گے

چرخ کی طرح چلے جانا

زبان چلانا

چرچتے

شبہ کرنا

چرندم خرندم

ہاتھ مارنا، ناجائز طریقہ پر کھانا، غلط فائدہ اٹھانا

چرنک

چربناک بھی کہتے ہیں، یعنی عیار، شوخ

چڑیا کا

بطور گالی کے یہ کلمہ استعمال کیا جاتا ہے

چڑیل کی چوٹی ہاتھ میں آنا

چالاک آدمی کو قابو میں کرنا، کسی کی کمزوری تاڑ جانا

چکوتہ

فیصلہ، بے باقی

چنڈو بمبو

چنڈو ایک قسم کا نشہ ہے، یعنی نشی پانی

چنگ پر چڑھانا

خوشامد، جھوٹی تعریف

چونگے، چونگا

سودا، معاملہ، معاوضہ، احمق اور بے وقوف کے معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں

چہل پانچ

دھوکہ، فریب

چھوٹے گاؤں سے ناتہ کیا

چھوڑے ہوئے لوگوں سے کیا واسطہ

چھو چھکا

دعا تعویذ

حاشیے پھندنے لگانا

کلی پھندنے لگانا بھی کہتے ہیں یعنی مبالغہ آرائی سے کام لینا

حرام حدیث لگانا

جھوٹے الزام لگانا

حسن دان

سنگھار بکس، سنگھار دان

حضت

حضرت اہل لکھنو کا تکیہ کلام مخفف

حضرت عباس کا علم ٹوٹے

بد دعا، کوسنا

(خ)

ختکا

ٹھینگا دکھا کر بے پرواہی ثابت کرنا

خوشی خاں

اپنی مرضی سے، خوشی سے

(د)

داریبنہ

دیرینی، قدیم

دانہ زاد

غلام

دانہ زد لوگ

بخیل، غلام

دم کھا کے رہ جانا

دم بخود ہو جانا

دو بمہ پیشگی

دو ضربین بطور پیشگی، گفتگو کا متبذل انداز

دو فصلی

لگی لپٹی دوغلی

دیا بند

ادائیگی

دھڑا باندھنا

الزام لگانا

دھن سگ

مخفف! دھن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

دھدوں اور گھٹنوں کے آگے آنا

بد دعا، کوسنا

(ڈ)

ڈبل

دو پیسہ

ڈوس

دوش، الزام

(ر)

رسانیت

سکون سے، اطمینان سے، آہستہ سے

رکم رکم کے لوگ

قسم کے لوگ، بھانت بھانت کے لوگ

رنڈ سالہ

وہ جوڑا جو عورت کی بیوگی کے وقت سرپرست وارث یا اقارب پہناتے ہیں

(ز)

زیٹ

گپ

(س)

سانٹھ گانٹھ

سازباز

سب دھان بائیس پسیری

ہر ایک کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرنا

سبتا

فرصت وفراغت (سبھیتا فرصت وفراغت وخوش حالی)

ستھرائی دلوادی

جھاڑو دلوادی، چوری کروادی

سنڈا

جوان

سوارت ہونا

ٹھکانے لگنا

سوبیتے

اطمینان سے

سینکیا پلوان

سینک سلائی، دبلا پتلا طنزاً بولا جاتا ہے

(ش)

شبیرا

سویرا

(ص)

صاحب بڑے کھپا ہیں۔ اس نہ جانت رہی تم جانو صاحب کی مرجات، بڑے بڑے لپٹن، کرنیل کے یہاں نوکری کر آئے ہیں۔ بڑے ساہ کھرچ مالک ہے۔ ایک ایک پتریا کا سیکڑوں لوٹ دے ڈالیں۔ روپیہ کی بات چیت تھوڑو باگ ہمار بھائی بند پرتی رہن ان کی مہرارو سے دوئی چار بیر ہنست رہن کبھون ٹونٹی کا بیس ففٹی کا نوٹ دیت رہین۔ رات برات کوئی ایسی ویسی بلائن۔ تو پاک پاک گھنٹہ کے لئے ٹونٹی خایو ففٹی۔ ہنڈل دے ڈارن اس ساہ کھرچ مداہ اور بڑی بات ہے؟

صاحب کہن ہیں ہم کا سب حال معلوم بھوا تمہر ے گھر نہ آوب

صاحب بڑے خفا ہیں۔ یہ نہیں معلوم کیوں۔ تم صاحب کی میل ملاقات جانتے ہی ہو۔ بڑے بڑے لفٹنٹ کرنلوں کے گھر نوکری کر چکے ہیں۔ یہ بڑے شاہ خرچ ہیں۔ ایک ایک طوائف کو سینکڑوں کے نوٹ دے ڈالتے ہیں۔ روپیہ پیسہ کی معمولی بات ہے۔ ہمارے بندوں ملنے جلنے والوں کی عورتوں سے دو چار دفعہ ہنس بول لیتے ہیں۔ تو بیس پچاس کے نوٹ انہیں دے ڈالتے ہیں اگر رات کو کسی بدمعاش عورت کو بلایا تو ایک گھنٹے کے پچیس پچاس سو تک دے دیا کرتے ہیں بڑے شاہ خرچ ہیں اور ان کی بڑی بات ہے۔ صاحب کہتے ہیں ہمیں سب کچھ معلوم ہے اب ہم تمہارے گھر کبھی نہ آئیں گے

(ط)

تنوں

طرح

(غ)

غرے ڈبے

رعب دکھانا

(ف)

فتیلہ داغنا ہوں

آتش بازی چھوڑنا، فساد کرنا، شرارت کرنا

(ق)

قضا عنداللہ

اتفاقاً، اللہ کے حکم سے

قطامہ

فاحشہ عورت

(ک)

کٹے لگا

ہاتھ لگا

کج پیندے

وہ لوٹا جس کا پیندا ٹیڑھا ہو کنایہ ہے بے اعتبار آدمی سے

کسمت کو جھینکیں

قسمت کا شکوہ کریں، قسمت کو روئیں

کمپا مارا

ہاتھ مارنا

کن منانا

نیند میں پہلو بدلنا اور آہستہ آہستہ بولنا

کنکالا

ڈائن خراب عورت کے لیے آتا ہے

کو

کون

کو بہ کاری

زدوکوب کرنا

کھاٹ کٹی

عزت جانا، بات گر جانا، مجبوری

کھدھڑ

کھدر، گاڑھا

کھڑے ترے

کھڑے کھڑے

کھلس

چبلا پن، نا مناسب ہنسنا

گھنگے

کپڑے کے تار نکل جانا، یعنی خستہ، پرانا

کہی بدی رکھنا

طے کر رکھنا

کہیگلی

گیگلی، بے وقوف، بھولی نا سمجھ

کیر

کاکے

(گ)

گالیاں کوسنے پر اتارو ہو جانا

برا بھلا کہنے پر اتر آنا

گٹھ گئی

مل گئی، سازش کرنا

گڈامی بولی

انگریزی بولی

گڑھیا میں منہ دھونا

تلیا میں منہ دھو رکھو، ایسے بھی بولا جاتا ہے۔ یعنی کسی قابل نہیں ہونا، حقیر ہونا، ناچیز ہونا

گھاٹ کرنا

نقصان پہنچانا

گھٹنا

چوڑی دار پاجامہ، تنگ پاجامہ

گھریا

گھر والا، شوہر گھر کے لوگ

گھوڑا گھاس سے یاری کرے گا تو کھائے گا کیا

معاملہ میں رعایت کرنے سے نقصان ہوتا ہے

(ل)

لال بیگی

بھنگیوں کی ذات

لڑنی رات کرے بچھڑنی رات نہ کرے

خدا زندگی میں ایسی راتیں نہ لائے جس میں وہ ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں

للک

کشش، پیار، محبت

لنگارے

لنگاڑے بھی کہتے ہیں، لفنگے

لم

بھید، ڈھب

لوٹ

دیہاتی تلفظ، نوٹ

(م)

ماما نچتیاں

ماما کے ہاتھ کی پکی روٹی کھانا، یعنی عیش اڑانا، پکی پکائی کھانا بھی کہتے ہیں

مفت کی کھائیں کھائیں مقرر کرنا

بے کار، فضول مصیبت، پریشانی، سمجھنا

مگلانی

مغلانی، بیگمات کے پاس سینے پرونے، اور مصائب کے لئے جو خواتین رہتی ہیں

مگھم

مبہم

مل

لیکن

ملکہ ٹوریا

ملکہ وکٹوریا

منکنا

چوکنا ہونا

منہ کیلنا

جادو سحر سے زبان بند کر دینا

موکیلا

منہ کیلنا، منہ بند کرانا

موسنا

چرالینا، غضب کرنا

مہتاری

ماں

مہرارو

بیوی، جورو

مہریا

بیوی

مہمت لزوم

قدوم میمنت لزوم

(ن)

با آداب

بے ادب

ناپرسانی

بےوقعتی، بےتوجہی

ناک کٹی سلامت کان کٹے مماک

یعنی ہر حالت میں قانع رہنا

ناکر جانا

انکار کر دینا، جہلا کا انداز گفتگو

ناموسی

بےعزتی

ناہیں حضور آپ کی مرجی پر ہوا چاہے۔ جون آپ فرمائیں۔ کس ہم کارروائی کری سیدھی انگلن سے کہیں گھیونکسا ہے۔ آپ جان لین

نہیں حضور آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ جو آپ حکم دیں ویسی ہم کارروائی کریں۔ سیدھی انگلیوں سے کہیں گھی نکلا ہے (یعنی سختی کے بغیر تفتیش ناممکن ہے) آپ سمجھ لیجیے

نائیں آج پہلی نوکری ہے پھر اگت کر کے چھوڑی۔ آج ٹھنڈائی جراجیادہ ہوگئی تو اس معلوم ہوت ہے کووآکاس پر لئے جات ہے اور پاتال پھینک دیت ہے

آج پہلی نوکری ہے کام ختم کر کے چھوڑا۔ آج ٹھنڈائی ذرا زیادہ ہوگئی تو ایسا لگتا ہے کہ کوئی آسمان پر اڑائے لیے جارہی ہے اور زمین پر پٹک دیتا ہے۔

نائکہ

رنڈیوں کے گھر کی مالک جو پیشہ کرواتی ہے کٹنی

نسا کھاطر

نشا خاطر، دلجمعی، اطمیان

نقدانٹی کرنا

جیب گرم کرنا، نقد روپیا چرانا

نکتورے

شکوے کرنا، غمزے کرنا

نک سک

سراپا حلیہ، خوبصورت بالکل درست

نکھلوا

لکھنوی

نوج دور پار چھائیں پھوئیں

عورتوں کے الفاظ، یعنی خدا مصیبتوں سے محفوظ رکھے

نوچی

نوعمر طوائف کسبی عورت

(و)

وارے سے ملنا

فرصت سے ملنا

(ہ)

ہاتھوں کے طوطے اڑنا

کنایہ بدحواس ہونا

ہچکا

پتنگ اڑانے کی ڈور کی چرخی

ہڈی چمڑا لگنا

دبلا ہونا، سوکھ کر لاغر ہونا

ہزار طریوں کے حرامجادے حلال جادے

ہزار طرح کے اچھے برے آدمی ہوتے ہیں

ہشو

وحشی، جنگلی، احمق

ہم پنچ

ہم لوگ

ہمک کر

اچک کر

ہم سب جانت ہیں تون ہم کا کا پڑی ہے۔ جو جائی، سکارے حوالدار صاحب سے بول دیب نباب کے ھیاں باندی لونڈی کھریدی جات ہیں اور لکھاوے تھانے پر کوؤ نائیں آوت اپنی آپ دیا پھت کرلے ہیں۔

ہم سب جانتے ہیں تو ہمیں کیا غرض پڑی ہے جو جائیں صبح کو حوالدار صاحب سے کہہ دیں گے کہ نواب کے یہاں لونڈی باندی خریدی جاتی ہیں۔ لیکن تھانے پر کوئی لکھوانے نہیں آتا۔ وہ خود دریافت کرلیں گے

ہوا زدگی

ہوا لگنا، فالج وغیرہ ہونا

------اختتام------